دیباچہ

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن انجمن ترقی اردو، ہند نے ۱۹۶۲ء میں دہلی سے طبع کیا تھا۔ اس کا پاکستانی ایڈیشن، اقبال اکادمی پاکستان نے لاہور سے ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔ موجودہ ایڈیشن، طبع ثانی کی شکل میں، اضافوں کے ساتھ، اقبال اکادمی ہی چھاپ رہی ہے۔

یہ کتاب بنیادی طور پر میرے پی ایچ ڈی کے مقالے بعنوان "مطالعہ تلمیحات و اشاراتِ اقبال" پر مشتمل ہے۔ یہ مقالہ استادِ گرامی قدر پروفیسر رشید احمد صدیقی کی نگرانی میں لکھا گیا تھا اور اس پر مجھے علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سے ۱۹۵۶ء میں ڈگری عطا کی گئی - اس میں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو تلمیح اور اشارے کی تعریف سے خارج ہیں - ان کو محض اس لیے شامل کیا ہے کہ وہ تلمیح اور اشارے سے قریب تر ہیں - نیز ان سے مقالے کی جامعیت اور افادیت بھی بڑھ جاتی ہے - لیکن چونکہ مقالہ زیادہ تر تلمیحات و اشارات ہی پر مشتمل ہے، اس لیے کتاب کا عنوان جوں کا توں رکھا ہے - مقالے کی ترتیب میں یہ امر خاص طور پر ملحوظ رہا ہے کہ کوئی چیز حد سے متجاوز نہ ہو، اس لیے اختصار پیشِ نظر رہا ہے - مشہور واقعات اور مشہور شخصیات کے بارے میں تفصیل سے گریز کیا ہے؛ البتہ جن حضرات کو تفصیلات مطلوب ہیں، ان کے لیے چند مستند حوالے موجود ہیں، وہ انھیں پڑھ کر اپنی تشفی کا سامان کر سکتے ہیں - مقالے میں اقبال کی کتابوں کی ترتیب تاریخی ہے، اس لیے 'اسرارِ خودی' سب سے پہلے ہے - اگرچہ 'بانگِ درا' میں 'اسرار' سے بہت پہلے کی نظمیں اور غزلیں موجود ہیں، لیکن چونکہ بانگ درا کی اشاعت پہلی مرتبہ ۱۹۲۴ء میں ہوئی تھی، اس لیے قدرتی طور پر اس کا شمار بعد میں آتا ہے - تاریخی ترتیب کے علاوہ قاری کی سہولت کے لیے اکثر کتب کے حوالے کے ساتھ ان کا سال طباعت درج ہے - اس کتاب میں اقبال کے وہ نسخے پیشِ نظر رہے ہیں جو لاہور میں اقبال اکادمی نے کلیاتِ اقبال کے نام سے شائع کیے ہیں - قرآنی تلمیحات میں ترجمہ مولانا عبدالماجد دریابادی کا ہے - یہ ترجمہ اپنی صحت، سلاست اور لطفِ زبان کے اعتبار سے خاصے کی چیز ہے -

اس مقالہ کی تکمیل استادِ محترم پروفیسر رشید احمد صدیقی کی شفقت اور رہنمائی کے بغیر ممکن نہ تھی - میں ان کا دل سے ممنون ہوں - ان کے علاوہ جن حضرات نے میری دستگیری فرمائی، میں ان کا بھی شکرگزار ہوں - ان کے اسمائے گرامی ہیں: پروفیسر خواجہ منظور حسین، پروفیسر اے جے آربری، مولانا ضیاء احمد بدایونی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا امتیاز علی خان عرشی، مولانا حامد حسن قادری، مولانا عبدالعزیز میمن، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا محمد اسلم جیراجپوری، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا قاری محمد طیب، مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قاضی عبدالودود، جناب اسلوب احمد انصاری، خان بہادر ظفر حسین، جناب سید وزیر الحسن

عابدی، جناب میکش اکبر آبادی، جناب خواجہ غلام السیدین، جناب غلام احمد پرویز، جناب اثر لکھنوی، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر محمد عزیر، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، ڈاکٹر میر ولی الدین، ڈاکٹر عبدالوہاب عزام، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی وغیرہم-ان میں سے اکثر حضرات وفات پا چکے ہیں، مقالے کی تحریر کے وقت سب بقید حیات تھے-ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے جنھوں نے اقبال کے احباب اور اعزہ کے بارے میں معلومات فراہم کیں-سچ تو یہ ہے کہ ان تمام حضرات کی توجہ ہی سے یہ مقالہ مکمل ہوا اور کتابی صورت میں پیش کیا جاسکا ورنہ من آنم کہ من دانم!

مقالے کے دس ابواب میں یہ کوشش رہی ہے کہ وہ تمام تلمیحات و اشارات آ جائیں جو اقبال کے کلام میں پائے جاتے ہیں- اس مقالے کی تیاری میں جن کتب خانوں سے استفادہ کیا ہے، ان میں پنجاب پبلک لائبریری لاہور، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ، رضا پبلک لائبریری رام پور اور کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی خاص طور پر قابل ذکر ہیں-

ڈاکٹر اکبر حسین قریشی

(سابق) صدر شعبہ اردو

گورنمنٹ پوسٹ گریجوٹ کالج

اصغر مال، راولپنڈی

باب اوّل

اقبال کا ماحول اور شخصیت

شیخ محمد اقبال کشمیری برہمنوں کے ایک قدیم خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کی ایک شاخ اب تک کشمیر میں موجود ہے۔ یوں تو ہندوستان میں برہمن اپنے مذہبی تقدس کی وجہ سے عموماً معزز سمجھے جاتے ہیں لیکن کشمیری برہمن کشمیر میں علمی حیثیت سے بھی خاص امتیاز رکھتے تھے۔ اگر چہ اسلام کے زیر اثر اقبال ذات پات اور نسل کے افتخار کو صحیح نہیں سمجھتے تھے تاہم جا بجا ان کے اشعار میں اس قسم کے اشارے ملتے ہیں کہ ان کو اپنے برہمن زادہ ہونے پر بھی فخر تھا۔ مثلاً ایک جگہ کہتے ہیں۔

مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمی بینی
برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

برہمنوں کی ذہانت اور فلسفہ دانی سے کس کو انکار ہو سکتا ہے اور غالباً از روئے قانونِ توارث اقبال کو اس میں اچھا خاصہ حصہ ملا تھا۔

اقبال کے آباء و اجداد کشمیر سے آ کر پنجاب میں بس گئے تھے۔ آپ کے اجداد سترہویں صدی عیسوی میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور تقریباً اسی زمانے میں کشمیر سے ترک وطن کر کے مختلف اطراف میں پھیل گئے۔ علامہ اقبال کے خاندان کے مورثِ اعلیٰ نے سیالکوٹ کو اپنا وطن قرار دیا۔ اسی شہر میں اقبال ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو پیدا ہوئے اور ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو لاہور میں انتقال کیا۔ ان کی پیدائش سے چند روز قبل ان کے والد شیخ نور محمد نے ایک خواب دیکھا تھا کہ "ایک بڑا ہی عجیب و غریب پرندہ فضا میں زمین کے قریب اڑ رہا ہے اور بڑی کثرت سے لوگوں کا ہجوم ہے اور اس ہجوم میں میں بھی ہوں، وہ پرندہ کسی کی کوشش سے ہاتھ نہیں آتا لیکن خود بخود میرے دامن میں آ کر گرا اور میں نے اس کو پکڑ لیا" اس کے بعد اقبال پیدا ہوئے تو انہوں نے اس خواب کی یہ تاویل کی کہ وہ پرندہ یہی بچہ ہے اور یہ ضرور کوئی غیر معمولی کمال پیدا کرے گا۔

اقبال کے والد اگر چہ صاحب ثروت نہ تھے لیکن اپنے شہر میں اپنی مذہبی و اخلاقی پاکیزگی کی وجہ سے قابلِ احترام سمجھے جاتے تھے۔ ان پر تصوف کا رنگ بہت زیادہ غالب تھا اور اقبال نے اپنی اس آبائی بلکہ خاندانی خصوصیت کی طرف بعض اشعار میں خود بھی اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

جس گھر کا مگر چراغ ہے تو
ہے اس کا مذاق عارفانہ

اس بنا پر اقبال نے ایک صوفیانہ ماحول میں نشو ونما پائی اور ان کے والد نے ان کی تربیت بالکل مذہبی اور اخلاقی اصول پر کی- چنانچہ اقبال کا بیان ہے کہ "جب میں سیالکوٹ میں پڑھتا تھا تو صبح اٹھ کر روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا- والد مرحوم اپنے اوراد و وظائف سے فرصت پا کر آتے اور مجھے دیکھ کر گزر جاتے- ایک دن صبح کو میرے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ کبھی فرصت ملی تو میں تم کو ایک بات بتلاؤں گا۔ بالآخر انہوں نے ایک مدت کے بعد یہ بات بتائی- ایک دن صبح کو جب میں حسب دستور قرآن کی تلاوت کر رہا تھا تو وہ میرے پاس آئے اور فرمایا "بیٹا! کہنا یہ تھا کہ جب تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ یہ قرآن تم ہی پر اترا ہے یعنی اللہ تعالیٰ خود تم سے ہم کلام ہے"-

اسلام سے محبت اور اولیائے کرام سے عقیدت آپ کے آباء واجداد کا شیوہ رہا ہے- آپ کے والدین بھی مذہب کے سچے پرستار اور محبتِ رسول میں سرشار تھے- اسلام اور پیغمبر اسلام کی یہی محبت اقبال کو ورثے میں ملی اور ان تک پہنچتے پہنچتے اس شرابِ عشق میں اور بھی تیزی آ گئی تھی-

اقبال نے اپنے والد کی خدا ترسی کا ایک واقعہ رموزِ بیخودی میں نہایت موثر طریقہ سے بیان کیا ہے کہ میں نے ایک سائل کو بری طرح ڈانٹا- والد سن رہے تھے، انہوں نے اس درد انگیز طریقے سے میری اس درشتی پر سرزنش کی کہ اس کے بعد سے آج تک میں کبھی کسی سائل کے ساتھ کسی قسم کی سخت کلامی نہیں برت سکتا۔ نہ صرف اقبال کے والد بلکہ والدہ بھی ایک دیندار اور عبادت گزار خاتون تھیں اس لیے انہوں نے بھی ان کی مذہبی اور اخلاقی تربیت میں نمایاں حصہ لیا، چنانچہ اقبال نے اپنی والدہ مرحومہ کا جو مرثیہ لکھا ہے اس میں اس کی طرف صاف اشارے ملتے ہیں-

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا
دفترِ ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

گھر پر ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کچھ مدت تک آپ نے مکتب میں پڑھا- اقبال کے والد کو مولوی سید میر حسن سے خصوصیت تھی اور آپ ان کے فیضِ صحبت اور علمی فضیلت سے بخوبی واقف تھے- اس لیے انہوں نے اقبال کو میر حسن کے زیرِ سایہ مشن اسکول میں داخل کرا دیا- یہاں پانچویں جماعت میں نمایاں کامیابی

کے صلہ میں اقبال نے وظیفہ پایا۔ اسی طرح مڈل کے درجات میں ہم درسوں میں ممتاز رہے اور آٹھویں جماعت کے امتحان میں بھی وظیفہ حاصل کیا۔ انٹرنس کا امتحان بھی امتیاز کے ساتھ پاس کیا اور سرکاری وظیفہ کے مستحق قرار پائے۔

مولوی سید میر حسن کی زندگی خالص علمی زندگی تھی اور ان کو شعرائے عرب، شعرائے ایران اور شعرائے اردو کے بے شمار اشعار زبانی یاد تھے اور ان کی تعلیم کا یہ خاصہ تھا کہ جو شخص ان سے عربی یا فارسی زبان کی تعلیم حاصل کرتا تھا اس کی طبیعت میں اس زبان کا صحیح مذاق پیدا کر دیتے تھے۔ چنانچہ اقبال نے ان کی تعلیم وصحبت سے پورا فائدہ اٹھایا اور میلانِ طبیعت کے علاوہ یہ انہی کا فیضِ صحبت تھا کہ اقبال کو اساتذہ کے ہزاروں اشعار ازبر تھے۔

بہر حال اقبال میں عربی اور فارسی دانی اور شعر وسخن کا جو ذوق پیدا ہوا وہ انہی بزرگ کی تعلیم اور صحبت کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ سفرِ انگلستان کے موقع پر حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مزار پر انہوں نے "التجائے مسافر" کے عنوان سے جو نظم پڑھی اس میں عقیدت مندانہ طور پر ان کے اس علمی احسان کا اعتراف کیا۔

وہ شمعِ بارگہِ خاندانِ مرتضوی
رہے گا مثلِ حرم جس کا آستاں مجھ کو
نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
دعا یہ کر کہ خداوندِ آسمان و زمیں
کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو

مولوی میر حسن کے ساتھ اقبال کی یہ عقیدت مندی عمر بھر قائم رہی۔

جب اقبال اسکاچ مشن کالج سیالکوٹ میں داخل ہونے لگے تو آپ کے والد نے آپ سے عہد لیا کہ تم تعلیمی زندگی میں کامیاب ہونے کے بعد اپنی زندگی اسلام کے لیے وقف کر دو گے۔ آپ اس عہد پر تا دمِ مرگ قائم رہے اور تمام عالم کو معلوم ہے کہ کس طرح اقبال نے اسلام کی خدمت کی۔

مشن کالج سیالکوٹ سے ایف۔ اے پاس کر کے اقبال لاہور آئے اور گورنمنٹ کالج میں بی۔ اے میں داخل ہوئے۔ ۱۸۹۷ء میں بی۔ اے میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور وظیفہ پایا۔ عربی اور انگریزی میں اول آنے پر دو طلائی تمغے حاصل کیے۔ اس زمانے میں پروفیسر تھامس آرنلڈ ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ سے گورنمنٹ کالج لاہور میں آ گئے تھے۔ ان کی فلسفہ دانی کی شہرت اور اپنے طبعی رجحان نے اقبال کو ایم۔ اے میں فلسفہ کا مضمون لینے کی ترغیب دی۔ آرنلڈ شاگرد کی قابلیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اقبال کو شاگرد

سے ترقی دے کر احباب کے زمرے میں داخل کر لیا۔ آرنلڈ کہا کرتے تھے کہ ''ایسا شاگرد استاد کو محقق اور محقق کو محقق تر بنا دیتا ہے''۔ ۱۸۹۹ء میں اقبال نے ایم۔اے پاس کیا اور یونیورسٹی میں اول آنے کے باعث طلائی تمغے کے مستحق قرار پائے۔

لیکن آرنلڈ اقبال میں علمی ذوق پیدا کر کے انگلستان واپس چلے گئے اور اقبال نے ان کے رخصت ہونے پر ''نالۂ فراق'' کے عنوان سے ایک الوداعی نظم لکھی جس میں اس علمی ذوق کا خاص طور پر تذکرہ کیا جو ان کے فیضِ صحبت نے ان میں پیدا کر دیا تھا۔

تو کہاں ہے اے کلیمِ ذروۂ سینائے علم
تھی تری موجِ نفس بادِ نشاط افزائے علم
اب کہاں وہ شوق رہ پیمائی صحرائے علم
تیرے دم سے تھا ہمارے سر میں بھی سودائے علم
''شورِ لیلیٰ کو کہ باز آرائش سودا کند
خاکِ مجنوں را غبارِ خاطرِ صحرا کند''

آرنلڈ کی تعلیم و تربیت اور فیضِ صحبت نے اقبال میں جو علمی ذوق بیدار کر دیا تھا وہ ابھی نا تمام تھا اور اس کی تکمیل کے لیے وہ خود انگلستان جانا چاہتے تھے لیکن ایم۔اے ہونے کے بعد وہ پہلے اورینٹل کالج لاہور میں تاریخ فلسفہ اور سیاستِ مدن کے لیکچرار مقرر ہو گئے تھے پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ اور انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے اس لیے ملازمت کا یہ تعلق زنجیر پا ہو رہا تھا اور نظم مذکور کے اس مصرع میں:

توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو

''پنجاب کی زنجیر'' سے غالباً ملازمت کے اسی تعلق کی طرف اشارہ ہے لیکن بالآخر وہ اس زنجیر کو توڑ کر ۱۹۰۵ء میں رخصت لے کر عازمِ انگلستان ہوئے اور خاندانی تصوف کی عقیدت و اثر کی بناء پر سب سے پہلے دلی میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مزار پر حاضر ہو کر ایک نظم پڑھی جس میں اظہارِ عقیدت کے بعد اپنے مقصدِ سفر کا اس طرح اظہار کیا۔

چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثلِ نکہتِ گل
ہوا ہے صبر کا منظور امتحاں مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو

بہر حال اقبال انگلستان پہنچ کر کیمبرج میں داخل ہوئے اور جیسا کہ ڈاکٹر ملک راج آنند نے لکھا ہے- خوش قسمتی سے انگلستان پہنچتے ہی ان کی ملاقات میک ٹیگرٹ جیسے فلسفی سے ہوئی جو ہیگل کا متبع تھا اور اس زمانے میں فلسفی کی حیثیت سے بہت شہرت حاصل کر چکا تھا' پھر فارسی ادب کے مشہور مؤرخ براؤن اور ''اسرار خودی'' کے مترجم ڈاکٹر نکلسن سے ملاقات ہوئی - ابتدا میں اقبال کو فلسفہ اور فارسی ادب سے بہت شغف تھا، لیکن جب ان کا رجحان وطنیت اور قومیت کی طرف ہوا اور وہ ان موضوعات پر نظمیں لکھنے لگے تو یہ شوق دب کر رہ گیا تھا - اب یہ پھر ابھرا اور ان لوگوں کے اثر و تربیت نے اسے پختہ کر دیا- میک ٹیگرٹ کے لیکچروں سے انہوں نے فلسفیانہ خیالات کے اظہار کا سائنٹفک انداز سیکھا - براؤن اور نکلسن کی دوستی سے انہیں یہ فائدہ ہوا کہ انہوں نے وطن میں جو علم حاصل کیا تھا اس میں پختگی آ گئی-

لیکن کیمبرج یونیورسٹی میں زیادہ تر تعلق پروفیسر وارڈ، سارلے اور براؤن سے رہا- انہوں نے پورے تین سال انگلستان اور جرمنی میں طالب علمانہ حیثیت سے بسر کیے اور اس مدت میں بیرسٹری کا امتحان بھی پاس کیا- کیمبرج یونیورسٹی سے فلسفہ اخلاق میں اور میونخ یونیورسٹی سے ''میٹا فزکس آف پرشیا'' یعنی ایرانی الٰہیات پر ایک مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی- جرمنی میں اقبال نے تین خاتون پروفیسروں کی نگرانی میں کام کیا جن کے نام تھے زینے خال (Senechal)، ویگے ناست (Wegenast) اور شات (Schat)۔

جب اقبال کا مقالہ ''ایران کا فلسفہ مابعد الطبیعیات'' انگلستان میں شائع ہوا تو فضلائے یورپ پر آپ کا علمی وقار قائم ہو گیا- ماہرین فن نے اس کتاب پر بہت عمدہ ریویو لکھے- اس مقبولیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو لیکچر دینے کے لیے لندن مدعو کیا گیا- چنانچہ آپ نے اسلام پر متعدد لیکچر دیے، جن سے آپ کی مذہبی اور فلسفیانہ معلومات کا سکہ بیٹھ گیا اور اس زمانے میں پروفیسر آرنلڈ نے چھ ماہ کی رخصت لی تو لندن یونیورسٹی نے اقبال کو اس مدت کے لیے عربی کا پروفیسر مقرر کیا-

اقبال تین سال انگلستان اور یورپ میں رہ کر واپس ہوئے تو اس وقت ان کی عمر ۳۵ سال تھی - اہل اللہ سے ارادت اور مردانِ خدا سے عقیدت آپ میں بدرجۂ غایت پائی جاتی تھی- چنانچہ جس طرح آپ حضرت محبوب الٰہیؒ کے مزار پر حاضری دے کر عازمِ سفر ہوئے تھے اسی طرح ولایت سے واپسی میں بھی پہلے آپ دہلی آئے اور آستانہ شریف پر خاک بوس ہونے کے بعد لاہور کو روانہ ہوئے-

سفرِ یورپ نے اقبال کی تشنگیٔ علم کو ضرور قدرے سیراب کیا لیکن دیکھنے والوں کو حیرت تھی کہ مغرب زدگی کا کوئی اثر ان پر نہ تھا- سچ یہ ہے کہ جس کی تربیت اہل نظر نے کی ہو وہ نمائشی باتوں اور فریب کاریوں سے کب

متاثر ہوسکتا ہے- اقبال کی زندگی میں تو اس اصول کی کارفرمائی نظر آتی ہے کہ خذ ما صفا ودع ما کدر اور یہی اصول تھا جس کے تحت انہوں نے ''حکیمانِ فرنگ'' سے ''درسِ خرد'' لیا اور اس کو علم و نظر کی کسوٹی پر کس کر اس کا میل دور کر دیا- یہی وجہ ہے کہ سفرِ یورپ نے موصوف پر کوئی ناپسندیدہ اثر نہیں ڈالا- ایک مقام پر وہ کہتے ہیں-

خرد افزود مرا درسِ حکیمانِ فرنگ

سینہ افروخت مرا صحبت صاحب نظراں

ولایت سے واپس آنے کے بعد اقبال گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے پروفیسر اعلیٰ کی خدمات انجام دینے لگے مگر ۱۸ ماہ بعد اس سے سبکدوشی حاصل کر لی اور بیرسٹری کرنے لگے- بیرسٹری کا سلسلہ ۱۹۳۴ء تک قائم رہا- ۱۹۳۴ء میں مستقل علالت کی بنا پر اس سے بھی کنارہ کش ہو گئے اور بقیہ عمر گوشہ نشینی اور قناعت گزینی میں گذار دی- پروفیسری کے زمانے میں بھی اقبال کے ساتھ یہ مخصوص رعایت تھی کہ وہ ہائی کورٹ میں پریکٹس کر سکتے تھے اور جج صاحبان کو یہ ہدایت تھی کہ آپ کے مقدمات دن کے آخری حصہ میں پیش ہوا کریں-

اقبال کے خادم علی بخش کا بیان ہے کہ ''جس دن وہ استعفیٰ دے کر آئے، میں نے پوچھا کہ ''شیخ صاحب آپ نے نوکری کیوں چھوڑ دی؟'' کہنے لگے ''علی بخش انگریز کی ملازمت میں بڑی مشکلیں ہیں- سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ میرے دل میں کچھ باتیں ہیں جنہیں میں لوگوں تک پہنچانا چاہتا ہوں مگر انگریز کا نوکر رہ کر کھلم کھلا نہیں کہہ سکتا- اب میں بالکل آزاد ہوں جو چاہوں کہوں اور جو چاہوں کروں- شاید یہ پھانس جو مدت سے میرے دل میں کھٹکتی ہے اب نکل جائے''

اقبال نے تین شادیاں کیں- ان کی پہلی بیوی گجرات کی تھیں۔ ان سے آفتاب اقبال اور ایک بیٹی پیدا ہوئی- بیٹی نے جوانی میں انتقال کیا- اقبال کی یہ بیوی اکثر بیمار رہا کرتی تھیں اس لیے ان کا قیام زیادہ تر اپنے والدین ہی کے یہاں رہا- اقبال ان کو خرچ برابر بھیجتے رہے- ان کا انتقال علامہ کے بعد ہوا-

اقبال کی دوسری بیوی لدھیانہ کی تھیں- ان سے ایک بیٹا پیدا ہوا، بیٹے کے بعد وہ زچگی کے امراض کا شکار ہوئیں اور اسی میں وفات پائی- بیٹے نے بھی عالمِ طفولیت میں انتقال کیا-

اقبال کی تیسری بیوی لاہور کی تھیں- ان سے اقبال کے یہاں دو بچے پیدا ہوئے- جاوید اقبال اور منیرہ بانو- ان بیوی کا انتقال ۱۹۳۵ء میں ہوا- ان کے انتقال کے بعد اقبال کو چھوٹے بچوں کی تربیت کی فکر دامن گیر ہوئی- چنانچہ اقبال کی خواہش پر خواجہ غلام السیدین نے علی گڑھ سے ایک جرمن خاتون کو بچوں کی دیکھ بھال کے لیے روانہ کیا- اس جرمن خاتون نے اقبال کے چھوٹے بچوں کی تربیت بڑی توجہ سے کی- اقبال خود اس خاتون کے معترف تھے-

اقبال کے اپنے معاصرین سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ ان کے بیشتر معاصرین ان کے بڑے مداح تھے اور ان معاصرین میں سب ہی قسم کے افراد تھے۔ علامہ شبلی، مولانا حالی اور حضرت اکبر الہ آبادی آپ کے بڑے قدردان تھے۔ ان بزرگوں سے خط و کتابت کے ذریعہ مراسم دوستانہ قائم تھے۔ (چونکہ ان حضرات کے اصلاحی پروگرام سے اقبال کو عملی اتفاق تھا اس لیے یہ اقبال کے کارناموں کو خاص عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھتے اور پسند کرتے تھے) سر عبد القادر، نواب سر ذوالفقار علی خان، مہاراجہ سرکشن پرشاد، سر راس مسعود، مولانا سید سلیمان ندوی، سر محمد شفیع، سر فضل حسین اور سردار جوگندر سنگھ سے علامہ کے خصوصی تعلقات تھے۔ اس حلقے میں مولانا محمد علی جوہر، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خان وغیرہم بھی شامل تھے۔ ان تمام حضرات کے اسمائے گرامی بتانا یہاں مقصود نہیں جن سے اقبال کے مراسم تھے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ علامہ کے حلقۂ احباب میں سب ہی قسم کے افراد شامل تھے۔ مولانا گرامی سے بھی اقبال کے تعلقات خصوصی تھے۔ اقبال کے سلسلے میں مولانا گرامی کا یہ شعر ضرب المثل کی طرح مشہور ہو گیا ہے۔

در دیدۂ معنی نگراں حضرت اقبال
پیغمبری کرد و پیمبر نتواں گفت

اقبال اخلاق کا ایک عمدہ نمونہ تھے۔ خلیق اور ملنسار تھے۔ ملنے والوں کو آپ کے دروازے پر دیر تک انتظار کی زحمت اٹھانی نہیں پڑتی تھی۔ ہر کہ ومہ سے آپ بے تکلف خندہ پیشانی کے ساتھ ملا کرتے تھے۔ آپ کے دوستوں کا بیان ہے کہ آپ ہمیشہ متبسم نظر آتے تھے۔ ہم نے کبھی آپ کو غصہ میں نہیں دیکھا۔ کوئی ناگوار واقعہ پیش آتا تو آپ ضبط کرتے۔ تحمل اور ضبطِ نفس نہایت درجہ کا تھا۔ عزم، حوصلہ، ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے مالک تھے۔ جس کی نیت کرتے اس کو تکمیل تک پہنچائے بغیر چین سے نہ بیٹھتے۔ صداقت اور حق گوئی کو پسند کرتے تھے۔ تسلیم و رضا کا مجسمہ نظر آتے تھے۔ تکبر، ریا، جاہ پسندی اور ہوسِ دنیا نام کو بھی آپ میں نہ تھی۔ تواضع و انکسار آپ کی خوتھی اور نمود و نمائش سے گریز کرتے تھے۔

بزرگوں سے عقیدت سے ملتے اور چھوٹوں سے محبت سے پیش آتے تھے۔ اپنے والد مرحوم اور بڑے بھائی کی بڑی عزت و حرمت کرتے تھے اور ان کے آرام و آسائش کا بہت لحاظ کرتے۔ ملازمین سے مساوات برتتے تھے
۔

جس زمانے میں اقبال سیالکوٹ میں تعلیم پاتے تھے اسی وقت سے آپ کو شعر گوئی کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ مولوی میر حسن مرحوم اپنے کسی شاگرد کو شعر کہنے کی ترغیب نہیں دیتے تھے۔ بلکہ بعض حالات میں تو سختی سے منع کر دیتے تھے مگر اقبال کے شعر سن کر ان کی ژرف نگاہی نے شاعر کے جوہر کو معلوم کر لیا اور اس کی ہمت افزائی کی۔

بعض موقعوں پر تو مولوی میر حسن نے اقبال کے اشعار کی ایسی داد دی جو ایک نوعمر نومشق کو بھٹکا دینے کے لیے کافی ہو سکتی تھی۔ مگر وہ شاعر جو فطرت سے خاص طور پر شعر کا پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا اور جس کی شانِ استغنا داد و تحسین سے بالاتر تھی، اس ہمت افزائی سے اور سنورتا چلا گیا۔

اقبال نے جب شاعری شروع کی تو اس وقت داغ دہلوی کا سکہ شاعری کی دنیا میں چل رہا تھا۔ چنانچہ اقبال نے چند ابتدائی غزلیں داغ کے پاس بغرضِ اصلاح روانہ کیں۔ داغ نے چند ہی روز کے بعد یہ لکھ بھیجا کہ اب ان میں اصلاح کی گنجائش نہیں ہے۔

جب اقبال لاہور آئے تو یہ وہ زمانہ تھا جب انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسے مرجع خاص و عام بنے ہوئے تھے۔ مولانا حالی، مولانا نذیر احمد دہلوی، میرزا ارشد گورگانی جیسے برگزیدۂ ادب حضرات ان اجتماعوں کو اپنی شرکت سے زینت بخشا کرتے تھے۔ ان محفلوں میں کسی نومشق شاعر کے لیے مرکزِ توجہ بن جانا اور ایسا چمکنا کہ اپنی تابانی و درخشانی سے آفاق کو خیرہ کر دے ایک غیر معمولی بات تھی۔ اقبال نے بعض معرکے کی چیزیں ان حضرات کے سامنے پڑھیں اور ان سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ ایک شعر پر تو میرزا ارشد گورگانی تڑپ اٹھے تھے۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

غالباً سب سے پہلی نظم جو اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے عام جلسے میں سنائی وہ "نالہ یتیم" تھی۔ یہ واقعہ ۱۸۹۹ء کا ہے۔ یہ دلگداز نظم اس قدر مقبول ہوئی کہ انجمن کے جلسوں میں لوگ اقبال کے متلاشی رہا کرتے۔ علامہ بھی احباب کے اصرار و فرمائش کو رد نہ کر سکتے اور جلسوں میں شرکت کر کے اپنی مؤثر نظموں سے سب کو رلاتے اور خود بھی روتے۔ "ہمالہ" اور "ترانۂ ہندی" اسی زمانے کی نظمیں ہیں جو ان ہی جلسوں میں سنائی گئیں اور مقبولِ خاص و عام ہوئیں۔ انجمن کے جلسوں کی مقبولیت اور اجتماعات کی اہمیت کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے۔

ایک اجلاس میں مولانا حالی، ڈاکٹر نذیر احمد دہلوی، میرزا ارشد گورگانی، میاں سر محمد شفیع، میاں سر فضل حسین، سر شیخ عبدالقادر، مولانا ابوالکلام آزاد اور خواجہ حسن نظامی جیسے اکابر جمع تھے۔ رسم تھی کہ کسی کا کوئی شعر پسند کیا جاتا تو داد اس طرح دیتے کہ انجمن کو نقد عطیہ پیش کیا کرتے تھے۔ ایک شاعر نے نظم پڑھی، مولانا حالی مرحوم نے ایک شعر بہت پسند کیا اور انجمن کو دس روپیہ کا نوٹ عطا کیا۔ سارا میدان نعرہ ہائے تحسین سے گونج اٹھا۔ شاعر کی ہمت افزائی اور کیا ہو سکتی تھی کہ حالی جیسا سخنور اور نقاد اس کے کلام کی داد دے۔ کچھ دیر کے بعد مولانا حالی کے پڑھنے کی باری آئی۔ یہ وہ وقت تھا کہ ان پر ضعفِ پیری کا اس قدر غلبہ ہو چکا تھا کہ معمولی صحبتوں میں بھی ان کی آواز

سنی مشکل ہوتی تھی چہ جائیکہ اس جلسے میں جہاں بے شمار انسانوں کا مجمع تھا لوگ بے قرار تھے کہ خود اس مصلحِ اعظم کی زبانِ فیض ترجمان سے اس کا پیغام سنیں- اس لیے عجیب افراتفری سی پیدا ہونے لگی- آخر سر عبدالقادر نے کھڑے ہو کر مجمع کو خاموش کیا اور فرمایا کہ آپ مولانا حالی کی زبان سے تبرکاً جو کچھ بھی سنا جائے سن لیجئے، بعد میں یہی نظم اقبال پڑھ کر سنائیں گے-

جب اقبال مولانا حالی کی نظم سنانے کے لیے کھڑے ہوئے تو اول ایک رباعی فی البدیہہ کہہ کر پڑھی جو اس موقع کے لحاظ سے نیز اپنی بلاغت کے اعتبار سے نہایت خوب ہے- کہا تھا-

مشہور زمانے میں ہے نامِ حالی
معمور مئے حق سے ہے جامِ حالی
میں کشور شعر کا نبی ہوں گویا
نازل ہے مرے لب پہ کلامِ حالی

۱۹۰۵ء میں علامہ ولایت چلے گئے تو انجمن کے اجلاس چند سال تک آپ کے نغموں سے محروم رہے- ۱۹۰۸ء میں ولایت سے واپس آئے تو پھر انجمن کی محفلوں میں شریک ہونے لگے- اپریل ۱۹۰۹ء کے اجلاس میں اپنی مشہور و مقبول نظم "شکوہ" سنا کر حاضرین سے خراجِ تحسین وصول کیا-

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اقبال نے یورپ اور انگلستان میں تین سال قیام کیا- یہ تین سال اقبال کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں- یہاں اقبال نے کیمبرج لندن اور برلن کے کتب خانوں سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا- ساتھ ہی یہاں کے فضلاء سے تبادلۂ خیالات کے سلسلے میں استفادہ بھی کیا- یورپ کے قیام میں اقبال نے جب وہاں کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ یہاں کے بہت سے امراض کی اصل وجہ قومیت کا غلط تصور ہے- اس لیے ان کو اس قومیت سے نفرت ہو گئی جو محدود اور تنگ تھی جس کے حدود جغرافیائی تھے بین الاقوامی نہ تھے- یہیں اقبال نے یہ بھی محسوس کیا کہ یورپی اقوام اپنے مقصدِ حیات کے لیے کس طرح سرگرم عمل ہیں-

ایک اور اہم تبدیلی اقبال کے قیام یورپ کے زمانے میں یہ ظہور پذیر ہوئی کہ وہ بجائے اردو کے فارسی میں شعر کہنے لگے- اس طرح ان کا پیغام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچنے لگا- ظاہر ہے کہ اردو صرف برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی مادری زبان تھی اور فارسی اس کے مقابلے میں برصغیر کے علاوہ اور ملکوں میں بھی بولی اور سمجھی جاتی ہے نیز یہ کہ اقبال کے ہم وطن بھی فارسی سے کچھ ایسے نابلد نہیں تھے-

اقبال نے یورپ سے واپسی کے بعد مغربی قومیت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی- چنانچہ خضرِ راہ کا مندرجہ ذیل شعر ان کے مسلک پر بڑی خوبی سے روشنی ڈالتا ہے-

جو کرے گا امتیازِ رنگ و خوں مٹ جائے گا
ترکِ خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر

اقبال نے ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء میں یورپ کا پھر سفر کیا۔ اس سفر میں فرانس کے مشہور فلسفی برگساں سے بھی ملے۔ آنری برگساں اگرچہ پیرس میں اس وقت فالج میں مبتلا تھا لیکن جب اقبال نے اس حدیث نبوی ﷺ کی طرف اشارہ کیا جس میں کہا گیا ہے کہ زمانے کو برا مت کہو تو وہ بیمار فلسفی اپنی کرسی سے اچھل پڑا۔

اقبال نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں کچھ عرصے قیام بھوپال میں کیا۔ یہ ان کی زندگی میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہیں ان کے تعلقات نواب بھوپال سے استوار ہوئے۔ نواب صاحب نے ان کی ہر طرح خبرگیری کی۔ نواب بھوپال اور اقبال کے ان تعلقات کو دیکھ کر ویمر کے ڈیوک اور گوئٹے کی یاد تازہ ہوتی ہے کہ جس طرح نواب بھوپال نے اقبال کے علاج میں بے دریغ خرچ کیا بالکل اسی طرح ویمر کے ڈیوک نے گوئٹے کے لیے کیا تھا۔ یہیں بھوپال میں سر راس مسعود اور بیگم راس مسعود نے اقبال کی تیمارداری میں بڑی توجہ اور انہماک سے اپنا وقت صرف کیا۔

اقبال مسلم فقہ پر ایک نادر کتاب لکھنا چاہتے تھے اور اسے شروع بھی کر دیا تھا لیکن افسوس کہ موت نے مہلت نہ دی اور یہ نادر کتاب پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔

یہ امر تعجب انگیز تھا کہ فلسفے کی گہرائیوں پر عبور حاصل کرنے کے باوجود اقبال مذہب سے اس قدر متاثر تھے۔ جب تک ان کو قریب سے نہ دیکھا جائے اس شیفتگی اور عشق کا اندازہ کرنا مشکل ہے جو ان کو اسلام اور رسول کریم ﷺ سے تھا۔

قرآن عزیز سے ان کو بہت شغف تھا۔ وہ بچپن سے بلند آواز سے قرآن پڑھنے کے عادی تھے۔ قرآن حکیم پڑھتے وقت وہ بے حد متاثر معلوم ہوتے تھے۔ بیماری کے دنوں میں بھی جب کوئی قرآن کریم کو خوش الحانی سے پڑھتا تھا تو ان کے آنسو جاری ہو جاتے تھے اور ان پر لرزش طاری ہو جاتی تھی۔

اقبال کی دنیا فطرۃً اصول پرستی سے بے نیاز تھی۔ وہ عمل کا مدار ایمان اور نیت پر رکھنا چاہتے تھے، ظواہر ان کے نزدیک معتبر نہ تھے۔ وہ یہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے کہ انسان کیا کرتا ہے یا اس کو کیا کرنا چاہیے بلکہ ان کی نظر اس کے ایقان و اعتقاد پر ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس امر کو ضروری نہ سمجھتے کہ ان کا طرز عمل ضرور ان کے فرمودات یا معاشرے کے مصنوعی اصولوں کے مصداق ہی ٹھہرے۔ ان کے نزدیک زندگی نہ تو شباب کے نشے میں اس مدہوش نوجوان کی طرح محض نقد عیش تھی جو جوانی کی ہوس پرستی میں غرق ہو کر اس کی ہلاکت آفرینیوں پر غور و فکر سے کام نہیں لیتا اور نہ اس گمراہ کی طرح مذہب و معاشرے سے بغاوت تھی جو انہیں اپنے رستے میں حائل دیکھ کر

ان دونوں کوٹھکرا دیتا ہے بلکہ ان کی آزادہ روی اس صاحب دل کی سی تھی جو زندگی کے تمام مخالف عناصر سے جنگ کرتا ہوا اس کے ہلاکت خیز طوفانوں میں اپنے تجربات سے جادۂ مستقیم تلاش کر لیتا ہے۔

اقبال کی طبیعت میں عقلیت کا پہلو بہت نمایاں تھا لیکن وہ عقل کی کورانہ تقلید کے قائل نہ تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ عشق یا وجدان ہی ایک ایسا ملکہ ہے جس کی بدولت موجودات کے تمام اسرار کا انکشاف ہو سکتا ہے۔ چنانچہ وہ اکثر صوفیائے کرام کی روایات بیان کیا کرتے تھے جن سے ان کے اس رجحان کا ثبوت ملتا ہے۔

اقبال کے یہاں جو سوز و گداز اور جذب و وجدان ملتا ہے وہ محض اسلام اور رسول کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی سے والہانہ عقیدت کا ثمرہ ہے۔ یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ جب اقبال کے سامنے رسول اکرم ﷺ کا اسم مبارک آتا تو ان کی آنکھیں پرنم ہو جاتیں۔

اقبال اپنے استاد مولوی سید میر حسن کے بارے میں اکثر کہا کرتے تھے کہ اسوۂ رسول ﷺ پر صحیح معنوں میں اگر کسی شخص کا عمل ہے تو وہ میر حسن سیالکوٹی ہیں۔ وہ اکثر میر حسن کے یہاں کی پُر لطف صحبتوں کا ذکر کیا کرتے اور کہتے تھے کہ ان کے یہاں ہمیشہ اہل علم کی محفل جمی رہتی تھی۔

۱۹۲۶ء سے علامہ اقبال نے عملی سیاست کی خارزار وادی میں قدم رکھنا شروع کیا اور ۱۹۳۸ء یعنی اپنی وفات تک وہ اس وادی کے کانٹوں میں برابر الجھے ہوئے اپنی منزلیں طے کرتے رہے، البتہ اس دوران میں وہ اپنا دامن کبھی کبھی ان کانٹوں سے بچاتے بھی رہے۔ اقبال کے اس سفرِ زندگی کی تین منزلیں قرار دی جا سکتی ہیں۔ ابتدائی منزل جس کو انہوں نے ۱۹۲۱ء سے لے کر ۱۹۳۱ء تک طے کیا۔ دوسری منزل جس پر وہ ۱۹۳۵ء میں پہنچے اور تیسری منزل کی مسافت انہوں نے ۱۹۳۵ء سے لے کر ۱۹۳۸ء تک طے کی۔

۱۹۲۶ء سے قبل کے قیام انگلستان کے زمانہ کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ وہ برٹش آل انڈیا مسلم لیگ کے رکن بن گئے تھے۔ یہی ان کا عملی سیاسیات سے پہلا تعلق ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ملک کے اندر ابتدائے بیسویں صدی میں جو حالات پیدا ہو گئے تھے ان کا علامہ اقبال پر بہر حال اثر ہوا۔ مگر یہ واضح رہے کہ لندن کی یہ برٹش کمیٹی ان معنوں میں مسلم لیگ کی کوئی شاخ نہ تھی جن معنوں میں آج کل مسلم لیگ کی شاخیں ہوا کرتی ہیں۔ دراصل بات یہ تھی کہ انگلستان میں جو تعلیم یافتہ ہندوستانی مسلمان جمع ہو جاتے تھے ان کا یہ ایک اجتماعی ادارہ تھا۔ بعد میں اس ادارے نے سیاسی نوعیت اختیار کر لی اور ہندوستانی سیاسیات کے متعلق وہی نقطۂ نظر اختیار کیا جو آل انڈیا مسلم لیگ کا تھا۔ اس ادارے کی اہمیت یوں اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ سید امیر علی کی قیادت میں اس ادارے نے منٹو مارلے اصلاحات کے سلسلہ میں مسلم نقطۂ نظر کو بڑے مؤثر طریقہ پر انگلستان کے ارباب اقتدار کے سامنے پیش کیا۔ اس لحاظ سے اقبال کا اس ادارے سے تعلق ان کی ابتدائی سیاسی زندگی کا ایک اہم واقعہ شمار کیا جا سکتا ہے۔

علامہ اقبال نے اپنی عملی سیاسی زندگی کے پہلے دور میں نہ صرف پنجاب کی سیاست میں حصہ لیا بلکہ کل ہند سیاسیات میں بھی نمایاں کام انجام دیئے۔ پنجاب کونسل میں ایک رکن کی حیثیت سے انہوں نے بعض بہت ہی مفید اور اپنے نتائج کے لحاظ سے دور رس تجاویز پیش کیں۔ کل ہند سیاسیات میں وہ بعض بنیادی مسائل میں اپنی فکر ورائے پر پوری استقامت کے ساتھ قائم رہے۔ جداگانہ انتخاب کو وہ مسلمانوں کی حیات قومی کے لیے ضروری سمجھتے تھے اس لیے وہ اس سے کسی صورت میں دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھے۔ تجاویز دہلی سے ان کی مخالفت کی یہی بنیاد تھی۔ سائمن کمیشن سے انہوں نے تعاون کیا تاکہ مسلم نقطہ نظر کو پیش کرسکیں اور اس نقصان کی تلافی کی سعی کریں جو میثاق لکھنؤ کی وجہ سے مسلمانوں کو پہنچا تھا۔

پھر نہرو رپورٹ کے خلاف آواز بلند کی اور آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے جلسے منعقدہ یکم جنوری ۱۹۲۹ء میں شرکت کی اور مسلم مطالبات کو مدون کرنے میں حصہ لیا۔ دسمبر ۱۹۳۰ء الہ آباد میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کی اور اپنے خطبہ میں ایک ذمہ دار پبلک پلیٹ فارم سے آزاد ہندوستان میں آزاد اسلام کا نعرہ بلند کیا اور بہت ہی وضاحت کے ساتھ ملک کی سیاسی تاریخ میں پہلی مرتبہ برصغیر میں ایک اسلامی مملکت کی تشکیل کی تجویز پیش کی۔

اقبال نے اپنی زندگی کے دوسرے دور میں دوسری گول میز کانفرنس میں حصہ لیا۔ کل ہند مسلم کانفرنس کی ایسے زمانے میں صدارت کی جب کہ مسلمانوں کا موقف دستور ہند میں متعین کیا جانے والا تھا۔ پھر تیسری گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے اور کشمیر اور الور کے سیاسی معاملات میں دلچسپی لی۔ اقبال کی ساری سیاسی جدوجہد اس دوران میں اس امر پر مرکوز رہی کہ برصغیر کے آئندہ دستور میں مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ موقف ہو جس میں انکے جداگانہ حقوق کا تحفظ کیا جائے۔

سیاست میں مقدور بھر کوشش کے باوجود اقبال مسلمانوں کی مختلف جماعتوں میں جو کامل اتحاد اور نظم پیدا کرنا چاہتے تھے، اس میں انہیں کامیابی نہیں ہوسکی۔ جماعتی انتشار مسلمانوں کی سیاست کا ایک ناسور رہا ہے۔ اقبال اس ناسور کا انسداد نہ کرسکے۔ غالباً ملت کے انتشار اور کچھ اپنی گرتی ہوئی صحت کے باعث مسلم کانفرنس کی صدارت سے سبکدوش ہونے کے بعد سے ۱۹۳۵ء کے اواخر تک وہ سیاسی مشاغل سے ایک حد تک بے تعلق ہو گئے تھے اور سیاسی جلسوں میں شرکت سے اجتناب کرتے تھے۔ ملتِ بیضا کی قومی وحدت کے اس تجزیہ نے انہیں دل شکستہ کردیا تھا۔

باب دوم

تلمیحاتِ قرآن

اسرارِ خودی

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور ۱۹۹۰ء)

آں که بر اعدا درِ رحمت کشاد
مکه را پیغامِ لا تثریب داد

(ص ۴۰/۲۴)

یہاں قرآنِ عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

قال لا تثریب علیکم الیوم ط یغفراللہ لکم وھو ارحم الرّحمین ۔ (۹۲/۱۲)

(یوسفؑ نے) کہا کہ (نہیں) آج تم پر کوئی الزام نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

یہی الفاظ (لا تثریب) فتح مکہ کے موقع پر رسول کریم ﷺ نے کفار سے مخاطب ہو کر فرمائے تھے۔

تا خدائے کعبه بنوازد ترا
شرحِ انّی جاعل سازد ترا

(ص ۱۴/۲۵)

اس شعر کے دوسرے مصرع میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

و اذقال ربک للملئکة انّی جاعل فی الارض خلیفه ط قالوٓا اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدمآء و نحن نسبّح بحمدک و نقدّس لک ط قال انّی اعلم ما لاتعلمون ۔ (۳۰/۲)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا میں زمین پر اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں وہ بولے کیا تو اس میں ایسے کو بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائے گا، درآنحالیکہ ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور تیری پاکی پکارتے رہتے ہیں؟ (اللہ نے) فرمایا یقیناً میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

پنجۂ او پنجۂ حق می شود
ماہ از انگشتِ او شق می شود

(ص ۴۴/۲۸)

یہاں مصرع ثانی میں معجزہ شق القمر کی طرف اشارہ ہے اور اس کا ذکر قرآن کریم میں یوں آیا ہے۔

اقتربت الساعۃ وانشق القمر ۔(۱/۵۴)

قیامت نزدیک آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا۔

نعرہ زد اے قوم کذابٌ اشر
بے خبر از یوم نحسٍ مستمر

(ص ۴۷/۳۱)

اس شعر میں قرآن عزیز کی حسب ذیل آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ء القی الذکر علیہ من بیننا بل ھو کذّاب اشر – سیعلمون غداً من الکذّاب الاشر۔ (۲۵/۵۴-۲۶)

کیا ہم سب میں سے اسی پر وحی نازل ہوئی ہے؟ بلکہ یہ بڑا جھوٹا ہے شیخی باز ہے۔ انہیں عنقریب کل ہی معلوم ہوا جاتا ہے کہ بڑا جھوٹا اور شیخی باز کون تھا۔

انّآ ارسلنا علیھم ریحاً صرصراً فی یوم نحسٍ مُستمر ۔(۱۹/۵۴)

ہم نے ان پر ایک تند ہوا مسلط کی ایک دائمی نحوست کے دن۔

تو ہم از بارِ فرائض سر متاب
بر خوری از عندہ حسن المآب

(ص ۵۷/۴۱)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

الّذین اٰمنوا و عملوا الصّٰلحٰت طوبٰی لھم و حسن مآب ۔ (۲۹/۱۳)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے خوشحالی اور خوش انجامی ہے۔

می کند از ماسوا قطع نظر
می نہد ساطور بر حلقِ پسر

(ص ۵۹/۴۳)

اس شعر میں قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فلمّا بلغ معه السّعی قال یٰبنیّ انّی اریٰ فی المنام انّی اذبحک فانظر ماذا تریٰ ط قال یٰابت افعل ما تؤمر ستجدنیٓ ان شآء الله من الصّٰبرین ۔ فلمّآ اسلما و تلّه للجبین ۔ و نادینٰه ان یّٰابراهیم ۔ قد صدّقت الرّءیا ج انّا کذٰلک نجزی المحسنین ۔ انّ هٰذا لهو البلٰٓوا المبین ۔ وفدینٰه بذبحٍ عظیم ۔ (۱۰۲/۳۷-۱۰۷)

سو جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تو انہوں نے کہا بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ لو تمہاری کیا رائے ہے۔ وہ بولے اے میرے باپ آپ کر ڈالیے جو کچھ آپ کو حکم ملا ہے، آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ پھر جب دونوں نے حکم کو تسلیم کر لیا اور (باپ نے بیٹے کو) کروٹ پر لٹا دیا اور ہم نے انہیں آواز دی کہ اے ابراہیمؑ تم نے خواب کو خوب سچ کر دکھایا (وہ وقت ہی عجب تھا) ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک یہ تھا بھی کھلا ہوا امتحان۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا۔

در کفِ مسلم مثالِ خنجر است
قاتلِ فحشا و بغی و منکر است

(ص ۵۹/۴۳)

اس شعر کے دوسرے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو نماز کی مدح میں وارد

ہوئی ہے۔

اتل مآ اوحی الیک من الکتب واقم الصلوٰۃ ط ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشآء و المنکر ط ولذکر اللہ اکبر ط و اللہ یعلم ما تصنعون ۔ (۵۴/۲۹)

ترجمہ:۔ جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے اسے پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھیے، بیشک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی رہتی ہے، اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے، اور اللہ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے۔

❁

دل ز حق تنفقوا محکم کند
زر فزاید الفت زر کم کند
(ص۴۳/۵۹)

اس شعر کے مصرع اولٰی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

لن تنالوا البرّ حتّٰی تنفقوا ممّا تحبّون ط و ما تنفقوا من شیء فانّ اللہ بہ علیم ۔ (۹۲/۳)

جب تک اپنی محبوب چیزوں کو خرچ نہ کرو گے (کامل) نیکی (کے مرتبے) کو نہ پہنچ سکو گے، اور جو کچھ بھی کسی چیز سے خرچ کرتے رہتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔

❁

تا جہاں باشد جہاں آرا شوی
تاجدار ملک لا یبلیٰ شوی
(ص۴۴/۶۰)

ملک لا یبلیٰ کی ترکیب قرآن حکیم کی حسب ذیل آیت سے ماخوذ ہے۔

فوسوس الیہ الشیطٰن قال یٰآدم ھل ادلّک علیٰ شجرۃ الخلد و ملکٍ لا یبلیٰ ۔ (۱۲۰/۲۰)

پھر شیطان نے انہیں وسوسہ دلایا کہا کہ اے آدم میں تمہیں بتلا نہ دوں ہمیشگی کا درخت اور بادشاہی جس میں کبھی ضعف نہ آئے۔

مدعائے علم الاسما سے
سرِ سبحان الذی اسرا سے
(ص ۶۰/۴۴)

اس شعر کے مصرع اولیٰ اور مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی حسب ذیل آیات کی طرف اشارہ ہے۔

وعلّم ادم الاسمآء کلّها ثمّ عرضهم علی الملٰٓئکة فقال انبئونی باسمآء هٰٓولآء ان کنتم صٰدقین - قالوا سبحٰنک لا علم لنا الّا ما علّمتنآ ط انّک انت العلیم الحکیم -(۲/۳۱-۳۲)

اور اللہ نے آدم کو نام سکھلا دیئے کل کے کل، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا پھر فرمایا بتلاؤ تو ان کے نام اگر تم سچے ہو، وہ بولے تو پاک ذات ہے ہمیں تو کچھ علم نہیں، مگر ہاں وہی جو تو نے ہمیں علم دے دیا۔ بیشک تو ہی ہے بڑا علم والا، حکمت والا۔

سبحان الّذیٓ اسریٰ بعبده لیلًا مّن المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الّذی بٰرکنا حوله لنریه من ایتنا ط انّه هو السّمیع البصیر - (۱۷/۱)

پاک ذات ہے وہ جو اپنے بندہ کو راتی رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے اردگرد کو ہم نے بابرکت بنا رکھا ہے تاکہ ان (بندہ) کو ہم بعض اپنے عجائب (قدرت) دکھائیں، بیشک سمیع وبصیر (وہی اللہ) ہے
۔

از عصا دستِ سفیدش محکم است
قدرتِ کامل بعلمش توام است
(ص ۶۰/۴۴)

اس شعر کے پہلے مصرع میں حضرت موسیٰ کے معجزہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے۔

فالقیٰ عصاه فاذا هی ثعبان مبین - و نزع یده فاذا هی بیضاء للنّٰظرین -(۷/۱۰۷-۱۰۸)

اس پر (موسٰی) نے اپنا عصا ڈال دیا سو وہ دفعتہً ایک صاف اژدھا بن گیا اور (موسٰی نے) اپنا ہاتھ باہر نکالا سو وہ دیکھنے والوں کے روبرو یک بیک خوب روشن تھا۔

⁂

خشک سازد ہیبت او نیل را
می برد از مصر اسرائیل را

(ص ۴۵/۶۱)

اقبال نے شہرت عام کی بنا پر یہاں دریائے نیل کا ذکر کیا ہے حالانکہ جس دریا سے حضرت موسٰی گذرے اور جس میں فرعون غرق ہوا وہ بحر احمر تھا نہ کہ دریائے نیل۔ اس میں قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فلمّا ترآء الجمعٰن قال اصحٰب موسیٰٓ انّا لمدرکون - قال کلّآ انّ معی ربّی سیھدین - فاوحینآ الیٰ موسیٰٓ ان اضرب بعصاک البحر ط فانفلق فکان کل فرق کالطّود العظیم - وازلفنا ثمّ الاٰخرین - وانجینا موسٰی و من معه اجمعین - ثمّ اغرقنا الاٰخرین - (۲۶/۶۱-۶۶)

پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسٰی کے ہمراہی (گھبرا کر) بول اٹھے کہ ہم تو بس پکڑے گئے (موسٰی نے) فرمایا کہ ہرگز نہیں کیونکہ میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے وہ مجھے ابھی راہ بتا دے گا۔ پھر ہم نے موسٰی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے عصا کو دریا میں مارو چنانچہ وہ دریا پھٹ گیا اور ہر حصہ اتنا بڑا تھا جیسے بڑی پہاڑی اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس مقام کے قریب پہنچا دیا اور ہم نے موسٰی اور ان کے ساتھ والوں سب کو بچا لیا پھر دوسرے فریق کو غرق کر دیا۔

⁂

مرسل حق کرد نامش بوتراب
حق ید اللہ خواند در ام الکتاب

(ص ۴۷/۶۳)

یداللہ کا خطاب حضرت علیؓ کے لیے قرآن پاک سے ثابت نہیں ہے۔

⁂

ماندہ ایم از جادۂ تسلیم دور

تو ز آزر من ز ابراہیم دور
(ص۵۸/۷۴)

آزر کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے۔

و اذ قال ابراھیم لا بیه اٰزر اتتخذ اصناماً الھۃً ج انّی اراک و قومک فی ضلٰل مّبین (۶/۷۴)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو؟ بیشک میں تو تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں (مبتلا) دیکھتا ہوں۔

قلب را از صبغۃ اللہ رنگ دہ
عشق را ناموس و نام و ننگ دہ
(ص۶۰/۷۶)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

صبغته الله و من احسن من الله صبغتهٔ و نحن له عٰبدون ۔(۲/۱۳۸)

(ہمارے اوپر) اللہ کا رنگ ہے اور اللہ سے بہتر کون رنگ (دینے والا) ہے؟ ہم تو اس کی بندگی کرنے والے ہیں۔

خیمہ در میدان الا اللہ زدست
در جہاں شاہد علی الناس آمدست
(ص۶۰/۷۶)

مصرع ثانی کا مفہوم قرآن حکیم کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔

وکذلک جعلنٰکم امّۃ و سطا لّتکونوا شھداء علی النّاس و یکون الرّسول علیکم شھیداً ط (۲/۱۴۳)

اور اس طرح ہم نے تمہیں ایک امت عادل بنا دیا ہے تا کہ تم گواہ رہو لوگوں پر اور رسول گواہ رہیں تم پر۔

از هوس آتش بجاں افرو ختے
تیغ را حل من مزید آموختے
(ص ۶۱/ ۷۷)

حل من مزید قرآن عزیز کی اس آیت سے ماخوذ ہے جس میں دوزخ کا ذکر کیا گیا ہے-

یوم نقول لجهنّم هل امتلات و تقول هل من مّزید- (۳۰/۵۰)

ترجمہ:۔(اورانہیں یاد دلایئے) وہ دن جب ہم دوزخ سے کہیں گے کہ تو بھر بھی گئی؟ اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے؟

علم مسلم کامل از سوز دل است
معنی اسلام ترک آفل است
(ص ۶۵/ ۸۱)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی حسب ذیل آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

فلمّا جنّ علیه الّیل را کوکبا قال هذا ربّی فلمّآ افل قال لآ احبّ الافلین- فلمّا رء ا القمر بازغاً قال هذا ربی فلمّآ افل قال لئن لّم یهدنی ربّی لاکوننّ من القوم الضآلّین- فلمّا رء ا الشّمس بازغةً قال هذا ربّی هذآ اکبر ج فلمّآ افلت قال یقوم انّی بریٓءٌ ممّا تشرکون-(۶/ ۷۶-۷۸)

تو یوں ہوا کہ جب رات ابراہیم پر چھا گئی، انہوں نے ایک تارے کو دیکھا، بولے یہی میرا پروردگار ہے لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو بولے میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا- پھر جب چاند کو دیکھا چمکتے ہوئے تو بولے یہی میرا پروردگار ہے لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو بولے کہ اگر میرا پروردگار مجھے ہدایت نہ کرتا رہے تو میں بھی گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں۔ پھر جب سورج کو چمکتے ہوئے دیکھا تو بولے یہی میرا پروردگار ہے، یہی سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو بولے اے لوگو! میں اس شرک سے بری (اور بیزار) ہوں جو تم کیا کرتے ہو-

چوں ز بند آفل ابراہیم رست
درمیان شعلہ ہا نیکو نشست

(ص ۶۵/ ۸۱)

تلمیح کے لیے سطور بالا ملاحظہ ہوں۔

حرف اقرا حق بما تعلیم کرد
رزق خویش از دست ما تقسیم کرد

(ص ۷۲/ ۸۸)

یہاں پہلے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اقرا باسم ربّك الّذی خلق (۹۶/۱)

آپ پڑھیے اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا کیا ہے۔

آیتے بنماز آیات مبین
تا شود اعناق اعدا خاضعین

(ص ۷۳/ ۸۹)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ان نّشا ننزّل علیهم مّن السّماء ءایۃً فظلّت اعناقهم لها خاضعین - (۲۶/۴)

ہم اگر چاہیں تو ان پر آسمان سے کوئی (ایسا) نشان اتار دیں کہ ان کی گردنیں اس کے آگے بالکل جھک جائیں۔

رموزِ بیخودی

(کلیاتِ اقبال فارسی، لاہور ۱۹۹۰ء)

اہل حق را رمزِ توحید ازبر است
در اتی الرحمٰن عبداً مضمر است
(ص ۱۰۴/۸۸)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ان کل من فی السمٰوات والارض الا اتی الرحمٰن عبداً (۱۹/۹۳)

(جتنے) جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدائے رحمٰن کے روبرو عبد کی حیثیت سے حاضر ہوتے ہیں۔

ما مسلمانیم و اولادِ خلیل
از ابیکم گیر اگر خواہی دلیل
(ص ۱۰۶/۹۰)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ھواجتبٰکم و ما جعل علیکم فی الدین من حرج ط ملتہ ابیکم ابراھیم ط (۲۲/۷۸)

اس نے تمہیں برگزیدہ کیا اور اس نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں کی۔تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت (پر قائم رہو)۔

مرگ را ساماں ز قطعِ آرزو ست
زندگانی محکم از لا تقنطو ست
(ص ۱۰۷/۹۱)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی حسب ذیل آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

قل یعبادی الذین اسرفوا علٰی انفسہم لا تقنطوا من رحمته الله ط ان الله یغفرالذنوب جمیعاً ط انه هو الغفور الرحیم-(۵۳/۳۹)

آپ (میری طرف سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جو اپنے اوپر زیادتیاں کرچکے ہو، اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو- بیشک اللہ سارے گناہ معاف کردے گا بیشک وہ بڑا غفور بڑا رحیم ہے-

۞

اے کہ در زندانِ غم باشی اسیر
از نبی تعلیم لا تحزن بگیر

(ص ۹۲/۱۰۸)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

الا تنصروہ فقد نصرہ الله اذ اخرجه الذین کفروا ثانی اثنین اذ هما فی الغار اذ یقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا فانزل الله سکینته علیه وایدہ بجنود لم تروها و جعل کلمة الذین کفروا السفلٰی ط و کلمة الله هی العلیا ط والله عزیز حکیم-

(۴۰/۹)

اگر تم لوگ ان کی (یعنی رسول اللہ کی) مدد نہ کرو گے تو ان کی مدد تو (خود) اللہ کرچکا ہے جب کہ ان کو کافروں نے وطن سے نکال دیا تھا جبکہ دو میں سے ایک وہ تھے دونوں غار میں (موجود) تھے جبکہ وہ اپنے رفیق سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو بیشک اللہ ہم لوگوں کے ساتھ ہے سو اللہ نے اپنی تسلی ان (رسول) کے اوپر نازل کی اور ان کی تائید ایسے لشکروں سے کی جنہیں تم لوگوں نے نہ دیکھا اور اللہ نے کافروں کی بات نیچی کردی اور اللہ کی بات اونچی رہی اور اللہ بڑا قوت والا ہے بڑا حکمت والا ہے-

۞

قوتِ ایماں حیات افزایدت
وردِ لا خوف علیہم بایدت

(ص ۹۲/۱۰۸)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے- اس کے علاوہ متعدد آیات میں بھی

اس سے ملتے ہوئے الفاظ اور مفہوم موجود ہے۔

بلٰی من اسلم وجهه لله و هو محسن فله اجره عند ربه و لا خوف علیهم و لا هم یحزنون (۱۱۲/۲)

ہاں البتہ جو کوئی بھی اپنی ذات کو اللہ کے آگے جھکائے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے کے لیے اس کے پروردگار کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

۞

چوں کلیمے سوئے فرعونے رود
قلب او از لاتخف محکم شود

(ص۹۲/۱۰۸)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی حسب ذیل آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جہاں فرعون کے دربار میں لاٹھیوں کو جادو سے سانپ بنتے دیکھ کر حضرت موسیٰ کو خوف ہوا تھا۔

فاوجس فی نفسه خیفة موسٰی – قلنا لا تخف انك انت الاعلٰی (۲۰/۶۷-۶۸)

اس سے موسیٰ نے اپنے دل میں کچھ اندیشہ محسوس کیا، ہم نے کہا ڈرو نہیں، غالب تو یقیناً تم ہی رہو گے۔

۞

تارکِ آفل براہیم خلیل
انبیا را نقش پائے او دلیل

(ص۹۶/۱۱۲)

دیکھیے صفحہ ۲۱ (قرآن ۶/۷۶-۷۸)

۞

آں خدائے لم یزل را آیتے
داشت در دل آرزوئے ملتے

(ص۹۶/۱۱۲)

یہاں پہلے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ربنا و اجعلنا مسلمین لك و من ذریتنآ امة مسلمة لك ص وار نا مناسکنا

و تب علینا انك انت التواب الرحیم -(۲/۱۲۸)

اے پروردگار ہم دونوں کو اپنا فرماں بردار بنا دے اور ہماری نسل سے ایک فرماں بردار امت پیدا کر اور ہم کو ہمارے دینی قاعدے بتلا دے اور ہمارے حال پر توجہ رکھ۔ یقیناً تو تو بڑا توجہ فرمانے والا ہے۔

جوئے اشک از چشمِ بیخوابش چکید
تا پیامِ طہرا بیتی شنید
(ص ۹۷/۱۱۳)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف تلمیح ہے۔

و اذ جعلنا البیت مثابۃً للناس و امنا واتخذو من مقام ابراھیم مصلیٰ وعھدنا الیٰ ابراھیم و اسمٰعیل ان طھرا بیتی للطآئفین و العٰکفین و الرکع السجود -
(۲/۱۲۵)

اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے خانہ (کعبہ) کو لوگوں کے لیے ایک مقام رجوع اور مقام امن مقرر کیا ، اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو، اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کی طرف حکم بھیجا کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک صاف رکھو، طواف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے۔

بہر ما ویرانہ آباد کرد
طائفاں را خانہ بنیاد کرد
(ص ۹۷/۱۱۳)

اس شعر میں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ربنآ انیٓ اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتك المحرم ربنا لیقیموا الصلوۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھویٓ الیھم و ارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون -
(۱۴/۳۷)

اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی کچھ اولاد کو ایک بے زراعت میدان میں آباد کر دیا ہے تیرے معظم گھر

کے قریب (یہ اس لیے) اے ہمارے پروردگار کہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں سو تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں کھانے کو پھل دے جس سے یہ شکر گزار رہیں۔

تا نہالِ تب علینا غنچہ بست
صورتِ کارِ بہارِ ما نشست

(ص ۱۱۳/۹۷)

دیکھیے صفحہ ۲۷ (قرآن ۲/۱۲۸)

آں کہ شانِ اوست یھدی من یرید
از رسالت حلقہ گردِ ما کشید

(ص ۱۱۳/۹۷)

یہاں مصرعِ اولیٰ میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

و کذلک انزلنہ ایت بینت و ان اللہ یھدی من یرید۔ (۲۲/۱۶)

اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے کھلی ہوئی نشانیاں (بنا کر) اور بات یہ ہے کہ اللہ جس کے لیے ارادہ کرتا ہے اسے ہدایت کر ہی دیتا ہے۔

قلبِ مومن را کتابش قوت است
حکمتش حبل الورید ملت است

(ص ۱۱۴/۹۸)

حبل الورید کی ترکیب قرآن عزیز کی اس آیت سے ماخوذ ہے لیکن اقبال نے اپنے شعر میں حکمت قرآنی کو حبل الورید قرار دیا ہے۔

ولقد خلقنا الانسان و نعلم ما توسوس بہ نفسہ و نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ (۵۰/۱۶)

اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم (خوب) جانتے ہیں ان وسوسوں (تک کو) جو اس کے جی میں آتے

رہتے ہیں ہم تو اس کی رگ گردن سے بھی بڑھ کر اس کے قریب ہیں۔

❁

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
بر رسولؐ ما رسالت ختم کرد
(ص ۹۸/۱۱۴)

اس شعر میں قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً ط
(۵/۳)

آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بہ طور دین کے پسند کر لیا۔

ما کان محمد ابآ احد من رجا لکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین ط و کان اللہ بکل شیء علیماً ۔ (۳۳/۴۰)

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

❁

مرسلاں و انبیا آبائے او
اکرم او نزد حق اتقائے او
(ص ۱۰۰/۱۱۶)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن مجید کی حسب ذیل آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ط ان اکرمکم عنداللہ اتقکم ط ان اللہ علیم خبیر ۔(۴۹/۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک تم میں سے پرہیز گار تر اللہ کے نزدیک معزز تر ہے بیشک اللہ جاننے والا

ہے پورا خبر دار ہے۔

کل مؤمن اخوۃ اندر دلش
حریت سرمایہ آب و گلش

(ص ۱۰۰/۱۱۶)

اس شعر میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللّٰہ لعلکم ترحمون ۔(۴۹/۱۰)

بیشک مسلمان (آپس میں) بھائی بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔

ہیچو سرو آزاد فرزندانِ او
پختہ از قالوا بلٰی پیمانِ او

(ص ۱۰۱/۱۱۷)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

واذاخذ ربک من بنی آدم من ظھورھم ذریتھم واشھدھم علیٰٓ انفسھم الست بربکم ط قالوا بلیٰ ج شھدنآ ج ان تقولوا یوم القیمتہ انا کنا عن ھذا غفلین۔

(۷/۱۷۲)

اور (اس واقعہ کا ذکر کیجئے) جب آپ کے پروردگار نے نکالا اولادِ آدم کی پشت سے ان کی نسل کو اور خود انہی کو ان کی جانوں پر گواہ کیا (اور کہا) کہ میں تیرا پروردگار نہیں ہوں؟ بولے ضرور ہیں، ہم گواہی دیتے ہیں (یہ اس لیے ہوا) کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔

گفت قاضی فی القصاص آمد حیٰوۃ
زندگی گیرد بایں قانون ثبات

(ص ۱۰۳/۱۱۹)

یہاں مصرع اولیٰ میں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

و لکم فی القصاص حیوۃ یاولی الالباب لعلکم تتقون ۔(۲/۱۷۹)

اور تمہارے لیے اے اہل فہم (قانون) قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

۞

مدعی را تاب خاموشی نماند

آیۂ بالعدل و الاحسان خواند

(ص ۱۰۳/۱۱۹)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان و ایتائی ذی القربٰی و ینھی عن الفحشآء والمنکر والبغی ج یعظکم لعلکم تذکرون ۔(۱۶/۹۰)

بیشک اللہ عدل کا اور حسن سلوک کا اور اہل قرابت کو دیتے رہنے کا حکم دیتا ہے اور کھلی برائی سے اور مطلق برائی سے اور ظلم (و سرکشی) سے ممانعت کرتا ہے وہ تمہیں یہ پند دیتا ہے اس لیے کہ تم نصیحت قبول کرو۔

۞

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر

معنئ ذبحِ عظیم آمد پسر

(ص ۱۰۵/۱۲۱)

دیکھیے صفحہ ۱۷ (قرآن ۳۷/۱۰۲-۱۰۷)

۞

درمیانِ امت آں کیواں جناب

ہمچو حرف قل ھو اللہ در کتاب

(ص ۱۰۵/۱۲۱)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

قل ھو اللّٰہ احد۔(۱۱۲/۱)

آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے۔

آں کہ در قرآں خدا اورا ستود
آں کہ حفظِ جانِ او موعود بود

(ص ۱۰۸/۱۲۴)

یہاں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

واصبر لحکم ربک فانک باعیننا۔(۴۸/۵۲)

آپ اپنے پروردگار کی تجویز پر صبر سے قائم رہیے اس لیے کہ آپ تو عین ہماری حفاظت میں ہیں۔

جنتے جستند در بئس القرار
تا احلوا قومھم دارالبوار

(ص ۱۱۰/۱۲۶)

اس شعر میں قرآن حکیم کی حسب ذیل آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

الم تر الی الذین بدلوا نعمت اللہ کفراً واحلوا قومھم دار لبوار ـ جھنم یصلونھا ط و بئس القرار ـ(۱۴/۲۸-۲۹)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کے معاوضہ میں کفر کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں لا اتارا جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ (کیسا) برا ٹھکانا ہے۔

گرچہ ملت ہم بمیرد مثلِ فرد
از اجل فرماں پذیرد مثلِ فرد

(ص ۱۱۳/۱۲۹)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

و لکل امة اجل ج فاذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعته و لا یستقدمون ـ

(۷/۳۴)

اور ہر امت کے لیے ایک میعاد معین ہے سو جب ان کی میعاد معین آ جاتی ہے تو وہ ایک ساعت پیچھے نہ ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔

امت مسلم ز آیاتِ خداست
اصلش از ہنگامۂ قالوا بلیٰ ست

(ص ۱۱۳/۱۲۹)

دیکھیے صفحہ ۳۰ (قرآن ۷/۱۷۲)

از اجل ایں قومِ بے پرواستے
استوار از نحن نزلنا ستے

(ص ۱۱۳/۱۲۹)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون۔ (۹/۱۵)

(اس) نصیحت نامہ کو ہم نے ہاں ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

تا خدا ان یطفئوا فرمودہ است
از فسردن ایں چراغ آسودہ است

(ص ۱۱۳/۱۲۹)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس شعر کے تحت رموز کے فٹ نوٹ میں جو آیت دی گئی ہے وہ شعر کے حوالے والی آیت سے مختلف ہے جو سہو معلوم ہوتا ہے۔

یریدون ان یطفئوا نور الله بافواھهم و یابی الله الآ ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ (۹/۳۲)

چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں حالانکہ اللہ کو نا منظور ہے (ہر صورت) بجز اس کے کہ اپنے نور کو کمال تک پہنچائے خواہ کافروں کو (کیسا ہی) ناگوار گزرے۔

حرف او را ریب نے تبدیل نے
آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
(ص ۱۳۱/۱۱۵)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ذلک الکتاب لا ریب فیہ ج (۲/۲)

یہ کتاب (کہ) کوئی شبہ اس میں نہیں۔

نیز اس مصرع میں قرآن حکیم کی ذیل کی آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

لھم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا و فی الآخرۃ ج لا تبدیل لکلمٰت اللہ ط ذلک هو الفوز العظیم۔(۱۰/۶۴)

ان کے لیے خوش خبری ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اللہ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں یہی تو بڑی کامیابی ہے۔

۞

نوع انسان را پیامِ آخرین
حاملِ او رحمتہ للعالمیں
(ص ۱۳۱/۱۱۵)

اس شعر کے دوسرے مصرع میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

و ما ارسلنٰک الا رحمتہ للعٰلمین۔(۲۱/۱۰۷)

اور ہم نے آپ کو دنیا جہان پر (اپنی) رحمت ہی کے لیے بھیجا ہے۔

۞

آنکہ دوشِ کوہ بارش بر نتافت
سطوتِ او زہرۂ گردوں شگافت
(ص ۱۳۲/۱۱۶)

اس شعر میں قرآن عزیز کی ذیل کی آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس شعر کے تحت فٹ نوٹ میں جو آیت دی گئی ہے وہ صحیح نہیں معلوم ہوتی۔

لو انزلنا هذا القرء ان علی جبل لرایته خاشعاً متصدعا من خشیته اللہ ط و

تلک الامثال نضربها للناس لعلهم یتفکرون -(۲۱/۵۹)

اگر ہم اس قرآن کوکسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اس کو دیکھتا کہ اللہ کے خوف سے دب جاتا پھٹ جاتا اور ہم ان عجب (موثر) مضمونوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں -

قطع کر دی امر خود را در زبر
جادہ پیمائی الی شی نکر
(ص ۱۳۲/۱۱۶)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے -

فتقطعوآ امرهم بینهم زبراً ط کل حزب بما لدیهم فرحون -(۵۳/۲۳)

پر ان (کی امتوں) نے دین میں اپنا طریقہ الگ پیدا کرلیا ہر گروہ کے پاس جو (دین) ہے وہ اس میں مگن ہے -

اور دوسرے مصرع میں قرآن حکیم کی ایک آیت کے حسب ذیل ٹکڑے کی طرف اشارہ ہے -

یوم یدع الداع الی شیء نکر -(۶/۵۴)

جس روز ایک بلانے والا (فرشتہ) انہیں ایک ناگوار چیز کی طرف بلائے گا -

من شنید ستم ز نباضِ حیات
اختلافِ تست مقراضِ حیات
(ص ۱۳۵/۱۱۹)

مصرع ثانی کا مضمون قرآن عزیز کی اس آیت سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے -

واطیعوا اللّٰه و رسوله و لا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ریحکم واصبروآ ط ان اللّٰه مع الصبرین -(۴۶/۸)

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور

تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرتے رہو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

❁

ما	ہمہ	خاک	و	دل	آ گاہ	اوست
اعتصامش	کن	کہ	حبل	اللہ	اوست

(ص ۱۱۹/۱۳۵)

اس شعر میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً و لا تفرقوا و اذکرو نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعدآءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً و کنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا ط کذلک یبین اللّٰہ لکم ء ایتہ لعلکم تھتدون ۔(۱۰۳/۳)

اور اللہ کی رسی سب مل کر مضبوط تھامے رہو اور باہم نا اتفاقی مت کرو اور اللہ کا یہ انعام اپنے اوپر یاد رکھو کہ جب تم (باہم) دشمن تھے تو اس نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم اس کے انعام سے (آپس میں) بھائی بھائی بن گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اس نے تمہیں اس سے بچالیا اس طرح اللہ اپنے احکام کھول کرسنا تا رہتا ہے تا کہ تم راہیاب رہو۔

❁

می	ندائی	آیۂ	ام	الکتاب
امتِ	عادل	ترا	آمد	خطاب

(ص ۱۳۲/۱۴۸)

دیکھیے صفحہ ۲۱، (قرآن ۱۴۳/۲)

❁

امیے،	پاک	از	ہوی	گفتارِ	او
شرح	رمزِ	ماغوی		گفتارِ	او

(ص ۱۳۳/۱۴۸)

یہاں قرآن مجید کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

والنجم اذا ھوی – ما ضل صاحبکم و ما غوی – و ما ینطق عن الھوی –

(۳-۱/۵۳)

قسم ہے ستارہ کی جب وہ ڈوبنے لگے کہ یہ تمہارے ساتھ رہنے والے نہ بھٹکے اور نہ غلط راستہ پر ہو لئے اور نہ وہ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں۔

۞

جلوہ در تاریکی ایام کن
آنچہ بر تو کامل آمد عام کن

(ص۱۴۹/۱۳۳)

دیکھیے صفحہ۲۹۔ (قرآن ۳/۵)

۞

تو کہ مقصود خطاب انظری
پس چرا ایں راہ چوں کوراں بری

(ص۱۵۲/۱۳۶)

اس شعر کے مصرع اولیٰ میں آیہ قرآنی کے حسب ذیل ٹکڑے کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

انظر کیف نصرف الأیت ثم هم یصدفون ۔(۴۶/۶)

آپ دیکھئے کہ ہم کس کس طرح دلائل (توحید) بیان کرتے ہیں اور یہ پھر بھی بے رخی کیے ہوئے ہیں۔

۞

علمِ اسما اعتبارِ آدم است
حکمتِ اشیا حصارِ آدم است

(ص۱۵۳/۱۳۷)

دیکھیے صفحہ۱۷، (قرآن۲/۳۱-۳۲)

۞

پوشش عریانیِ مرداں زن است
حسن دلجو عشق را پیراہن است

(ص۱۵۷/۱۴۱)

اس شعر میں قرآن کریم کی آیت کے حسب ذیل ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

هن لباس لکم و انتم لباس لهن ط -(۲/۱۸۷)

وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو-

❁

بانوے آن تاجدار ہل اتیٰ
مرتضےٰ، مشکل کشا، شیرِ خدا

(ص ۱۴۳/۱۵۹)

تاجدار ہل اتیٰ سے مراد حضرت علی مرتضیٰ ہیں جن کے ایثار اور فیاضی کی (بقول بعض مفسرین) حق تعالیٰ نے اس سورۃ میں اس اس طرح مدح فرمائی ہے-

هل اتیٰ علی الانسان حین من الدهر لم یکن شیئاً مذکوراً -(۷۶/۱)

بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آ چکا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز ہی نہ تھا-

و یطعمو ن الطعام علیٰ حبه مسکیناً و یتیماً و اسیراً -(۷۶/۸)

اور کھانا کھلاتے رہتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور غریبوں کو اللہ کی محبت سے-

❁

ہمت او کشتِ ملت را چو ابر
ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر

(ص ۱۴۶/۱۶۲)

دیکھیے صفحہ ۲۵، (قرآن ۹/۴۰)

❁

آں نگاہش سرِ ما زاغ البصر
سوئے قومِ خویش باز آید اگر

(ص ۱۵۰/۱۶۶)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

ما زاغ البصر و ما طغیٰ (۵۳/۱۷)

ان (پیغمبر) کی نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی۔

خرق لا تحزنوا اندر برش
انتم الاعلون تاجے بر سرش
(ص ۱۷۰/۱۵۴)

یہاں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔(۳/۱۳۹)

اور نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن رہے۔

از منات و لات و عزیٰ وہبل
ہر یکے دارد بتے اندر بغل
(ص ۱۷۲/۱۵۶)

منات ولات اور عزیٰ بتوں کے نام قرآن مجید کی ان آیات میں ملتے ہیں۔

افرءیتم اللّٰت والعزیٰ ۔ ومنوۃ الثالثۃ الاخریٰ۔(۵۳/۱۹-۲۰)

بھلا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے منات کے حال میں بھی غور کیا ہے۔

پیام مشرق

(کلیاتِ اقبال فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

دیدۂ اے خسرو کیواں جناب
آفتابِ ما توارت بالحجاب

(ص ۲۳/ ۱۹۹)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

از عرض علیہ بالعشی الصٰفنٰت الجیاد – فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتٰی تورات بالحجاب۔ (۳۸/ ۳۱-۳۲)

ترجمہ: ۔ (وہ قصہ بھی قابل ذکر ہے) جب شام کے وقت ان کے روبرو اصیل عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے تو کہنے لگے میں اس مال کی محبت میں اپنے پروردگار کی یاد سے غافل ہو گیا یہاں تک کہ (آفتاب) پردہ میں چھپ گیا۔

❁

گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر
ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر

(ص ۲۵/ ۲۰۱)

یہاں قرآن حکیم کی حسب ذیل آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یؤتی الحکمۃ من یشآء ج و من یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیرا ط وما یذکر

الآ اولوا الالباب -(۲/۲۶۹)

وہ جسے چاہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت عطا ہوگئی اسے یقیناً خیر کثیر عطا ہوگئی اور نصیحت تو بس صاحبان فہم ہی قبول کرتے ہیں۔

۞

گرچہ عینِ ذات را بے پردہ دید
رب زدنی از زبانِ او چکید
(ص ۲۵/۲۰۱)

رب زدنی کی ترکیب قرآن مجید کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔

فتعلی اللہ الملک الحق ج و لا تعجل بالقرء ان من قبل ان یقضیٰ الیک وحیہ و

قل رب زدنی علماً -(۲۰/۱۱۴)

سو بڑا عالی شان ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے اور آپ قرآن (کے پڑھنے میں) جلدی نہ کیا کیجئے قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل ہو چکے اور آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار بڑھا دے میرے علم کو۔

۞

علم اشیا علم الاسماستے
ہم عصا وہم یدِ بیضاستے
(ص ۲۵/۲۰۱)

دیکھیے صفحہ ۱۸، (قرآن ۲/۳۱-۳۲)، (قرآن ۷/۱۰۷-۱۰۸)

۞

بروں از ورطۂ بود و عدم شو
فزوں تر زیں جہانِ کیف و کم شو
خودی تعمیر کن در پیکرِ خویش
چو ابراہیم معمارِ حرم شو
(ص ۳۷/۲۱۳)

دیکھیے صفحہ۲۸، (قرآن ۳۷/۱۴)

دیم چو جنگ پردۂ ناموسِ او درید
جز یسفک الدما، بخصیم مبیں، نبود
(ص۲۸۹/۱۱۳)

"یسفك الدما" کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ ۱۴ اور ۱۵، (قرآن ۲/۳۰)

"خصیم مبین" کی ترکیب قرآن عزیز کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔

او لم یر الانسان انا خلقنه من نطفة فاذا هو خصيم مبين۔(۳۶/۷۷)

کیا انسان کی نظر اس پر نہیں کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا سو وہ کھلا ہوا ایک معترض بن بیٹھا۔

بخاکِ ہند نوائے حیات بے اثر است
کہ مردہ زندہ نگردد ز نغمۂ داؤد
(ص۲۹۳/۱۱۷)

حضرت داؤد کا ذکر قرآن حکیم میں یوں آیا ہے۔

انا سخرنا الجبال معه يسبحن بالعشي والا شراق - والطير محشورة ط كل
له اواب۔(۳۸/۱۸-۱۹)

ہم نے پہاڑوں کو (ان کے) تابع کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام و صبح تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی جو (ان کے پاس) جمع ہو جاتے تھے سب ان کی وجہ سے بڑے رجوع کرنے والے تھے۔

بانگ درا

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

آتی ہے ندی فرازِ کوہ سے گاتی ہوئی
کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتی ہوئی

(ص۳۶/۵۲)

کوثر و تسنیم جنت کی دو نہروں کے نام ہیں جن کا ذکر قرآن عزیز میں اس طرح آیا ہے-

انا اعطینٰک الکوثر -(۱۰۸/۱)

ہم نے آپکو خیر کثیر عطا کی ہے-

و مزاجہ من تسنیم -عینا یشرب بھا المقربون -(۸۳/۲۷-۲۸)

اور اس کی آمیزش تسنیم سے ہوگی وہ چشمہ جس سے مقرب بندے پئیں گے-

❁

تو زمان و مکاں سے رشتہ بپا
طائرِ سدرہ آشنا ہوں میں

(ص۷۳/۵۷)

طائر سدرہ آشنا سے حضرت جبریل مراد ہیں۔ سدرہ اور جبریل کا ذکر قرآن کریم کی حسب ذیل آیات میں ملتا ہے۔

ولقد رء اہ نزلۃ اخری – عند سدرۃ المنتہی ۔(۵۳/۱۳-۱۴)

اور انہوں نے اس (فرشتہ) کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے سدرہ المنتہٰی کے قریب۔

صبح ازل جو حسن ہوا دلستان عشق
آواز کُن ہوئی تپش آموز جان عشق

(ص۶۰/۷۶)

کُن کا لفظ قرآن حکیم میں متعدد جگہ آیا ہے۔ یہاں ایک مقام نقل کیا جاتا ہے۔

انمآ امرۃ اذآ ارادشیئاً ان یقول لہ کن فیکون ۔(۳۶/۸۲)

وہ تو بس جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

یہ حکم تھا کہ گلشنِ کُن کی بہار دیکھ
ایک آنکھ لے کے خواب پریشاں ہزار دیکھ

(ص۶۰/۷۶)

دیکھیے حوالہ سابقہ

گل و گلزار ترے خلد کی تصویریں ہیں
یہ سبھی سورۂ والشمس کی تفسیریں ہیں

(ص۷۰/۸۶)

والشمس قرآن عزیز کی اکیانویں سورۃ کا نام ہے جس میں اللہ تعالٰی نے شمس (آفتاب وغیرہ) کی قسم کھائی ہے۔

میرے بگڑے ہوئے کاموں کو بنایا تو نے
بار جو مجھ سے نہ اٹھا ، وہ اٹھایا تو نے
(ص ۸۷/۷۱)

یہاں بزمِ قدرت انسان سے مخاطب ہے اور قرآن مجید کی حسب ذیل آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

انا عرضنا الامانة علی السمٰوٰت والارض و الجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها و حملها الانسان ط انه کان ظلوماً جهولاً ۔(۷۲/۳۳)

ہم نے (یہ) امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی سو ان سب نے انکار کیا اس سے کہ اسے اٹھائیں اور وہ اس سے ڈرے اور اسے انسان نے اپنے ذمے لے لیا بیشک وہ بڑا ظالم ہے بڑا جاہل ہے۔

طلسم ظلمت شب سورہ والنور سے توڑا
اندھیرے میں اڑایا تاج زر شمعِ شبستاں کا
(ص ۸۸/۷۲)

قرآن حکیم کی ۲۴ویں سورۃ کا نام سورۃ نور ہے۔

قصہء دار و رسن بازیِ طفلانۂ دل
التجائے ارنی سرخیِ افسانہء دل
(ص ۹۳/۷۷)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی اس آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ولما جاء موسٰی لمیقاتنا و کلمه ربه قال رب ارنیؔ انظر الیك ط قال لن ترنی (۱۴۳/۷)۔

اور جب موسٰی ہمارے وقت (موعود) پر آگئے اور ان سے ان کا پروردگار ہم کلام ہوا موسیٰ بولے اے میرے پروردگار مجھے اپنے کو دکھلا دیجیے (کہ) میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں (اللہ نے) فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔

شجر ہے فرقہ آرائی ، تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
(ص۸۶/۱۰۲)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن کریم کی حسب ذیل آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے- اگرچہ آیۂ کریمہ میں فرقہ آرائی کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے-

وقلنا یآدم اسکن انت و زوجک الجنۃ و کلا منھا رغداً حیث شئتما و لا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظلمین – فازلھما الشیطن عنھا فاخرجھما مما کانا فیہ ص-(۲/۳۵-۳۶)

اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو سہو اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم گنہگاروں میں سے ہو جاؤ گے پھر شیطان نے دونوں کو پھسلایا اس درخت کے باعث اور جس میں تھے اس سے انہیں نکلوایا-

سنے کوئی مری غربت کی داستاں مجھ سے
بھلایا قصۂ پیمانِ اولیں میں نے
(ص۹۲/۱۰۸)

دیکھیے صفحہ ۳۰، (قرآن ۷/۱۷۲)

کبھی میں ذوقِ تکلم میں طور پر پہنچا
چھپایا نورِ ازل زیرِ آستیں میں نے
(ص۹۲/۱۰۸)

دیکھیے صفحہ ۱۹، (قرآن ۷/۱۰۷-۱۰۸)

کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھ کو لٹکایا
کیا فلک کو سفر ، چھوڑ کر زمیں میں نے
(ص۹۲/۱۰۸)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن مجید کی حسب ذیل آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

و قولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول الله ج و ما قتلوه و ما صلبوه و لكن شبه لهم ط و ان الذين اختلفوا فيه لفي شك منه ط ما لهم به من علم الا اتباع الظن ج و ما قتلوه يقيناً - بل رفعه الله اليه و كان الله عزيزاً حكيماً - (۱۵۷/۴-۱۵۸)

اور بہ سبب ان کے اس قول کے کہ ہم نے عیسٰی ابن مریم کو مار ڈالا جو مسیح اور اللہ کے پیمبر تھے حالانکہ نہ وہ آپ کو مار ڈال سکے اور نہ آپ کو سولی ہی پر چڑھا پائے بلکہ ان پر شبہ ڈال دیا گیا اور یہ لوگ آپ کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں وہ آپ کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں ان کے پاس کوئی علم (صحیح) تو ہے نہیں ہاں بس گمان کی پیروی ہے اور یقینی بات ہے کہ انہوں نے آپ کو مار نہیں ڈالا بلکہ آپ کو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ بڑا قوت والا ہے حکمت والا ہے۔

❁

بندے کلیم جس کے ، پربت جہاں کے سینا
نوحِ نبی کا آ کر ٹھہرا جہاں سفینا
(ص ۱۱۴/۹۸)

قرآن حکیم میں سفینۂ نوح کا ذکر اس طرح آتا ہے لیکن یہ مسلم ہے کہ جودی جو طور سینا کی ایک چوٹی ہے، بلادِ عراق میں واقع ہے۔ علامہ کو یہاں سہو ہوا کہ جودی کو ہندوستان سے منسوب کر دیا۔

واستوت على الجودى - (۴۴/۱۱)

اور (کشتی) آ ٹھہری جودی پر۔

❁

جائے حیرت ہے برا سارے زمانے کا ہوں میں
مجھ کو یہ خلعت شرافت کا عطا کیوں کر ہوا
(ص ۱۲۶/۱۱۰)

اس شعر کا مفہوم قرآن عزیز کی مندرجہ ذیل آیت سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔

ولقد کرّمنا بنیٓ آدم و حملنٰھم فی البرّ و البحر و رزقنٰھم من الطّیبٰت و فضّلنٰھم علیٰ کثیرٍ ممّن خلقنا تفضیلاً۔(۱۷/۷۰)

اورہم نے بنی آدم کوعزت دی ہےاورہم نے انہیں خشکی اوردریا (دونوں) میں سوار کیااورہم نے ان کونفیس چیزیں عطا کیں اورہم نے ان کواپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت دی ہے۔

❁

کچھ دکھانے دیکھنے کا تھا تقاضا طور پر
کیا خبر ہے تجھ کو اے دل فیصلہ کیوں کر ہوا ؟

(ص۱۲۶/۱۱۰)

دیکھیے صفحہ ۴۴، (قرآن ۷/۱۴۳)

❁

اڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر کلیم
طاقت ہو دید کی تو تقاضا کرے کوئی

(ص۱۲۸/۱۱۲)

دیکھیے صفحہ ۴۴، (قرآن ۷/۱۴۳)

❁

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

(ص۱۳۰/۱۱۴)

یہاں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔اقبال نے اہل فقر کے ہاتھوں کوحضرت موسیٰ کے دست مبارک (ید بیضا) سے نسبت دی ہے۔

واضمم یدک الیٰ جناحک تخرج بیضآء من غیر سوءٍ ایۃ اخری۔(۲۰/۲۲)

اورتم اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دے لووہ بلا کسی عیب کے روشن ہوکر نکلے گا (یہ) دوسری نشانی ہوئی۔

❁

ذرا سا تو دل ہوں ، مگر شوخ اتنا
وہی لن ترانی سنا چاہتا ہوں

(ص ۱۳۱/۱۱۵)

دیکھیے صفحہ ۴۴، (قرآن ۱۴۳/۷)

سختیاں کرتا ہوں دل پر ، غیر سے غافل ہوں میں
ہائے کیا اچھی کہی ظالم ہوں میں ، جاہل ہوں میں

(ص ۱۳۲/۱۱۶)

دیکھیے صفحہ ۴۳، (قرآن ۷۲/۳۳)

شوخی سی ہے سوال مکرر میں اے کلیم
شرط رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے

(ص ۱۳۳/۱۱۷)

دیکھیے صفحہ ۴۵، (قرآن ۱۴۳/۷)

نہ مجھ سے کہہ کہ اجل ہے پیام عیش و سرور
نہ کھینچ نقشہء کیفیتِ شرابِ طہور

(ص ۱۵۲/۱۳۶)

شراب طہور کی ترکیب قرآن کریم کی اس آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

و سقٰھم ربھم شراباً طھوراً۔(۲۱/۷۶)

اور ان کا پروردگار ان کو پاکیزہ شراب پینے کو دے گا۔

مجھے فریفتہ ساقی جمیل نہ کر
بیانِ حور نہ کر ، ذکرِ سلسبیل نہ کر

(ص ۱۵۲/۱۳۶)

سلسبیل کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح آتا ہے۔

عیناً فیھا تسمّٰی سلسبیلاً۔(۱۸/۷۶)

یعنی ایسے چشمے سے جو وہاں ہوگا اور اس کا نام سلسبیل ہوگا۔

صدائے لن ترانی سن کے اے اقبال میں چپ ہوں
تقاضوں کی کہاں طاقت ہے مجھ فرقت کے مارے میں
(ص ۱۴۸/۱۶۴)

دیکھیے صفحہ ۴۵، (قرآن ۷/۱۴۳)

خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے کلیم تری
شجر، حجر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں
(ص ۱۴۹/۱۶۵)

دیکھیے صفحہ ۴۵، (قرآن ۷/۱۴۳)

کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے
منہ کے بل گر کے ھو اللہ احد کہتے تھے
(ص ۱۷۷/۱۹۳)

دیکھیے صفحہ ۳۱، (قرآن ۱۱۲/۱)

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم
(ص ۲۱۷/۲۳۳)

قلب سلیم کی ترکیب قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

الاّ من اتی اللّٰہ بقلبٍ سلیم ۔(۲۶/۸۹)

مگر ہاں جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آئے۔

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے

رفعت شان رفعنا لک ذکرک دیکھے
(ص ۲۳۶/۲۲۰)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی حسب ذیل آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

و رفعنا لک ذکرک۔ (۴/۹۴)

اور آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کر دیا۔

❁

"کشتیء مسکین" و "جانِ پاک" و "دیوارِ یتیم"
علم موسٰی بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش
(ص ۲۸۴/۲۶۸)

اس شعر میں حضرت موسٰی اور حضرت خضر کی اس ملاقات کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح ہے۔

فانطلقا حتیٰٓ اذا رکبا فی السفینة خرقها ط قال اخرقتها لتغرق اهلها لقد جئت شیئاً امراً – قال الم اقل انّك لن تستطیع معی صبراً – قال لا توء اخذنی بما نسیت ولا ترهقنی من امری عسراً – فانطلقا حتیٰٓ اذا لقیا غلما فقتله لا قال اقتلت نفساً زکیة بغیر نفس ط لقد جئت شیئاً نکراً – قال الم اقل لك انّك لن تستطیع معی صبراً – قال ان سالتك عن شی بعدها فلا تصحبنی ج قد بلغت من لدنّی عذراً – فانطلقا حتیٰٓ اذآ اتیآ اهل قریة ناستطعمآ اهلها فابوا ان یضیفوهما فوجدا فیها جداراً یرید ان ینقضّ فاقامه ط قال لو شئت لتّخذت علیه اجراً – قال هذا فراق بینی و بینك ج سانبئك بتاویل مالم تستطع علیه صبراً – امّا السفینة فکانت لمسٰکین یعملون فی البحر فاردت ان اعیبها وکان ورآءهم ملك یاخذ کلّ سفینةٍ غصباً – و اما الغلٰم فکان ابواه مومنین فخشینآ ان یرهقهما طغیاناً و کفراً – فاردنآ ان یبدلهما ربهما خیراً منه زکوٰةً و اقرب رحماً – وامّا الجدار فکان لغلٰمین یتیمین فی المدینة و کان تحته کنز لّهما وکان ابوهما صالحاً ج فاراد ربك ان یبلغآ اشدهما ویستخرجا

كنزهما رحمة من ربّك ج وما فعلته عن امري ط ذلك تاويل مالم تسطع عليه صبراً –

(۱۸/۷۱-۸۲)

پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو (خضر نے) اس میں سوراخ کر دیا (موسیٰ نے) کہا کیا آپ نے اس لیے سوراخ کر دیا کہ نتیجہ یہ ہو کہ آپ اس پر بیٹھنے والوں کو غرق کر دیں یقیناً آپ نے بہت بڑی بات کر ڈالی (خضر نے) کہا میں نے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ نباہ نہ کر سکیں گے (موسیٰ نے) کہا میری بھول چوک پر گرفت نہ کیجئے اور میرے (اس) معاملہ میں مجھ پر تنگی نہ ڈالئے (اس کے بعد) پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب وہ دونوں ایک لڑکے سے ملے تو (خضر نے) اسے مار ڈالا حضرت موسیٰ نے کہا آپ نے ایک بے گناہ جان کو مار ڈالا بغیر کسی جان (کے بدلہ) کے یقیناً آپ نے بڑی بے جا حرکت کی- (خضر نے) کہا میں نے آپ سے کہہ دیا تھا نا کہ آپ سے میرے ساتھ نباہ نہ ہو سکے گا (موسیٰ نے) کہا (اچھا اب) اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے متعلق پوچھوں تو آپ مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھیے- بیشک آپ میرے بارے میں حد عذر کو پہنچ چکے پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں پر گزر ہوا تو وہاں والوں سے کھانے کو مانگا سو انہوں نے ان کی مہمانی سے انکار کر دیا پھر دونوں کو اس (بستی) میں ایک دیوار ملی جو گرا چاہتی تھی سو خضر نے اسے سیدھا کر دیا (موسیٰ نے) کہا کہ آپ چاہتے تو اس (کام) پر اجرت ہی لے لیتے خضر بولے (بس) یہ وقت میری آپ کی علیحدگی کا ہے اب میں ان چیزوں کی حقیقت پر آپ کو مطلع کیے دیتا ہوں جن کے بارے میں آپ ضبط نہ کر سکے وہ جو کشتی تھی سو وہ (چند) غریبوں کی تھی کہ وہ دریا میں کام کرتے تھے سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب پیدا کر دوں اور ان کے آگے کی طرف ایک بادشاہ تھا جو ہر (بے عیب) کشتی کو زبردستی پکڑ لیتا تھا اور وہ جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ ایمان والے تھے سو ہم کو معلوم ہوا کہ وہ ان دونوں پر بھی سرکشی اور کفر کا اثر ڈال دے گا سو ہم نے یہ چاہا کہ اس کے عوض ان کا پروردگار انہیں ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر اور محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو اور رہی وہ دیوار سو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس (دیوار) کے نیچے ان کا دفینہ تھا اور ان کا باپ ایک مرد صالح تھا سو آپ کے پروردگار نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی پختگی کو پہنچ جائیں اور اپنا دفینہ نکال لیں (یہ سب) آپ کے پروردگار کی مہربانی سے ہوا اور یہ (کوئی کام) میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا -یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا-

❁

وہ سکوتِ شامِ صحرا میں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بینِ خلیل

(ص ۲۷۰/۲۸۶)

دیکھئے صفحہ ۲۱، (قرآن ۶/۷۶-۷۸)

آ بتاؤں تجھ کو رمز آیۂ ان الملوک
سلطنت اقوامِ غالب کی ہے اک جادوگری

(ص ۲۷۳/۲۸۹)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

قالت انّ الملوک اذا دخلوا قریۃً افسدوھا و جعلوٓا اعزۃ اھلھآ اذلۃ و کذٰلک یفعلون -(۲۷/۳۴)

وہ بولی بادشاہ جب کسی بستی میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں تو اسے تہ وبالا کر دیتے ہیں اور وہاں والوں میں جو عزت دار ہوتے ہیں انہیں وہ ذلیل کر دیتے ہیں اور اسی طرح (یہ لوگ) کریں گے-

مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
ہر زماں پیش نظر لا یخلف المیعاد دار

(ص ۲۸۰/۲۹۶)

مصرع ثانی میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ ہے-

ان اللہ لا یخلف المیعاد-(۳/۹)

بیشک اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں جاتا-

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

(ص ۲۹۴/۳۱۰)

یہاں پہلے مصرع میں قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ مقصود ہے-

قالوا حرّقوہ وانصروٓا ءالھتکم ان کنتم فٰعلین - قلنا ینار کونی برداً و سلٰماً

علیٰ ابراھیم - وارادوا به کیداً فجعلنٰھم الاخسرین -(۲۱/۶۸-۷۰)

(وہ لوگ) بولے انہیں تو جلا دو اور اپنے ٹھاکروں کا بدلہ لے لو اگر تمہیں (کچھ) کرنا ہے - ہم نے حکم دیا اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا اور ابراہیم کے حق میں اور (لوگوں نے) ان کے ساتھ برائی کرنا چاہی تھی سو ہم نے انہیں (لوگوں) کو نا کام کر دیا -

۞

یہ "لسان العصر" کا پیغام ہے
ان وعد اللہ حق یاد رکھ
(ص ۲۹۸/۳۱۱)

مصرع ثانی میں قرآن کریم کی اس آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے - یہاں "لسان العصر" سے مراد خود زمانہ ہے -

فاصبر انّ وعداللہ حق ط (۳۰/۶۰)

سو آپ صبر کیجئے بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے -

۞

حکمت و تدبیر سے یہ فتنۂ آشوب خیز
ٹل نہیں سکتا "وقد کنتم بہ تستعجلون"
(ص ۳۰۶/۳۲۲)

مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے -

قل ارء یتم ان اتٰکم عذابہ بیاتاً او نھاراً مّاذا یستعجل منہ المجرمون - اثمّ اذا ما وقع آمنتم بہ ط ء آلئٰن وقد کنتم بہ تستعجلون -(۱۰/۵۰-۵۱)

آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب رات کو آپڑے یا دن کو تو اس میں کون چیز ایسی ہے جس کے لیے مجرمین جلدی مچا رہے ہیں - کیا جب وہ آ ہی پڑے گا جب اس کا یقین کرو گے؟ ہاں اب! حالانکہ تم اس کی تو جلدی مچایا کرتے تھے -

۞

"کھل گئے" یا جوج اور ماجوج کے لشکر تمام

چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیرِ حرفِ ''ینسلون''
(ص ۳۲۲/۳۰۶)

یہاں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے-

حتیّٰ اذا فتحت یاجوج و ماجوج و ھم من کلّ حدب ینسلو ن-(۹۶/۲۱)

یہاں تک کہ یاجوج وماجوج کھول دیئے جائیں اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں-

۞

حکم حق ہے لیس للانسان الا ما سعی
کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار
(ص ۳۲۴/۳۰۸)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

و ان لّیس للانسان الّا ماسعیٰ-(۳۹/۵۳)

اور انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی-

۞

زبورِ عجم

(کلیاتِ اقبال فارسی، لاہور ۱۹۹۰ء)

ہمیں دریا ہمیں چوبِ کلیم است
کہ از وے سینۂ دریا دونیم است

(ص ۴۳۲/۸۸)

دیکھیے صفحہ ۱۹، (قرآن ۲۶/۶۱-۶۶)

نصیب خود ز بوئے پیرہن گیر
بہ کنعاں نکہت از مصر و یمن گیر

(ص۹۳/۴۳۷)

اس شعر میں قرآن عزیز کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیراً ج واتونی باھلکم اجمعین۔ ولما فصلت العیر قال ابوھم انّی لاجد ریح یوسف لو لآ ان تفنّدو ن۔قالوا تاللہ انّک لفی ضللٰک القدیم۔فلمآ ان جآء البشیر القٰہ علیٰ وجہہ فارتد بصیراً ج قال الم اقل لّکم ج انّی اعلم من اللہ مالا تعلمو ن۔(۱۲/۹۳-۹۶)

(اب تم)میرے اس پیراہن کو لے جاؤ اور اس کو میرے والد کے چہرے پر ڈال دو (ان کی) آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور اپنے گھر والوں کو (بھی) سب کو میرے پاس لے آؤ اور جب (ادھر سے) قافلہ چلا ہے اور ان کے باپ بولے کہ اگر تم مجھے بالکل سٹھیایا ہوا نہ سمجھو تو مجھے یوسف کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے (لوگوں نے) کہا بخدا آپ تو اپنے اس قدیم وہم میں (مبتلا) ہیں پھر جب خوش خبری لانے والا آ پہنچا تو اس نے وہ پیراہن آپ کے منہ پر ڈال دیا تو آپ کی آنکھیں روشن ہو گئیں (یعقوب نے) فرمایا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم لوگ نہیں رکھتے۔

۞

مجو مطلق دریں دیر مکافات
کہ مطلق نیست جز نور السّمٰوٰت

(ص۹۳/۴۳۷)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

اللہ نور السّمٰوٰت والارض ط مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح ط المصباح فی زجاجۃ ط الزّجاجۃ کانّھا کو کب درّیٌّ یوقد من شجرۃ مّبٰرکۃ زیتونۃ لّا شرقیّۃ ولا غربیّۃ یکاد زیتھا یضیٓء ولو لم تمسسہ نار ط نور علیٰ نور ط یھدی اللہ لنورہ من یّشاء ط و یضرب اللہ الامثال للنّاس ط و اللہ بکلّ شیء علیمٌ ۔(۲۴/۳۵)

اللہ (ہی) آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور (ہدایت) کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے چراغ قندیل میں ہے قندیل گویا ایک چمکدار ستارہ ہے چراغ روشن کیا جاتا ہے ایک نہایت مفید

درخت (یعنی) زیتون سے جو نہ پورب رخ ہے نہ پچھم رخ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا اگر چہ آگ اسے نہ بھی چھوئے-نور ہی نور ہے اللہ اپنے اس نور تک جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے یہ مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے-

مہ و سالت نمی ارزد بیک جو
بحرف "کم لبثتم" غوطہ زن شو

(ص ۹۴/۴۳۸)

"کم لبثتم" قرآن مجید کی مندرجہ آیات سے ماخوذ ہے-

قٰل کم لبثتم فی الارض عدد سنین - قالوا لبثنا یوماً او بعض یومٍ فسئل العآدین- قٰل ان لبثتم الا قلیلاً لو انکم کنتم تعلمون-(۲۳/۱۱۲-۱۱۴)

ارشاد ہوگا کہ (اچھا) تم برسوں کے حساب سے کتنی مدت زمین پر رہے۔ وہ کہیں گے ہم ایک دن رہے ہوں گے یا دن کا بھی کچھ حصہ سو تو گننے والوں سے پوچھ لے۔ ارشاد ہوگا کہ بیشک (تم دنیا میں) تھوڑی ہی مدت رہے کاش تم (اسے) سمجھ رہے ہوتے-

حکیماں مردہ را صورت نگارند
یدِ موسیٰ دمِ عیسےٰ ندارند

(ص ۹۵/۴۳۹)

"دمِ عیسیٰ" میں آیت ذیل کے ٹکڑے کی طرف اشارہ ہے-

و اذ تخلق من الطین کھیئة الطیر باذنی فتنفخ فیھا فتکون طیراً باذنی ج

(۵/۱۱۰)

اور جب تم مٹی سے پرندہ جیسی ایک شکل میرے حکم سے وجود میں لاتے تھے پھر تم اس کے اندر پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا-

چہ گویم از ’من‘ و از توش و تابش
کند ’انا عرضنا‘ بے نقابش
(ص ۴۴۴/۱۰۰)

دیکھیے صفحہ ۴۳، (قرآن ۷۲/۳۳)

جہاں یکسر مقامِ آفلین است
درین غربت سرا عرفان ہمین است
(ص ۴۵۴/۱۱۰)

دیکھیے صفحہ ۲۲، (قرآن ۷۸-۷۶/۶)

الست، از خلوت نازے کہ برخاست
بلیٰ، از پردہ سازے کہ برخاست
(ص ۴۵۵/۱۱۱)

دیکھیے صفحہ ۳۰، (قرآن ۱۷۲/۷)

علم حاضر پیش آفل در سجود
شک بیفزود و یقیں از دل ربود
(ص ۴۶۴/۱۲۰)

دیکھیے صفحہ ۲۲، (قرآن ۷۸-۷۶/۶)

جاوید نامہ

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

آیۂ تسخیر اندر شانِ کیست؟
این سپہر نیلگوں حیرانِ کیست؟

(ص ۱۰/۴۸۲)

اس شعر میں قرآن عزیز کی مندرجہ ذیل آیت کی طرف اشارہ ہے۔

و سخّر لکم ما فی السّمٰوٰت و ما فی الارض جمیعاً منہ ط انّ فی ذٰلک لاٰیٰت لّقومٍ یتفکّرون - (۱۳/۴۵)

اور اس نے تمہارے لیے مسخر کیا جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کو اپنی طرف

ہے۔ بیشک اس میں ان لوگوں کے لیے نشان ہیں جو غور کرتے رہتے ہیں۔

راز دان علم الاسما کہ بود
مست آں ساقی و آں صہبا کہ بود
(ص۴۸۲/۱۰)

دیکھیے صفحہ ۱۹، (قرآن ۲/۳۱-۳۲)

اے ترا تیرے کہ مارا سینہ سفت
حرف ادعونی کہ گفت و با کہ گفت
(ص۴۸۲/۱۰)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

و قال ربکم ادعونی استجب لکم ط ان الذین یستکبرون عن عبادتی سید
خلون جہنم داخرین۔ (۴۰/۶۰)

اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔

زیر گردوں خویش را یابم غریب
زاں سوئے گردوں بگو انی قریب
(ص۴۸۴/۱۲)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

و اذا سالک عبادی عنی فانی قریبٌ ط اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا
لی ولیئو منوا بی لعلہم یرشدون۔ (۲/۱۸۶)

اور جب آپ سے میرے بندے میرے باب میں دریافت کریں تو میں تو قریب ہی ہوں، دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے پس (لوگوں کو) چاہیے کہ میرے احکام قبول کریں اور

مجھ پر ایمان لائیں عجب نہیں کہ ہدایت پا جائیں-

نکتۂ "الا بسلطان" یاد گیر
ورنہ چوں مور و ملخ در گل بمیر
(ص ۴۹۳/۲۱)

یہاں مصرع اولیٰ میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے-

یا معشر الجنّ و الانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السّمٰوٰت و الارض فانفذوا ط لا تنفذون الّا بسلطٰنٍ-(۵۵/۳۳)

اے گروہ جن وانس اگر تمہیں یہ قدرت ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو نکل دیکھو (لیکن) بغیر زور کے نکل سکتے ہی نہیں ہو-

ہا و ہوی اندرونِ کائنات
از ابِ او، و نجم و نور و نازعات
(ص ۵۱۷/۴۵)

یہاں بالترتیب قرآن کریم کی ۵۳ویں، ۲۴ویں اور ۷۹ویں سورتوں کے نام لیے گئے ہیں-

تکیہ بر میثاق یزداں الٰہی است
بر مرادش راہ رفتن گمرہی است
(ص ۵۲۰/۴۸)

میثاق کا ذکر قرآن مجید میں متعدد آیات میں آتا ہے- اس شعر میں اقبال نے لفظ میثاق لاکر قرآن عزیز کی ذیل کی آیت کی طرف اشارہ کیا ہے-

و اذ اخذ اللہ میثاق النّبیّین لمآ اٰتیتکم مّن کتٰبٍ و حکمۃٍ ثمّ جآءکم رسولٌ مّصدّقٌ لّما معکم لتؤمننّ بہ و لتنصرنّہ ط قال ءاقررتم و اخذتم علی ذلکم اصری ط قالوٓا اقررنا ط قال فاشہدوا و انا معکم من الشّٰہدین (۳/۸۱)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب وحکمت (کی قسم) سے دوں پھر تمہارے پاس کوئی رسول اس (چیز) کی تصدیق کرنے والا آئے جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس (رسول) پر ایمان لانا اور ضرور اس کی نصرت کرنا (پھر) فرمایا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ وہ بولے ہم اقرار کرتے ہیں فرمایا تو گواہ رہنا اور میں (بھی) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

زہرہا		در	بادۂ	گلفام	اوست
اڑہ	و	کرم	و	صلیب	انعام اوست

(ص۴۸/۵۲۰)

اقبال نے اس شعر میں لفظ اڑہ استعمال کر کے حضرت زکریا کی طرف اشارہ کیا ہے اور کرم کا اشارہ حضرت ایوب کی جانب ہے اور صلیب سے مراد یہودیوں کی جناب مسیح کو مصلوب کرنے کی کوشش ہے جس کو حق تعالیٰ نے ناکام کر دیا اور جس کا ذکر قرآن حکیم میں ہے۔

حضرت زکریا کا ذکر قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے۔ ایک مقام پر ہے۔

و زکریّا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس ط کلٌ مّن الصّٰلحین ۔(۶/۸۵)

(اور ہم نے ہدایت دی) زکریا اور یحیٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو (یہ) سب صالحین میں سے تھے۔

تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۵۲ کے حوالے سے صاحب قصص القرآن نے لکھا ہے کہ ''جب یہود نے حضرت یحییٰ کو شہید کر دیا تو پھر حضرت زکریا کی طرف متوجہ ہوئے کہ ان کو بھی قتل کریں۔ حضرت زکریا نے جب یہ دیکھا تو وہ بھاگے تا کہ ان کے ہاتھ نہ لگ سکیں سامنے ایک درخت آ گیا اور وہ اس کے شگاف میں گھس گئے۔ یہودی تعاقب کر رہے تھے تو انہوں نے جب یہ دیکھا تو ان کو نکلنے پر مجبور کرنے کے بجائے درخت پر آرہ چلا دیا ۔جب آرہ حضرت زکریا پر پہنچا تو خدا کی وحی آئی اور حضرت زکریا سے کہا گیا کہ اگر تم نے کچھ بھی آہ وزاری کی تو ہم یہ سب زمین تہ وبالا کر دیں گے اور اگر تم نے صبر سے کام لیا تو ہم بھی ان یہود پر اپنا غضب نہیں نازل کریں گے چنانچہ حضرت زکریا نے صبر سے کام لیا اور اف تک نہیں کی اور یہود نے درخت کے ساتھ ان کے بھی دو ٹکڑے کر دیئے'' ۔مولانا محمد حفظ الرحمٰن ۔قصص القرآن ج ۲ (صفحہ ۲۷۳۔۲۷۴)۔

حضرت ایوبؑ کا ذکر قرآن مجید میں کئی جگہ ہے مثلاً

و اذکر عبدنآ ایّوب اذ نادیٰ ربّہ انّی مسّنی الشّیطٰن بنصبٍ و

عذاب -(۴۱/۳۸)

اور آپ ہمارے بندہ ایوبؑ کو یاد کیجئے جب کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ شیطان نے مجھے رنج و آزار پہنچایا ہے-

جنابِ مسیح کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ ۵۴،۷/۱۵۷-۱۵۸

❁

جز دعا ہا نوح تدبیرے نداشت

حرف آں بیچارہ تاثیرے نداشت

(ص ۴۸/۵۲۰)

حضرت نوح نے قوم کے حق میں جو بددعا کی، کفار کو تبلیغ کے بعد، وہ قرآن حکیم میں اس طرح آئی ہے-

وقال نوحٌ رّبِّ لا تذر علی الارض من الکٰفرین دیّارا -(۲۶/۷۱)

اور نوح نے یہ بھی عرض کی کہ اے میرے پروردگار زمین پر کافروں میں سے ایک باشندہ بھی (جیتا) مت چھوڑ-

❁

صرصرے دہ با ہوائے بادیہ

اُنھم اعجاز نخل خاویہ

(ص ۵۵/۵۲۷)

یہاں قرآن عزیز کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

و امّا عادٌ فاھلکوا بریحٍ صرصرٍ عاتیۃٍ–سخّرھا علیھم سبع لیالٍ و ثمٰنیۃ ایّامٍ حسوماً فتری القوم فیھا صرعیٰ کانّھم اعجاز نخلٍ خاویۃٍ-(۶۹/۶-۷)

اور رہے عاد، سو وہ ایک تیز و تند ہوا سے ہلاک کیے گئے- (اللہ نے) اسے ان پر مسلط کر دیا تھا سات راتوں اور آٹھ دنوں تک لگا تار، تو وہاں اس قوم کو یوں گرا ہوا دیکھتا ہے کہ گویا وہ گری ہوئی کھجور کے تنے پڑے ہیں-

❁

قرأتِ آں پیر مردے سخت کوش

سورۂ و انجم و آں دشتِ خموش

(ص ۶۱/ ۵۴۳)

یہاں قرآن عزیز کی ۵۳ ویں سورۃ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

حرف انی جاعل تقدیر او
از زمیں تا آسماں تفسیر او

(ص ۶۸/ ۵۴۰)

دیکھیے صفحہ ۱۴، (قرآن ۲/ ۳۰)

باطن "الارض للہ" ظاہر است
ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است

(ص ۷۴/ ۵۴۶)

"الارض للہ" میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

قال موسیٰ لقومه استعينوا بالله و اصبروا انّ الارض لله يورثها من يشآء من عباده ط والعاقبة للمتقين - (۷/ ۱۲۸)

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ (ہی) کا سہارا رکھو اور صبر کیے رہو، زمین اللہ ہی کی ہے، وہ جس کو چاہیں اپنے بندوں میں سے اس کا مالک بنا دیں، اور انجام کار خدا سے ڈرنے والوں ہی کے ہاتھ رہتا ہے۔

"گفت حکمت را خدا خیر کثیر
ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر"

(ص ۷۵/ ۵۴۷)

دیکھیے صفحہ ۴۰، (قرآن ۲/ ۲۶۹)

مرد حق از کس نگیرد رنگ و بو

مرد حق از حق پذیرد رنگ و بو
(ص۵۵۰/۷۸)

دیکھیے صفحہ۲۱،(قرآن ۲/۱۳۸)

۞

رازہا بامرد مومن باز گوے
شرح رمز کل یوم باز گوے
(ص۵۵۰/۷۸)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

یسئله من فی السمٰوٰت و الارض ط کلّ یومٍ هو فی شانٍ ۔(۲۹/۵۵)

اس سے سب آسمان اور زمین والے طلب کرتے ہیں،وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے۔

۞

ہیچ خیر از مردکِ زر کش مجو
لن تنالوا البرّ حتیٰ تنفقوا
(ص۵۵۳/۸۱)

دیکھیے صفحہ۱۸،(قرآن ۳/۹۲)

۞

بندۂ مومن امیں ، حق مالک است
غیر حق ہر شے کہ بینی ہالک است
(ص۵۵۳/۵۱)

مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ولا تدع مع الله الٰهاً آخر م لآ الٰه الا هو ج کلّ شیءٍ هالكٌ الّا وجهه ط له

الحکم و الیه ترجعون ۔(۲۸/۸۸)

اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکاریئے کوئی معبود نہیں اس کے سوا ہر شے فنا ہونے والی ہے بجز اس کی ذات کے۔حکومت اس (ایک) کی ہے اور اس کی طرف تم (سب) لوٹائے جاؤ گے۔

رایت حق از ملوک آمد نگوں
قریہ ہا از دخل شاں خوار و زبوں
(ص ۸۱/۵۵۳)

دیکھیے صفحہ ۵۲، (قرآن ۲۷/۳۴)

آب و نانِ ماست از یک مائدہ
دودہ آدم "کنفس واحدہ"
(ص ۸۲/۵۵۴)

نفس واحدہ کی ترکیب قرآن عزیز میں متعدد آیات میں آئی ہے- جاوید نامہ میں اس شعر کے تحت جو آیۂ کریمہ حاشیہ، ذیلی میں دی ہوئی ہے اس کا تعلق شعر مذکورہ بالا کے مفہوم سے نہیں ہے کیونکہ شعر میں انسانوں کی وحدت اور مساوات پر زور دیا گیا ہے اور جاوید نامہ میں دی ہوئی آیت میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت بیان فرمائی گئی ہے- ہم نے متن میں صحیح متعلقہ آیت کا ٹکڑا نقل کر دیا ہے جو حسب ذیل ہے-

ھو الذّی خلقکم من نفسٍ واحدۃٍ و جعل منہا زوجہا لیسکن الیہا ج (۷/۱۸۹)

وہ ہی (پروردگار) ہے جس نے ہمیں ایک جان واحد سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑ ابنایا تا کہ وہ اس (جوڑے) سے تسکین حاصل کرے-

با مسلماں گفت جاں بر کف بنہ
ہر چہ از حاجت فزوں داری بدہ
(ص ۸۲/۵۵۴)

یہاں قرآن کریم کی اس آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ ہے-

و یسئلونک ماذا ینفقون ط قل العفو ط کذٰلک یبیّن اللہ لکم الایت لعلّکم تتفکّرون -(۲/۲۱۹)

اور (لوگ) آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں آپ کہہ دیجئے کہ جتنا آسان ہو اللہ اس طرح

تمہارے لیے کھول کر احکام بیان کرتا ہے تا کہ تم سوچ لیا کرو۔

در گذر مثلِ کلیم از رودِ نیل
سوئے آتش گام زن مثلِ خلیل

(ص۸۴/۵۵۶)

دیکھیے صفحہ۳۰ ، (قرآن ۲۶/۶۱-۶۶) اور ۵۲، (قرآن ۲۱/۶۸-۷۰)

تا زما زاغ البصر گیرد نصیب
بر مقام عبدہ گردد رقیب

(ص۸۸/۵۶۰)

دیکھیے صفحہ۳۹، (قرآن ۵۳/۱۷)

بعل و مردوخ و یعوق و نسر و فسر
رم خن و لات و منات و عسر و غسر

(ص۸۹/۵۶۱)

بعل، یعوق اور نسر بتوں کے نام قرآن عزیز میں اس طرح آئے ہیں۔

اتدعون بعلاً و تذرون احسن الخالقین ۔ (۳۷/۱۲۵)

کیا تم بعل کو پکارا کرتے ہو اسے چھوڑے ہوئے جو سب سے بڑھ کر بنانے والا ہے۔

وقالوا لا تذرنّ الھتکم و لا تذرنّ وداً و لا سواعاً و لا یغوث و یعوق و نسراً۔
(۷۱/۲۳)

اور انہوں نے کہا اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود کو اور سواع کو اور نہ یغوث، یعوق، نسر (غرض کسی کو بھی نہ) چھوڑنا۔

ہر یکے ترسندہ از "ذکرِ جمیل"

ہر یکے آزردہ از ضرب خلیل
(ص ۵۶۳/۹۱)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن مجید کی ان آیات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

فراغ الیٰ ء الهتهم فقال الا تاکلون – مالکم لا تنطقون – فراغ علیهم ضرباً بالیمین ۔(۹۳/۹۱،۳۷)

تو یہ ان کے ٹھاکروں میں جا گھسے اور کہنے لگے کیا تم کھاتے نہیں ہو؟ تمہیں کیا ہوا تم بولتے ہی نہیں ہو؟ پھر ان پر قوت کے ساتھ جا پڑے اور مارنے لگے۔

❁

پیر رومی سورۂ طٰہٰ سرود
زیر دریا ماہتاب آمد فرود
(ص ۵۶۶/۹۴)

"طٰہٰ" قرآن کریم کی ۲۰ ویں سورت کا نام ہے جس میں حضرت موسیٰ اور فرعون کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

❁

خدمت از رسم و رہ پیغمبری است
مزد خدمت خواستن سودا گری است
(ص ۵۸۱/۱۰۹)

اس شعر میں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

و مآ اسئلکم علیه من اجرٍ ج ان اجری الّا علیٰ ربّ العلمین۔ (۱۰۹/۲۶)

اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمے ہے۔

❁

ارض حق را ارض خود دانی بگو
چیست شرح آیۂ لا تفسدوا
(ص ۵۸۱/۱۰۹)

یہاں قرآن مجید کی اس آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحہا ط ذٰلکم خیرٌلکم ان کنتم مؤمنین۔

(۸۵/۷)

ملک میں فساد نہ مچاؤ اس کی درستی کے بعد، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو۔

امر	حق	گفتند	نقش	باطل	است
زانکہ	او	وابستۂ	آب	و	گِل	است

(ص ۱۲۵/۵۹۷)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

و یسئلونک عن الرّوح ط قل الرّوح من امر ربّی و مآ اوتیتم من العلم الّا قلیلاً

(۸۵/۱۷)۔

اور آپ سے یہ روح کی بات پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے (ہی) ہے اور تمہیں علم تو تھوڑا ہی دیا گیا ہے۔

خلق	و	تقدیر	و	ہدایت ابتداست

رحمت للعالمینی انتہاست

(ص ۱۲۸/۶۰۰)

یہاں پہلے مصرع میں قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

سبّح اسم ربّک الاعلی – الّذی خلق فسوّیٰ – والّذی قدّر فھدیٰ – (۸۷/۱-۳)

آپ تسبیح کیجئے اپنے عالی شان پروردگار کے نام کی۔ جس نے خلق کیا، پھر ٹھیک ٹھیک بنایا۔ اور جس نے انداز دیا پھر راہ بتلائی۔

مدتا	پیدا	نگردد	زیں	دو	بیت

تا نہ بینی از مقامِ ما رمیت
(ص۱۳۰/۶۰۲)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

فلم تقتلوهم ولكنّ الله قتلهم ج و ما رميت از رميت ولكنّ الله رمىٰ ج و ليبلى المؤمنين منه بلآءً حسناً ط انّ الله سميعٌ عليمٌ -(۸/۱۷)

سو ان (کافروں) کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا، اور آپ نے (ان پر) خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جب کہ آپ نے وہ پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی، تا کہ آزمائش کرے ایمان والوں کی اپنی طرف سے اچھی آزمائش، بیشک اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

ہر دو را ذوق ستم گردد فزوں
وردِ من یا لیت قومی یعلمون
(ص۱۴۴/۶۱۶)

يا ليت قومي يعلمون -(۳۶/۲۶)
کاش میری قوم کو خبر ہو
آیۂ قرآنی میں جس واقعہ کا ذکر ہے اقبال کے شعر میں اس کی طرف اشارہ مقصود نہیں ہے بلکہ شعر کا مفہوم صرف یالیت قومی یعلمون تک محدود ہے۔

چشمِ من صد عالمِ شش روزہ دید
تا حدِ ایں کائنات آمد پدید
(ص۱۵۱/۶۲۳)

عالم کا چھ روز میں پیدا ہونا متعدد آیات قرآنی میں آیا ہے مثلاً

و لقد خلقنا السّمٰوٰت والارض و ما بينهما فى ستّة ايّامٍ ق و ما مسّنا من لغوبٍ -(۵۰/۳۸)

اور ہم نے آسمانوں اور زمین، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب کو چھ دن میں پیدا کر دیا اور ہم کو تکان نے

چھوا تک نہیں۔

یا اولی الامرے کہ ، منکم ، شانِ اوست
آیۂ حق و حجت و برہانِ اوست
(ص ۱۶۴/۲۳۶)

یہاں پہلے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یآیّھا الّذین امنوٓا اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرّسول و اولی الامر منکم ج فان تنازعتم فی شیء فردّوہ الی اللّٰہ والرّسول ان کنتم تومنون باللّٰہ و الیوم الاخر ط ذٰلک خیرٌ و احسن تاویلاً ۔(۴/۵۹)

اے ایمان والا اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے اہل اختیار کی اطاعت کرو پھر اگر تم میں باہم اختلاف ہو جائے کسی چیز میں تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا لیا کرو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔یہی بہتر ہے انجام کے لحاظ سے بھی خوش تر ہے۔

قرب جاں با آنکہ گفت اِنّی قریب
از حیات جاوداں بردن نصیب
(ص ۱۸۹/۲۶۱)

دیکھیے صفحہ ۵۹، (قرآن ۲/۱۸۶)

آں بانکارِ وجود آمد عجولؔ
این عجولؔ و ہم ظلومؔ و ہم جہول!
(ص ۱۹۹/۲۷۱)

دیکھیے صفحہ ۴۴، (قرآن ۳۳/۷۲)

بالِ جبریل

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور ۱۹۹۰ء)

اے صبحِ ازل انکار کی جرأت ہوئی کیوں کر
مجھے معلوم کیا وہ رازداں تیرا ہے یا میرا
(ص ۲۲/۳۴۶)

اس شعر میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

و اذ قال ربّك للملٰئكة انّی خالقٌ بشراً مّن صلصالٍ مّن حماءٍ مّسنونٍ – فاذا سوّیته و نفخت فیه من رّوحی فقعوا له سجدین– فسجد الملٰئكة كلّهم اجمعون– الّا ابلیس ط ابیٰ ان یّكون مع السّجدین –(۱۵/۲۸–۳۱)

اور (یاد کرو وہ وقت) جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں پیدا کرنے والا ہوں بشر، لیسدار گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے۔ سو جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ چنانچہ سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا (ہاں) مگر ابلیس نے (نہ کیا) اس نے انکار کیا اس سے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو۔

❁

مٹا دیا مرے ساقی نے عالمِ من و تو
پلا کے مجھ کو مئے لا الٰہ الا ھو

(ص ۲۸/۳۵۲)

'لا الٰہ الا ھو' قرآن حکیم میں جن مقامات پر آیا ہے ان میں سے ایک آیت یہ ہے۔

والٰھكم الٰہ واحدٌ ج لآ الٰہ الّا ھو الرّحمٰن الرّحیم –(۲/۱۶۳)

اور تمہارا خدا ایک خدا ہے بجز اس کے کوئی خدا نہیں ہے بے انتہا رحم و کرم کرنے والا بار بار رحم کرنے والا۔

❁

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

(ص ۲۹/۳۵۳)

دیکھیے صفحہ ۱۷، (قرآن ۳۷/۱۰۲–۱۰۷)

❁

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر
شریکِ زمرۂ لا یحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں

مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

(ص ۸۸/۴۱۲)

یہاں پہلے شعر کے مصرع ثانی میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

الآ انّ اولیآء اللّٰہ لا خوفٌ علیہم ولا ہم یحزنون ۔(۱۰/۶۲)

سنو، سنو! اللہ کے دوستوں پر قطعاً نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

❁

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر

وہی قرآں ، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

(ص ۳۹/۳۶۳)

یٰسین قرآن عزیز کی ۳۶ ویں سورۃ کا نام ہے اور بعض مفسرین نے اس نام کو رسول کریم ﷺ کا لقب قرار دیا ہے۔

❁

ضمیر پاک و نگاہِ بلند و مستیِ شوق

نہ مال و دولتِ قاروں ، نہ فکرِ افلاطوں

(ص ۴۰/۳۶۴)

قارون کی دولت کا حال قرآن مجید ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

فخرج علیٰ قومہ فی زینتہ قال الّذین یریدون الحیٰوۃ الدّنیا یلیت لنا مثل مآ اوتی قارون انّہ لذو حظٍّ عظیمٍ – و قال الّذین اوتو العلم ویلکم ثواب اللّٰہ خیرٌ لّمن ء امن و عمل صالحاً و لا یلقّٰھآ الّا الصّٰبرون ۔(۲۸/۷۹-۸۰)

پھر وہ اپنے قوم والوں کے سامنے اپنے (تجمل و) آرائش کے ساتھ نکلا، جو لوگ دنیوی زندگی کے طالب تھے بولے کاش ہم کو بھی ویسا ہی (ساز و سامان) ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے بیشک وہ بڑا خوش نصیب ہے اور جن لوگوں کو (دین کی) فہم عطا ہوئی تھی وہ بولے تمہارے اوپر نیکی پڑے اللہ (کے ہاں) کا ثواب کہیں بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور وہ تو صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملتا ہے۔

❁

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر ، بادہ و جام سے گزر
(ص ۴۲/۳۶۶)

''حور و خیام'' قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

حورٌ مّقصوراتٌ فی الخیام ۔(۵۵/۷۲)

گورے رنگ والیاں خیموں میں محفوظ ہوں گی

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگِ 'لاتخف'
(ص ۴۹/۳۷۳)

اس شعر میں قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فلمّا قضیٰ موسی الاجل وسار باھلہ ءانس من جانب الطّور ناراً قال لاھلہ امکثوٓا انّی ءانست ناراً لّعلّیٓ ءاتیکم منھا بخبرٍ او جذوةٍ مّن النّار لعلّکم تصطلون۔ فلمّآ اتٰھا نودی من شاطیٔ الواد الایمن فی البقعة المبارکة من الشّجرة ان یٰموسیٰٓ انّیٓ انا اللّٰہ ربّ العلمین۔ و ان الق عصاك ط فلمّا رءاھا تھتزّ کانّھا جآنٌّ ولّیٰ مدبراً ولم یعقّب ط یٰموسیٰٓ اقبل و لا تخف انّك من الامنین۔(۲۸/۲۹-۳۱)

پھر جب موسیٰ اس مدت کو پورا کر چکے اور اپنے گھر والوں کو لے کر روانہ ہوئے تو انہوں نے طور کی طرف ایک آگ دیکھی اپنے گھر والوں سے بولے کہ تم (یہیں) ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں وہاں سے کچھ خبر لاؤں یا آگ کا (کوئی) انگارا ہی لیتا آؤں تا کہ تم سینک کر لو۔ سو جب وہ اس آگ کے پاس پہنچے تو انہیں آواز آئی اس میدان کے دائیں جانب سے اس مبارک مقام میں ایک درخت ہے کہ اے موسیٰ یہ تو میں ہوں اللہ پروردگار عالم۔ اور یہ بھی کہ تم اپنا عصا ڈال دو پھر جب انہوں نے اسے لہراتا ہوا دیکھا جیسا پتلا (تیز) سانپ تو وہ پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا، (حکم ہوا) اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت تم (ہر طرح) امن میں ہو۔

ارنی میں بھی کہہ رہا ہوں مگر
یہ حدیثِ کلیم و طور نہیں
(ص۵۲/۳۷۶)

دیکھیے صفحہ ۴۵، (قرآن ۷/۱۴۳)

تھا ارنی کو کلیم ، میں ارنی کو نہیں
اس کو تقاضا روا ، مجھ پہ تقاضا حرام
(ص۶۹/۳۹۰)

دیکھیے صفحہ ۴۵، (قرآن ۷/۱۴۳)

عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل
(ص۶۷/۳۹۱)

دیکھیے صفحہ ۵۳، (قرآن ۲۱/۶۸-۷۰)

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین ، ابتدا ہے اسماعیل
(ص۶۷/۳۹۱)

دیکھیے صفحہ ۱۷، (قرآن ۳۷/۱۰۲-۱۰۷)

دمِ عارف نسیمِ صبح دم ہے
اسی سے ریشہء معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر

شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

(ص ۸۹/۴۱۳)

حضرت موسٰی نے حضرت شعیب کے یہاں جو شبانی کی خدمت انجام دی ہے اس کا ذکر ان آیات میں ہے ،شبانی کے بعد کلیمی کے لیے وہ آیات ملاحظہ ہوں جو مثل کلیم ہو اگر الخ کے تحت درج کی گئیں (دیکھیے صفحہ ۷۲۔۷۳)

و لمّا توجّه تلقآء مدين قال عسىٰ ربّيٓ ان يهديني سوآء السّبيل – ولمّا ورد مآء مدين وجد عليه امّةً من النّاس يسقون و وجد من دونهم امراتين تذودان قال ما خطبكما ط قالتا لا نسقي حتّىٰ يصدر الرّعآء وابونا شيخٌ كبيرٌ – فسقىٰ لهما ثمّ تولّىٓ الى الظّلّ فقال ربّ انّي لمآ انزلت اليّ من خيرٍ فقيرٌ – فجآءته احدٰهما تمشي على استحيآءٍ قالت انّ ابي يدعوك ليجزيك اجر ما سقيت لنا ط فلمّآ جآءه وقصّ عليه القصص قال لاتخف نجوت من القوم الظّٰلمين – قالت احدٰهما يٰٓابت استاجره انّ خير من استاجرت القويّ الامين – قال انّي اريد ان انكحك احدى ابنتيّ هٰتين علىٓ ان تاجرني ثمٰني حجج فان اتممت عشراً فمن عندك و مآ اريد ان اشقّ عليك ط ستجدنيٓ ان شآء اللّٰه من الصّٰلحين – قال ذٰلك بيني و بينك ط ايّما الاجلين قضيت فلا عدوان عليّ ط واللّٰه علىٰ مانقول وكيلٌ –(۲۸/۲۲-۲۸)

اور جب (موسٰی) مدین کی طرف ہوئے تو بولے کہ امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھی راہ پر چلا دے اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو اس پر آدمیوں کا مجمع دیکھا پانی پلا تے اور ان لوگوں سے ایک طرف دو عورتیں دیکھیں کہ وہ (اپنے جانور) روکے کھڑی ہیں- پوچھا تمہارا کیا مقصود ہے؟ دونوں بولیں ہم پانی نہیں پلا تے جب تک (یہ) چرواہے (اپنے جانوروں کو) ہٹا کر نہیں لے جاتے اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں، پس (موسٰی نے) ان کے لیے پانی پلا دیا پھر ہٹ کر سایہ میں آ گئے اور عرض کی کہ اے میرے پروردگار تو جو نعمت بھی مجھے دے دے میں اس کا حاجت مند ہوں پھر ان دو میں سے ایک لڑکی موسٰی کے پاس آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تا کہ تم کو اس کا صلہ دیں جو تم نے ہماری خاطر پانی پلا دیا تھا پھر جب ان کے پاس پہنچے اور ان سے حالات بیان کیے تو انہوں نے کہا خوف مت کرو (اب) تم ظالموں سے بچ آئے (پھر) ان دو میں سے ایک لڑکی بولی اے ابا ان کو نوکر رکھ لیجیے کیونکہ اچھا نوکر وہی ہے جو قوت دار ہو، امانت دار ہو، وہ بولے میں چاہتا

ہوں کہ میں اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک تمہارے نکاح میں دے دوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو اور اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے اور میں تم پر کوئی سختی نہیں چاہتا تم انشاء اللہ مجھ کو خوش معاملہ پاؤ گے (موسیٰ نے) کہا تو یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہو گئی میں ان دونوں میں سے جو مدت بھی پوری کر دوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہو گا اور ہم جو کچھ کہہ (سن) رہے ہیں اللہ اس کا گواہ ہے۔

آہ وہ مردانِ حق! وہ عربی شہسوار
حاملِ خلقِ عظیم، صاحبِ صدق و یقین
(ص ۱۰۷/۴۲۵)

خلقِ عظیم کی ترکیب قرآن عزیز کی اس آیت سے ماخوذ ہے جس میں حق تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کے اخلاق کی تعریف فرمائی ہے۔

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ -(۶۸/۴)

اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں۔

دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے
وہ بجلی کہ تھی نعرۂ "لاتذر" میں
(ص ۱۰۸/۴۳۲)

دیکھیے صفحہ ۶۱، (قرآن ۷۱/۲۶)

یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا
بشیری ہے آئینہ دارِ نذیری
(ص ۱۲۲/۴۴۶)

بشیر و نذیر رسول کریم کے القاب ہیں جو قرآن مجید میں وارد ہیں۔ مثلاً

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَّ نَذِيرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ -(۳۴/۲۸)

اور ہم نے آپ کو سارے انسانوں کے لیے (پیغمبر بنا کر) بھیجا ہے بطور خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے

والے کے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

جس کی نومیدی سے ہو سوز درون کائنات
اس کے حق میں تقنطوا اچھا ہے یا لاتقنطوا؟
(ص ۴۷۴/۱۵۰)

دیکھیے صفحہ ۲۴، (قرآن ۵۳/۳۹)

خضر بھی بے دست و پا، الیاس بھی بے دست وپا
میرے طوفاں یم بہ یم، دریا بہ دریا، جو بہ جو
(ص ۴۷۴/۱۵۰)

حضرت الیاس کا ذکر قرآن کریم میں دو جگہ آیا ہے - سورۂ انعام میں اورسورۂ والصّافات میں۔سورۂ والصّافات میں ان کا ذکر یوں ہے۔

و انّ الیاس لمن المرسلین ۔(۱۲۳/۳۷)

اور الیاس بھی پیمبروں میں سے تھے۔

مسافر

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

از مقامِ ذوق و شوق آگاه شو
ذرّہ ای، صیّاد مہر و ماہ شو!
(ص ۵۵/۷۳۱)

دیکھیے صفحہ ۵۸، (قرآن ۴۵/۱۳)

❁

خرقۂ آں "برزخ لَا یبغیان"
دیدمش در نکتۂ "لی خرقان"
(ص ۶۷/۷۴۳)

"برزخ لا یبغیان" کی ترکیب قرآن عزیز کی ان آیات سے ماخوذ ہے۔

مرج البحرین یلتقیٰن – بینهما برزخٌ لا یبغیٰن۔(۵۵/۱۹–۲۰)

اسی نے دو دریاؤں کو ملایا کہ باہم ملے ہوئے بھی ہیں (اور) دونوں کے درمیان ایک حجاب (بھی) ہے کہ دونوں (آگے) بڑھ نہیں سکتے۔

❁

آشکارا دیدنش اسرائے ماست
در ضمیرش مسجد اقصائے ماست
(ص ۶۷/۷۴۳)

دیکھیے صفحہ ۱۹، (قرآن ۱۷/۱)

❁

می دہد ما را پیام لا تخف
می رساند بر مقام لا تخف
(ص ۷۴/۷۵۰)

دیکھیے صفحہ ۲۶، (قرآن ۲۰/۶۷–۶۸)

گوہرِ دریائے قرآں سفتہ ام
شرحِ رمزِ صبغۃ اللہ گفتہ ام

(ص۴۷/۵۰۷)

دیکھیے صفحہ ۲۱، (قرآن ۲/۱۳۸)

معنی جبریل و قرآں است او
فطرۃ اللہ را نگہباں است او
(ص ۹/۶۸۵)

''فطرۃ اللہ'' یہ ترکیب قرآن مجید کی حسب ذیل آیت سے ماخوذ ہے-

فاقم و جھک للدین حنیفاً ط فطرت اللہ التی فطر النّاس علیھا ط لا تبدیل لخلق اللہ ط ذٰلک الدین القیم و لٰکن اکثر النّاس لا یعلمو ن-(۳۰/۳۰)

تو تم یکسو ہو کر دین (حق) کی طرف اپنا رخ رکھو، اللہ کی اس فطرت کی اتباع کرو جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں، یہی ہے سیدھا دین لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کا بھی) علم نہیں رکھتے-

❁

درس لاخوف علیھم می دہد
تا دلے در سینۂ آدم نہد
(ص ۱۰/۶۸۶)

دیکھیے صفحہ ۲۶، (قرآن ۲/۱۱۲)

❁

مرد حر محکم ز ورد لاتخف
ما بمیداں سر بجیب، او سر بکف
(ص ۲۲/۶۹۸)

دیکھیے صفحہ ۲۶، (قرآن ۲۰/۶۷-۶۸)

❁

از شریعت احسن التقویم شو
وارثِ ایمانِ ابراہیم شو

(ص۲۶/۲۰۲)

یہاں مصرع اولیٰ میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔(۹۵/۴)

کہ ہم نے انسان کو بہترین انداز کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

❁

علم و حکمت ریزۂ از خوانِ کیست؟
آیۂ فاصبحتم اندر شانِ کیست؟

(ص۳۳/۲۰۹)

دیکھیے صفحہ ۳۶، (قرآن ۳/۱۰۳)

❁

سطوت بانگ صلوٰت اندر نبرد
قرأت الصّافّات اندر نبرد

(ص۳۴/۲۱۰)

الصّافّات قرآن حکیم کی ۳۷ویں سورۃ کا نام ہے جس کا آغاز اس آیت سے ہوتا ہے۔

والصّآفّات صفاً۔(۳۷/۱)

قسم ہے صف باندھ کھڑے ہونے والے (فرشتوں) کی۔

❁

ہر کہ آیاتِ خدا بیند حُر است
اصلِ ایں حکمت ز حکمِ انظر است

(ص۳۸/۲۱۴)

دیکھیے صفحہ ۳۷، (قرآن ۶/۴۶)

❁

ضربِ کلیم

(کلیاتِ اقبال، اردو ۱۹۹۰)

ہزار چشمہ ترے سنگِ راہ سے پھوٹے
خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر
(ص ۳/۵۰۳)

اس شعر میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

و اذ استسقیٰ موسیٰ لقومہ فقلنا اضرب بعصاک الحجر ط فانفجرت منہ اثنتا عشرۃ عیناً ط قد علم کلّ اناسٍ مشربہم ط کلو و اشربوا من رّزق اللہ و لا تعثوا فی الارض مفسدین۔ (۲/۶۰)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی کی دعا مانگی سو ہم نے کہا (اے موسیٰ) اپنا عصا (فلاں) پتھر پر مارو، تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، (اور) ہر گروہ نے اپنا (اپنا) گھاٹ معلوم کرلیا، کھاؤ پیو اللہ کے (دیئے ہوئے) رزق میں سے اور زمین پر فسادی بن کر مت پھرو۔

❁

تو معنیِ والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا مد و جزر ابھی چاند کا محتاج
(ص ۲۹/۵۲۹)

یہاں قرآن مجید کی ۵۳ ویں سورہ والنجم کی طرف اشارہ ہے۔

❁

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام
وہ جس کی شان میں آیا ہے علّم الاسما
(ص ۳۵/۵۳۵)

دیکھیے صفحہ۱۹، (قرآن ۲/ ۳۱-۳۲)

❁

میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے
قل ھو اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام
(ص ۳۷/ ۵۳۷)

دیکھیے صفحہ۳۲، (قرآن ۱۱۲/ ۱)

❁

آہ اے مرد مسلماں تجھے کیا یاد نہیں
حرف لا تدع مع اللہ الٰھًا آخر!
(ص ۶۹/ ۵۶۹)

دیکھیے صفحہ۶۴، (قرآن ۲۸/ ۸۸)

❁

فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمٰن
(ص ۷۴/ ۵۷۴)

''رحمٰن'' قرآن مجید کی ۵۵ ویں سورۃ کا نام ہے- یہ سورۃ ربط آیات اور سجع فواصل کے لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور شاید اسی وجہ سے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ہر چیز کی ایک زینت ہوتی ہے اور سورۂ رحمٰن قرآن کی زینت ہے-

❁

یہی ہے سرِّ کلیمی ہر اک زمانے میں
ہوائے دشت و شعیب و شبانی و شب و روز
(ص ۸۹/ ۵۸۹)

دیکھیے صفحہ۷۴-۷۵، (قرآن ۲۸/ ۲۲-۲۸)

❁

فروغ مغربیاں خیرہ کر رہا ہے تجھے
تری نظر کا نگہباں ہو صاحب ما زاغ
(ص ۹۸/۵۹۸)

دیکھیے صفحہ ۳۹، (قرآن ۵۳/۱۷)

۞

جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار
(ص ۱۴۸/۶۴۸)

دیکھیے صفحہ ۶۵، (قرآن ۲/۲۱۹)

۞

رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا
اتر گیا جو ترے دل میں لاشریک لہ
(ص ۱۷۵/۶۷۵)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

قل انّ صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للّٰہ ربّ العٰلمین- لا شریک له و بذٰلك امرت و انا اوّل المسلمین-(۶/۱۶۲-۱۶۳)

آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری (ساری) عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت (سب) جہانوں کے پروردگار اللہ ہی کے لیے ہیں- (کوئی) اس کا شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں مسلموں میں سب سے پہلا ہوں-

۞

افغان باقی! کہسار باقی!
الحکم للہ! الملک للہ!
(ص ۱۷۷/۶۷۰)

الحکم للہ اور الملک للہ قرآن مجید کی ان آیات سے ماخوذ ہیں-

ان الحکم الّا للّٰہ ط (۱۲/۴۰)

حکم (اور حکومت) صرف اللہ ہی کا حق ہے۔

یسبّح للّٰہ ما فی السّمٰوٰت و ما فی الارض ج لہ الملک و لہ الحمد ج و ھو علیٰ کلّ شیءٍ قدیرٌ۔ (۶۴/۱)

اللہ ہی کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کچھ کہ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہیں اس کی حکومت ہے اور اس کی (ہر) تعریف ہے اور وہی ہر شے پر قادر ہے۔

❁

لا دینی و لا طینی! کس پیچ میں الجھا تو!
دارو ہے ضعیفوں کا لا غالب الا ھو
(ص ۶۸۴/۱۸۴)

"لا غالب الا ھو" قرآن حکیم کی اس آیت کے ٹکڑے سے ماخوذ ہے۔

و اللّٰہ غالبٌ علیٰ امرہ و لٰکنّ اکثر النّاس لا یعلمون۔ (۱۲/۲۱)

اور اللہ اپنے (ہر) کام پر غالب ہے لیکن اکثر انسان (اتنا بھی) نہیں جانتے۔

❁

ارمغانِ حجاز

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

دریں وادی زمانی جاودانی
ز خاکِ بے صور روید معانی!
حکیماں با کلیماں دوش بر دوش
کہ ایں جا کس نگوید "لن ترانی"

(ص ۳۵/۸۴۷)

دیکھیے صفحہ ۴۵، (قرآن ۷/۱۴۳)

حق آں دہ کہ مسکین و اسیر است
فقیر و غیرت او دیر میر است
بروے او در میخانہ بستند
دریں کشور مسلماں تشنہ میر است

(ص ۳۷/۸۴۹)

دیکھیے صفحہ ۳۸، (قرآن ۶ ۷/۸)

بیا ساقی نقاب از رخ بر افگن
چکید از چشمِ من خونِ دل من
بہ آں لحنے کہ نے شرقی ، نہ غربی است
نوائے از مقامِ لاتخف زن

(ص ۶۰/۸۱۲)

دیکھیے صفحہ ۲۶، (قرآن ۲۰/۶۷-۶۸)

میانِ امتاں والا مقام است
کہ آں امت دو گیتی را امام است
نیاساید ز کارِ آفرینش
کہ خوابُ و خستگیُ بر وے حرام است

(ص ۶۳/ ۸۱۵)

یہاں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف ''خواب'' کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے۔''خستگی'' کے لیے دیکھیے صفحہ ۶۸، (قرآن ۳۸/۵۰)

اللہ لآالٰہ الّا ھو ج الحیّ القیّوم ج لا تاخذہ سنۃٌ ولا نومٌ ط لہ ما فی السّمٰوٰت و ما فی الارض ط من ذا الّذی یشفع عندہ الّا باذنہ ط یعلم ما بین ایدیھم و ما خلفھم ولا یحیطون بشیءٍ من علمہ الّا بما شآء ج وسع کرسیّہ السّمٰوٰت والارض ج ولا یؤدہ حفظھما ج و ھو العلیّ العظیم۔(۲/ ۲۵۵)

اللہ (وہ ہے کہ) کوئی معبود اس کے سوا نہیں وہ زندہ ہے سب کا سنبھالنے والا اسے نہ اونگھ آ سکتی ہے نہ نیند۔ اس کی مِلک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔کون ایسا ہے جو اس کے سامنے بغیر اس کی اجازت کے سفارش کر سکے۔وہ جانتا ہے جو کچھ مخلوقات کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے ان سب کو اور وہ اس کے معلومات میں سے کسی چیز کو بھی گھیر نہیں سکتے۔سوائے اس کے کہ جتنا وہ خود چاہے اس کی کرسی نے سما رکھا ہے آسمانوں اور زمین کو اور اس پر ان کی نگرانی ذرا بھی گراں نہیں اور وہ عالی شان ہے اور عظیم الشان ہے۔

بجامِ نو کہن مے از سبو ریز
فروغِ خویش را بر کاخ و کو ریز
اگر خواہی ثمر از شاخِ منصور
بہ دل لا غالب الا اللہ فرو ریز

(ص ۶۳/ ۸۱۵)

دیکھیے صفحہ ۸۴، (قرآن ۲۱/۱۲)

بہ بندِ صوفی و ملا اسیری
حیات از حکمتِ قرآں نگیری
بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یٰسینِ او آساں بمیری
(ص ۶۴/۸۱۶)

یہاں سورہ یٰسین کی طرف اشارہ ہے۔

نہیں ہے اس زمانے کی تگ و تاز
سزاوارِ حدیثِ لن ترانی
(ص ۲۴/۱۶، کلیات، اردو)

دیکھیے صفحہ ۴۵، (قرآن ۷/۱۴۳)

جہاں کی روحِ رواں لا الہ الا ھو
مسیح و میخ و چلیپا یہ ماجرا کیا ہے؟
(ص ۳۲/۲۴، کلیات، اردو)

دیکھیے صفحہ ۷۰، (قرآن ۲/۱۶۳)

باقیاتِ اقبال

(طبعِ اول ۱۹۵۲ء)

ما عرفنا نے چھپا رکھی ہے عظمت تیری
قاب قوسین سے کھلتی ہے حقیقت تیری

(ص ۳۰)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فکان قاب قوسین او ادنیٰ ۔(۹/۵۳)

سو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم۔

طور پر چشمِ کلیم اللہ کا تارا ہے تو
معنی یاسیں ہے تو ، مفہومِ اَو اَدْنیٰ ہے تو

(ص ۵۱)

دیکھیے حوالہ سابقہ۔

ابتدا میں شرح رمز آیۂ لا تقربا
کس قدر مشکل تھا پہلا امتحانِ اہل درد

(ص ۹۹)

دیکھیے صفحہ ۴۵، (قرآن ۲/۳۵-۳۶)

تلمیحاتِ حدیث

اسرارِ خودی

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

من چہ گویم از تولّا یش کہ چیست
خشک چوبے در فراق او گریست
(ص ۲۴/۴۰)

اس شعر کے مصرع ثانی میں مندرجہ ذیل حدیث کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

عن جابر قال كان النبی صلی الله عليه وسلم اذا خطب استند الی جذع نخلة من سواری المسجد فلما صنع له المنبر فاستوی عليه صاحت النخلة كان يخطب عندها حتىٰ كادت ان تنشق فنزل النبی صلی الله عليه وسلم حتىٰ اخذها فضمها اليه فجعلت تان انين الصبی الذی يسكت حتىٰ استقرت قال بكت علىٰ ما كانت تسمع من الذكر – (مشکوٰۃ ص ۵۳۶ مطبع مجتبائی، دہلی)

حضرت جابر کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے وقت مسجد کے ستونوں میں سے کھجور کے ایک تنے سے ٹیک لگالیا کرتے تھے۔لیکن جب آپ کے لیے منبر تیار کر دیا گیا تو اس پر خطبہ دینا شروع کر دیا۔ اب وہ کھجور کا تنا چلّایا اور اتنا چلّایا کہ پھٹنے کے قریب ہوگیا۔ یہ حال دیکھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر سے اتر کر اس تنے کو اپنے سینے سے لگالیا تو وہ اس طرح رویا جیسے بچہ روتا ہے جبکہ اسے چپ کرایا جاتا ہے، بالآخر وہ چپ ہوا۔

خود فرود آ از شتر، مثلِ عمر
الحذر از منّتِ غیر، الحذر
(ص ۲۶/۴۲)

اس شعر میں حضرت عمر کی طرف جس واقعہ کو منسوب کیا گیا ہے، کتب احادیث میں اس کی نسبت دوسرے حضرات کی طرف کی گئی ہے، یہ واقعہ حضرت عمر کا معلوم نہیں ہوتا۔

قال فکان ثوبان یضیع سوطه و هو راکب فلا یقول لاحدنا ولنیه حتی ینزل فیا خذه۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۳۳)

حضرت ثوبان سے سواری کی حالت میں جب کوڑا گر جاتا تو کسی سے اٹھانے کے لیے نہیں کہتے تھے بلکہ خود اتر کر اٹھا لیتے۔

عن ابی ذر قال دعانی رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو یشترط علی الاتسئل الناس شیا قلت نعم قال و لا سوطك ان سقط منك حتیٰ تنزل الیه فتاخذ۔ (مشکوۃ صفحہ ۱۶۴ مطبع مجتبائی)

حضرت ابوذر کا بیان ہے کہ رسول کریم صلعم نے مجھ کو بلایا اور مجھ سے شرط کی کہ میں کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کروں۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارا کوڑا گر جائے وہ بھی کسی سے نہ مانگو بلکہ خود اتر کر اٹھا لو۔

فلقد کان بعض اولئك النضر یسقط سوطه فما یسئل احدا ان یناوله ایاه۔ (ابوداؤد مع عون المعبود، مطبع انصاری دہلی ۱۳۱۸ھ)

روایت ہے کہ بعض صحابہ ایسے تھے جن کا اگر کوڑا گر جاتا تو وہ بھی کسی سے مانگا نہیں کرتے تھے۔

مذکورہ بالا دو روایتوں میں تو نام کی تصریح ہے۔ اول میں حضرت ثوبان کے ساتھ واقعہ کی صورت میں اور ثانی میں حضرت ابوذر غفاری کو رسول اکرم صلعم نے تاکیدی حکم فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کو بھی ایسے اتفاقات ضرور پیش آتے ہوں گے جن میں انہوں نے اپنے محبوب کے ارشاد کی تعمیل کی ہوگی۔ تیسری روایت ابی داؤد کی ہے جس میں متعدد اصحاب کا رسول اکرم صلعم کی خدمت اقدس میں اس عہد کے وقت حاضر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ ان میں حضرت عمر بھی ہوں، اگرچہ نام کی تصریح نہیں مل سکی۔

آنکہ خاشاکِ بتاں از کعبہ رفت
مردِ کاسب را حبیب اللہ گفت
(ص ۴۳/۲)

الکاسب حبیب اللہ مشہور حدیث ہی کی طرح ہے- اگر چہ یہ احادیث کے کسی مستند و معتبر مجموعہ میں نہیں ملی-
نیز الکاسب حبیب اللہ ایک قول مشہور ہے- اقبال نے جو حاشیہ میں اس کو حدیث لکھا ہے وہ صحیح نہیں-

❁

پنجۂ او پنجۂ حق می شود
ماہ از انگشتِ او شق می شود

(ص ۴۴/۲۸)

اس شعر کے پہلے مصرع میں حدیث قرب نوافل اور دوسرے مصرع میں معجزہ شق القمر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احبه فانا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصربه ویده التی یبطش بها -(مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۷ مطبع مجتبائی)

بندہ نوافل کے ذریعہ سے مجھ سے قرب حاصل کرنے کے لیے مسلسل کوشش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے-

عن ابی مسعود بینا نحن مع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بمنٰی اذ انفلق القمر فلقتین فلقة وراء الجبل و فلقة دونه فقال لنا صلی اللّٰه علیه وسلم اشهدوا (جمع الفوائد ج ۲ صفحہ ۲۰۰ طبع میرٹھ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ہم رسول کریم کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ (کفار مکہ کے معجزہ طلب کرنے پر آپ کی انگلی کے اشارے سے) چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے (جن میں سے) ایک ٹکڑا پہاڑ کے پیچھے چلا گیا اور دوسرا (پہاڑ کے) اس طرف رہ گیا تب آپ نے ہماری طرف مخاطب ہو کر فرمایا گواہ رہو-

❁

ہر کہ در آفاق گردد بو تراب
باز گرداند زِ مغرب آفتاب

(ص ۶۳/۴۷)

یہاں اشارہ رجعتِ خورشید کے معجزہ کی طرف کیا گیا ہے-

عن اسما بنت عميس و عن ابی هریرہ رضی اللّٰہ تعالیٰ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یوحی الیہ و رأسہ فی حجر علی و ہو لم یصلی العصر حتیٰ غابت الشمس فقال لہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اصلیت یا علی قال لا فقال رسول اللّٰہ علیہ وسلم انہ کان فی طاعتك و طاعة رسولك فاردد علیہ الشمس قالت فرایتہا غربت ثم رایتہا طلعت بعد ما غربت و وقعت علی الجبل و ذلك فی الصبائی خیبر -(مولانا عبید اللّٰہ بسمل امرتسری ارجح المطالب صفحہ ۶۹۵ – ۶۹۷)

اسما بنت عمیس سے اور حضرت ابوہریرہؓ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ پر ایک دفعہ وحی نازل ہوئی اور رسول کریم ﷺ اپنا سر حضرت علیؓ کی گود میں رکھ کر لیٹ گئے -حضرت علیؓ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ آفتاب غروب ہوگیا - رسول کریم ﷺ نے ان سے پوچھا یا علی تم نے نماز پڑھی ہے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ نہیں پڑھی ۔ رسول کریم ﷺ نے جناب الٰہی میں دعا کی کہ اے میرے پروردگار یہ تیری اور تیرے رسول ﷺ کی فرمانبرداری میں مصروف تھا اس لیے آفتاب کو لوٹا دے (اسما بنت عمیس روایت کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ) آفتاب غروب ہو چکا ہے اور غروب ہونے کے بعد پھر پہاڑ پر کھڑا ہو گیا اور یہ امر صبائے خیبر میں واقع ہوا-

اس روایت کی موافقت ومخالفت میں محدثین نے بہت کچھ لکھا ہے اور اکثر نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے-

زیر	پاش	اینجا	شکوہ	خیبر	است
دستِ	او	آنجا	قسیم	کوثر	است

(ص ۴۷/۶۳)

اس شعر میں اشارہ اس روایت کی طرف ہے کہ حضرت علی رسول کریم صلعم کے حکم سے مسلمانوں کو آب کوثر پلائیں گے-

عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی علی خمسة امور -----و اما الثالثة فواقف علی عقر حوضی یسقی من عرف من امتی -(ارجح المطالب صفحہ ۵۷)

حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فرماتے تھے کہ علی میں پانچ خصوصیتیں ہیں (ان

میں سے) تیسری یہ کہ وہ میرے حوض (کوثر) کے کنارے کھڑے ہوں گے اور جس کو میری امت میں سے پہچانتے ہوں گے اسے (آب کوثر) پلائیں گے۔

❁

ذات	او	دروازۂ	شہر علوم
زیر	فرمانش	حجاز و	چین و روم

(ص ۴۸/۶۴)

اس شعر کے پہلے مصرع میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جہاں رسول کریم نے حضرت علی کو علم کا دروازہ کہا ہے۔

انا مدینۃ العلم و علی بابھا (جمع الفوائد ج ۲ صفحہ ۲۱۲ طبع میرٹھ)

میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

❁

خاک	گشتن	مذہب	پروانگی است
خاک را	اب شو	کہ ایں	مردانگی است

(ص ۴۸/۶۴)

یہاں حضرت علی کی کنیت (ابوتراب) کی طرف تلمیح کی گئی ہے۔

عن سھل ابن سعد قال دخل علی علی فاطمۃ ثم خرج فاضطجع فی المسجد فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم این ابن عمک قالت فی المسجد فخرج الیہ فوجد ردائہ قد سقط عن ظھرہ خلص التراب الی ظھرہ فجعل یمسح عن ظھرہ فیقول اجلس یا اباتراب مرتین ۔ (بخاری ج ۱ صفحہ ۲۵ مجتبائی)

حضرت سہل ابن سعد سے روایت ہے کہ حضرت علی ایک مرتبہ حضرت فاطمہ کے پاس آئے اور پھر (کسی بات پر خفا ہو کر) مسجد نبوی میں جا لیٹے رسول کریم ﷺ تشریف لائے تو حضرت فاطمہ سے ان کی نسبت پوچھا۔ عرض کیا مسجد میں ہیں۔ آپ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ چادر حضرت علیؓ کے شانے سے ہٹی ہوئی ہے اور کمر مٹی میں لتھڑی ہوئی ہے آپ کمر کی مٹی صاف کرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے اے ابوتراب (یعنی خاک آلودہ) اٹھ بیٹھو۔ دو مرتبہ ایسے ہی فرمایا۔

تا کجا در روز و شب باشی اسیر
رمز وقت از لی مع اللہ یاد گیر
(ص۶۹/۸۵)

"لی مع اللہ" یہ حدیث کی حیثیت سے مشہور ہے لیکن ملا علی قاری نے اس کو قول صوفیہ قرار دیا ہے۔

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ نبی مرسل و لا ملك مقرب ۔ (ملا علی قاری۔ موضوعات کبیر صفحہ ۶۰ مجتبائی اور عبد الرحمٰن سخاوی۔ المقاصد الحسنہ صفحہ ۷ا مطبع لکھنؤ)

(رسول کریم نے ارشاد فرمایا کہ) بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مجھے ایسا روحانی قرب حاصل ہوتا ہے کہ اس (خلوت) میں نہ کوئی نبی مرسل بار پا سکتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ۔

زندگی از دہر و دہر از زندگی است
لا تسبو الدہر فرمانِ نبی است
(ص۷۰/۸۶)

روایت کے الفاظ حسب ذیل ہیں جن کی طرف شعر میں تلمیح کی گئی ہے۔

عن ابی ہریرہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لا تسبو الدھر فان اللّٰہ ھو الدھر ۔ (مسلم ج ۲ صفحہ ۲۳۷ علیمی)

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم زمانے کو برا مت کہا کرو کیونکہ اللہ (مالک) زمانہ ہیں (یعنی زمانے کی برائی بھلائی کا مطلب خدا کی برائی بھلائی ہوگی)

رموزِ بیخودی

(کلیاتِ اقبال فارسی، ۱۹۹۰ء)

حرز جاں کن گفتۂ خیر البشر
ہست شیطاں از جماعت دور تر

(ص ۸۳/۹۹)

اس شعر میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس میں جماعت کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

عن ابی ذر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من فارق الجماعۃ شبرا فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ۔ (مظاہر حق ترجمہ، مشکوٰۃ ج ا صفحہ ۸۳ مطبوعہ نول کشور)

حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر جدا ہوا اس نے اسلام کا پٹا اپنی گردن سے نکالا۔

لا نبی بعدی ز احسان خداست
پردۂ ناموسِ دینِ مصطفےٰ است

(ص ۹۸/۱۱۴)

اس شعر میں اس روایت کی طرف اشارہ ہے۔

عن سعد بن ابی وقاص قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لعلی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی الا انہ لا نبی بعدی۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۳)

حضرت سعد سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ کے لیے حارون تھے۔ الا یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے (یعنی صرف نبی اور غیر نبی کا فرق ہے)

بہر آں شہزادۂ خیر الملل
دوشِ ختم المرسلیں نعم الجمل

(ص ۱۰۵/۱۲۱)

اس شعر میں جس روایت کی طرف اشارہ ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

عن جابر قال دخلت علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم والحسن و الحسین علی ظھرہ و ھو یقول نعم الجمل جملکما و نعم العدلان انتما۔ (کنز العمال ج ۷ صفحہ ۱۰۸، مصری)

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایسی حالت میں حاضر ہوا کہ حضرات حسنین آپ کے کاندھوں پر سوار تھے اور آپ فرما رہے تھے کہ تمہاری سواری بھی بہترین ہے اور تم سوار بھی بہترین ہو۔

گفت با امت ز دنیائے شما
دوستدارم طاعت و طیب و نسا

(ص ۱۰۷/۱۲۳)

یہاں اشارہ اس حدیث کی طرف کیا گیا ہے۔

حبب الی دنیاکم النساء و الطیب و جعلت قرۃ عینی فی الصلاۃ۔ (ملا علی قاری ۔المصنوع فی احادیث الموضوع صفحہ ۱ مطبع محمدی لاہور)

مجھے دنیا کی دو چیزیں محبوب ہیں عورت اور خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔

جلوۂ او قدسیاں را سینہ سوز

بود اندر آب و گِل آدم ہنوز

(ص ۱۲۳/۱۰۷)

اس شعر میں اشارہ اس روایت کی طرف کیا گیا ہے۔

کنت نبیاً و آدم بین الماء و الطین ۔

روایت اگر چہ کنت نبیاً و آدم بین الماء و الطین کے ساتھ مشہور اور زبان زد ہے مگر حافظ سخاوی کا بیان ہے کہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ کسی حدیث کی کتاب میں نہیں مل سکی بلکہ حافظ جلال الدین سیوطی نے تو صاف طور پر اس کا رد فرمادیا ہے تاہم مضمون اس حدیث کا بالکل صحیح ہے۔ چنانچہ ترمذی، مشکوۃ خصائص کبریٰ اور کنز العمال وغیرہ میں حدیث قریب قریب ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قالوا یا رسول اللّٰہ متٰی و جبت لک النبوۃ قال و آدم بین الروح و الجسد ۔ (مشکوۃ ج ۲ صفحہ ۵۳ ، ترمذی ج ۲ صفحہ ۲۰۷ مجیدی، کنز العمال ج ۲ صفحہ ۱۲ مصری اور خصائص کبریٰ ج ۱ صفحہ ۱)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو نبوت کب عطا ہوئی تھی فرمایا اس وقت جب کہ حضرت آدم روح وجسد کی درمیانی حالت میں تھے (یعنی ان کی تخلیق بھی نہیں ہوئی تھی)۔

❁

تا ز بخششہائے آں سلطانِ دیں

مسجدِ ما شد ہمہ روئے زمیں

(ص ۱۲۴/۱۰۸)

مصرع ثانی میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

جعلت لی الارض مسجد و طھورا ۔ (بلوغ المرام صفحہ ۱۰۵ مجتبائی)

میرے لیے تمام روئے زمین مسجد بنادی گئی ہے اور پاکیزہ ٹھہرادی گئی ہے۔

❁

نوعِ انساں را پیامِ آخریں

حاملِ او رحمۃ للعالمیں

(ص ۱۳۱/۱۱۵)

اس شعر کے مصرع اولیٰ کی تائید حسب ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

ختم بی النبیون ۔(مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۲)

میں آخری نبی ہوں۔

فطرتِ مسلم سراپا شفقت است
در جہاں دست و زبانش رحمت است
(ص ۱۲۴/۱۴۰)

اس شعر کا مضمون ذیل کی حدیث سے لیا گیا ہے۔

عن عبداللّٰہ بن عمر عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ ۔(بخاری ج ۱ صفحہ ۶ طبع دہلی اصح المطابع)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول کریم ﷺ نے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہے۔

آنکہ مہتاب از سر انگشتش دو نیم
رحمتِ او عام و اخلاقش عظیم
(ص ۱۲۴/۱۴۰)

دیکھیے صفحہ ۹۰۔۹۱

بر سرِ ایں باطلِ حق پیرہن
تیغِ لا موجود الا ھو بزن
(ص ۱۳۳/۱۴۹)

"لا موجود الا ھو" یہ بعض صوفیہ کا مقولہ ہے لیکن حدیث نہیں ہے۔

حرفِ حق از حضرتِ ما بردہ

پس چرا با دیگراں نسپردۂ
(ص ۱۴۹/۱۳۳)

یہ شعر مندرجہ ذیل حدیث سے ماخوذ ہے۔

بلغوا عنی ولو آیۃ ۔(مشکوٰۃ صفحہ ۳۲)

میری طرف سے (لوگوں تک) پہنچا دو خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔

کارواں را رہگذار است ایں جہاں
نقدِ مومن را عیار است ایں جہاں
(ص ۱۵۱/۱۳۵)

اس شعر کے مصرع اولیٰ کا مضمون ذیل کی حدیث سے ماخوذ ہے۔

عن عبداللہ بن عمر قال اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمنکبی فقال کن فی الدنیا کانک رحیل او عابر سبیل ۔(بخاری ج ۲ صفحہ ۹۴۹ طبع دہلی اصح المطابع)

حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا کہ دنیا میں مسافر یا رہرو کی طرح زندگی بسر کرو۔

آنکہ نازد بر وجودش کائنات
ذکرِ او فرمود با طیب و صلوٰۃ
(ص ۱۵۷/۱۴۱)

دیکھیے صفحہ ۹۲۔

گفت آں مقصودِ حرفِ کن فکاں
زیرِ پائے امہات آمد جناں
(ص ۱۵۷/۱۴۱)

اس شعر میں اس حدیث کی طرف تلمیح کی گئی ہے۔

رواہ احمد و النسائی و البیہقی فی شعب الایمان عن معاویۃ بن جاھمۃ ان جاھمۃ رضی اللّٰہ عنہ جاء الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللّٰہ اردت ان اغزو وقد استشیرک فقال ھل لک من ام قال نعم قال فالزمھا فان الجنۃ عند او تحت رجلیھا ۔ (فتح الباری ج ۶ صفحہ ۳۶۵ حافظ عبد الرحمٰن سخاوی ۔ المقاصد الحسنہ صفحہ ۸۴ طبع لکھنؤ، الجامع الصغیر للسیوطی صفحہ ۱۴۵ طبع مصر)

حضرت جاہمہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میرا ارادہ شرکت جہاد کا ہے میں آپ سے مشورہ چاہتا ہوں آپ نے دریافت فرمایا تمہاری والدہ زندہ ہیں عرض کیا جی ہاں فرمایا انہی کی خدمت کرو ان کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔

۞

آں امن الناس بر مولائے ما
آں کلیمِ اول سینائے ما

(ص ۱۶۲/۱۴۶)

اس شعر میں حضرت ابوبکر صدیق کے فضائل میں جو روایت ہے اس کی طرف اشارہ ہے۔

ان من امن الناس علی فی صحبتہ ابو بکر و لو کنت متخذا خلیلا لا تخذت ابا بکر خلیلا ۔ (مشکوۃ ج ۴ صفحہ ۵۵)

(رسول کریم ﷺ نے) فرمایا کہ لوگو جان و مال کے اعتبار سے سب سے زیادہ احسان مجھ پر ابوبکر نے کیا ہے ۔ اگر (اللہ کے علاوہ) میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو انہیں کو بناتا ۔

گویا ع بعد از خدا خلیل توئی قصہ مختصر

۞

پیامِ مشرق

(کلیاتِ اقبال فارسی، ۱۹۹۰ء)

سروری در دینِ ما خدمت گری ست
عدلِ فاروقی و فقرِ حیدری ست
(ص۲۰۲/۲۶)

اس شعر کے مصرع اولیٰ میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

سید القوم خادمھم ۔ (حافظ عبدالرحمٰن سخاوی ۔ المقاصد الحسنہ صفحہ ۱۱۶ طبع لکھنؤ)

قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے۔

بانگِ درا

(کلیاتِ اقبال اردو، ۱۹۹۰ء)

مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ
(ص ۷۷/۹۳)

اس شعر کا مضمون مندرجہ ذیل حدیث سے ماخوذ ہے۔

عن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المومنون کر جل واحد ان اشتکیٰ عینہ اشتکی کلہ و ان اشتکیٰ راسہ اشتکیٰ کلہ (معارف الحدیث ج۶ ص ۱۲۹ دارالاشاعت کراچی)

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب مسلمان ایک شخص واحد (کے مختلف اعضاء) کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ دکھے تو اس کا سارا جسم دکھ محسوس کرتا ہے اور اسی طرح اس کے سر میں تکلیف ہو تو بھی سارا جسم تکلیف میں شریک ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم)

پھڑک اٹھا کوئی تیری ادائے ما عرفنا پر
ترا رتبہ رہا بڑھ چڑھ کے سب ناز آفرینوں میں

(ص ۱۳۰/۱۱۴)

''ماعرفنا'' یہ جملہ حدیث کی حیثیت سے مشہور ہے لیکن احادیث کے کسی مجموعہ میں نہیں ملا۔

ما عرفناك حق معرفتك –

ہم نے تجھ کو اس طرح نہیں پہچانا جس طرح کہ پہچاننے کا حق ہے۔

صورتِ خاکِ حرم یہ سرزمیں بھی پاک ہے
آستانِ مسند آرائے شہِ لولاک ہے

(ص ۱۷۲/۱۵۶)

''لولاک'' اشارہ ذیل کی حدیث قدسی کی طرف ہے۔

لو لاك لما خلقت الا فلاك – (ملا علی قاری المصنوع فی احادیث الموضوع صفحہ ۲۲)

(اے نبی) اگر تم نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو بھی پیدا نہ کرتا۔

ساں الفقر فخری کا رہا شان امارت میں
''بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را''

(ص ۲۰۷/۱۹۱)

''الفقر فخری'' اشارہ حسب ذیل حدیث کی طرف ہے۔

الفقر فخری و به افتخر – (ملا علی قاری المصنوع فی احادیث الموضوع صفحہ ۱۸ مطبع محمدی لاہور)

فقر میرا فخر ہے اور اس پر میں فخر کرتا ہوں۔

زبورِ عجم

(کلیاتِ اقبال فارسی، ۱۹۹۰ء)

نصیب خود ز بوے پیرہن گیر
بہ کنعاں نکہت از مصر و یمن گیر

(ص ۹۳/۴۳۷)

اس شعر میں لفظ یمن لا کر اقبال نے اشارہ انی لاجد نفس الرحمٰن من قبل الیمن (میں یمن کی طرف سے رحمٰن کی خوشبو محسوس کرتا ہوں) کی طرف کیا ہے جو عموماً حدیث کی حیثیت سے مشہور ہے اگرچہ کسی مجموعہ حدیث میں نظر سے نہیں گزری۔

چنیں فرمودۂ سلطانِ بدر است
کہ ایماں درمیانِ جبر و قدر است

(ص ۱۰۲/۴۴۶)

یہ الفاظ "ایمان درمیان جبر و قدر" کسی حدیث کے نہیں بلکہ فرقہ جبریہ قدریہ کے افراط وتفریط سے ہٹ کر جو بین بین مسلک اہل سنت کا ہے اس کو "الایمان بین القدر والجبر" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی نظریے کو نظم کیا گیا ہے۔ روایت کے الفاظ تو دوسرے ہیں یعنی "الایمان بین الخوف والرجا" جس میں ایک دوسرے نظریے کو بیان کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ اشارہ ہو روایت مشکوٰۃ کی طرف جس میں جبریہ و قدریہ دونوں کی تردید کی گئی ہے۔ الفاظ

حدیث یہ ہیں، جو ابن عباس سے مروی ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صنفان من امتی لیس لھما فی الاسلام نصیب المرجئۃ و القدریہ ۔(مشکوۃ ج ا صفحہ ۲۲)

میری امت میں دو گروہ ایسے ہیں جن کے حصے میں اسلام کا نشان بھی نہیں ہے اور وہ مرجیہ اور قدریہ کے فرقے ہیں۔

اس کا ماحصل وہی نکلتا ہے کہ ایمان جبر و قدر کے درمیان ہے۔ یہ حدیث ترمذی ہے۔

منور	شو	ز	نور	'من	یرانی'
مژہ	برہم	مزن	تو	خود	نمانی

(ص ۱۰۵/۴۴۵)

''من یرانی'' یہاں اس حدیث کے طرف تلمیح کی گئی ہے۔

عن ابی قتادۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رانی فقدرای الحق ۔ (مشکوۃ صفحہ ۳۹۴)

حضرت ابی قتادہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مجھے (خواب میں) دیکھا اس نے فی الحقیقت مجھے دیکھا۔

جاوید نامہ

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

لی مع اللہ ہر کرا در دل نشست
آں جوانمردے طلسمِ من شکست

(ص۲۷/۴۹۹)

دیکھیے صفحہ ۹۳

گر تو خواہی من نباشم درمیاں
لی مع اللہ بازخواں از عینِ جاں

(ص۲۸/۵۵۰)

دیکھیے صفحہ ۹۳

از حدیثِ مصطفیٰ داری نصیب؟
دینِ حق اندر جہاں آمد "غریب"

(ص۲۷/۴۹۹)

اس شعر میں جس مضمون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

بدء الاسلام غریبا و سیعود کما بدء فطوبی للغرباء ۔(مشکوۃ ج ا صفحہ ۲۹۔۳۰، ترمذی ج ۲ صفحہ ۹۲)

اسلام ابتداء میں جس طرح اجنبی تھا آخر میں بھی ایسا ہی اجنبی ہو جائے گا۔ (اس کی یہ حالت غرباء سے ملتی جلتی ہے) پس غرباء کے لیے بشارت ہو۔

با	سیہ	فاماں	ید	بیضا	کہ	داد؟
مژدۂ	لا	قیصر	و	کسریٰ	کہ	داد؟

(ص۸۰/۵۵۲)

اس شعر کے مصرع ثانی کے الفاظ "لا قیصر و کسریٰ" مندرجہ ذیل حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

عن ابی ہریرہ قال رسول اللّٰہ علیہ وسلم ہلک کسری ثم لا یکون کسری بعدہ و قیصر لیھلکن ثم لا یکون قیصر بعدہ ولتقسمین کنوز ھما فی سبیل اللّٰہ ۔(مشکوۃ صفحہ ۴۶۶)

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب کسریٰ (شاہ فارس) ہلاک ہوگا اس کے بعد اور کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور البتہ قیصر (شاہ روم) ہلاک ہوگا اور پھر کوئی قیصر نہ ہوگا اور ان دونوں بادشاہوں کے خزانے خدا کی راہ میں تقسیم کر دیے جائیں گے۔

از	بلا	ترسی	؟	حدیث	مصطفیٰ	است
مرد	را	روز	بلا	روز	صفا	ست

(ص۹۷/۵۶۹)

اس شعر میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

عن سعد قال سئل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای الناس اشد بلاء قال الانبیاء ثم الا مثل فالامثل یبتلی الرجال علیٰ حسب دینہ فان کان دینہ صلبا اشتد

بلائه و ان كان في دينه رقة هون عليه فما زال كذلك حتٰى يمشي علٰى الارض ماله ذنب – رواه الترمذي و ابن ماجه و الدارمي و قال الترمذي هذا حديث حسن صحيح –(مشکوٰۃ صفحہ ۱۳۶)

حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون لوگ سخت بلاؤں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا انبیاء پھر وہ لوگ جو انبیاء سے مشابہ ہوں پھر انسان جس قدر دین میں سخت ہوتا ہے اسی قدر اس کی مصیبت سخت ہوتی ہے اور جس قدر دین میں نرم ہوتا ہے اسی قدر اس کی مصیبت ہلکی ہوتی ہے پس ہمیشہ اسی طرح ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اس حالت میں زمین پر چلتا ہے کہ تمام گناہوں سے پاک وصاف ہوتا ہے ۔(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۞

گفتمش "بگذر ز آئینِ فراق
ابغض الاشیاء عندی الطلاق"

(ص ۶۰۸/۱۳۶)

اس شعر میں ذیل کی حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

عن ابن عمر رضی اللّٰه عنه قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم "ابغض الحلال الی اللّٰه الطلاق" رواه ابو داؤد ابن ماجه –

(ابن حجر عسقلانی – بلوغ المرام صفحہ ۲۲۳ مجتبائی)

ابن عمرؓ سے روایت یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سے زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے۔

۞

آنکہ حرفِ شوق با اقوام گفت
جنگ را رہبانیِ اسلام گفت!

(ص ۶۵۵/۱۸۳)

اس شعر کے مصرع ثانی میں ذیل کی حدیث کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

ان لكل امة رهبانية و رهبانية هذه الامة الجهاد في سبيل الله –

(کنز العمال ج ۲ صفحہ ۲۵۸)

ہر امت کے لیے رہبانیت ہے اور رہبانیت اس امت کی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

آنکہ بود اللہ او را ساز و برگ
فتنۂ او حبِّ مال و ترسِ مرگ!

(ص ۱۹۵/۶۶۷)

اس شعر میں ذیل کی حدیث کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

عن ثوبان قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوشك الامم ان تداعی علیکم کما تداعی الاکلۃ الٰی قصعتھا فقال قائل و من قلۃ نحن یومئذ قال بل انتم یومئذ کثیر و لکنکم غثاء کغثاء السیل و لینزع اللّٰہ من صدور عدوکم المھابۃ منکم ولیقذفن فی قلوبکم الوھن قال قائل یا رسول اللّٰہ و ما الوھن قال حب الدنیا و کراھیۃ الموت ۔

رواہ ابوداؤد والبیہقی ۔(مشکوۃ صفحہ ۴۵۹)

حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے قریب ہے کہ مخالفوں کی جماعتیں ایک دوسرے کو تم سے لڑنے کے لیے بلائیں جس طرح کہ ایک کھانا کھانے والی جماعت دوسروں کو کھانے کی طرف بلاتی ہے۔یہ سن کر صحابہ میں سے کسی نے پوچھا کیا وہ لوگ اس لیے ہم پر غلبہ حاصل کرلیں گے کہ ہم اس وقت تعداد میں کم ہوں گے آپ نے فرمایا تم اس زمانے میں بڑی تعداد میں ہو گے لیکن ایسے کہ جیسے دریا یا نالوں کے کنارے جھاگ ہوتے ہیں (یعنی تم نہایت کمزور اور ضعیف ہو گے) تمہارا رعب اور تمہاری ہیبت دشمنوں کے دلوں سے نکل جائے گی اور تمہارے دلوں میں ضعف و سستی پیدا ہو جائے گی۔کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ وما الوھن'' (ضعف و سستی) کیا چیز ہے؟''فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے بیزاری۔ابوداؤد و بیہقی۔

مولانا ضیاء احمد بدایونی نے اس حدیث کو یوں نظم کیا ہے۔

اک دن نبی نے مجمع اصحاب میں کہا
کل ہو گے تم نگاہِ جہاں میں ذلیل و خوار

کی عرض اپنی قلت تعداد کے سبب
شائد اٹھے گا خلق سے مسلم کا اختیار

فرمایا اس زمانے میں کثرت کے باوجود
ہوگا تمام قوم میں یہ ضعف آشکار

ہے بات یہ کہ الفت دنیا وخوفِ موت
بن جائیں گے معاشر اسلام کا شعار

بندۂ عشق از خدا گیرد طریق
می شود بر کافر و مومن شفیق

(ص۲۰۱/۶۷۳)

اس شعر میں مندرجہ ذیل حدیث کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

عن عبداللّٰہ بن عمر قال قال رسول اللّٰہ علیہ وسلم الرحمون یرحمہم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحکم من فی السماء -

(مشکوۃ صفحہ ۴۲۳ مجتبائی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے جو لوگ خدا کی مخلوق پر رحم کرتے ہیں رحمٰن اس پر رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو تا کہ آسمان والا تم پر رحم کرے۔

حالی نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے۔

خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر
کسی کے گر آفت گزر جائے سر پر
پڑے غم کا سایہ نہ اس بے اثر پر
کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

(مسدس، ص ۲، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور)

کثرتِ نعمت گداز از دل برد
ناز می آرد نیاز از دل برد
(ص ۶۷۴/۲۰۲)

اس شعر میں اس حدیث کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

عن عمرو بن عوف قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فواللّٰہ لا الفقر اخشٰی علیکم و لکن اخشٰی علیکم ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علٰی من کان قبلکم فتنا فسوھا کما تنافسوھا و تھلککم کما اہلکتم۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۰ مجتبائی)

حضرت عمرو بن عوفؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے خدا کی قسم میں تمہارے فقر و افلاس سے نہیں ڈرتا ہوں بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر کشادہ کی جائے گی جس طرح ان لوگوں پر کشادہ کی گئی تھی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں پھر تم دنیا کی رغبت کرو گے (یعنی دنیا کی لذتوں میں گرفتار ہو جاؤ گے) جس طرح تم سے پہلے لوگوں نے رغبت کی اور یہ دنیا تم کو ہلاک کر دے گی جس طرح ان کو ہلاک کیا۔

ضعفِ ایمان است و دلگیری غم
نوجوانا! نیمۂ پیری است غم!
(ص ۶۷۶/۲۰۴)

"نیمۂ پیری" اشارہ اس حدیث کی طرف ہے۔

الہم نصف الہرم

فکر آدھا بڑھاپا ہے

(حافظ عبدالرحمٰن سخاوی - المقاصد الحسنہ، صفحہ ۳۴-۳۵، طبع لکھنؤ محمد ابن السید درویش + اسنی المطالب، صفحہ ۲۴۸، طبع مصر)

می شناسی؟ حرص ، فقر حاضر است

من غلامِ آنکہ بر خود قاہر است
(ص ۲۰۴/۷۶۴)

"فقر حاضر" کہہ کر اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ایاکم و الطمع فانه الفقر الحاضر-

(سخاوی - المقاصد الحسنہ صفحہ ۱۶۵ طبع لکھنؤ)

لالچ سے بچو کیونکہ یہ ایک قسم کی کھلی ہوئی محتاجی ہے۔

بالِ جبریل

(کلیاتِ اقبال، اردو، ۱۹۹۰ء)

کھویا گیا جو مطلب، ہفتاد و دو ملت میں
سمجھے گا نہ تو جب تک بیرنگ نہ ہو ادراک
(ص ۵۰/۳۷۴)

اس شعر میں مصرعِ اولیٰ میں حسبِ ذیل حدیث کے ٹکڑے کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

و تفترق امتی علیٰ ثلاث و سبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة -

(ترمذی ج ۲ صفحہ ۸۹ طبع مجتبائی)

(رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ) میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے جن میں سوائے ایک فرقے کے سب جہنم میں جائیں گے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کار کشا، کار ساز
(ص ۱۰۰/۴۲۴)

اس شعر کے پہلے مصرع میں حدیث قرب نوافل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۹۰

بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے!

رنگِ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے!
(ص۱۰۲/۴۲۶)

دیکھیے صفحہ۱۰۴-

مسافر
(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

بندۂ حق وارث پیغمبراں
او نگنجد در جہان دیگراں
(ص۵۴/۷۳۰)

اس شعر کے پہلے مصرع میں حدیث ذیل کی طرف اشارہ مقصود ہے-

العلماء ورثة الانبیا -(اسی المطالب صفحہ۱۴۵طبع مصر)

علما انبیا کے وارث ہیں-

۞

خرقۂ آں ''برزخ لا یبغیان''
دیدمش در نکتۂ ''لی خرقتان''
(ص۶۷/۷۴۳)

''لی حرقتان ''اقبال نے اس شعر کے تحت یہ حدیث لکھی ہے''لی حرقتان الفقر و الجہاد''مجھے خدا نے دو لباس دیے ہیں فقر اور جہاد،لیکن اس قول کا حدیث ہونا ثابت نہیں ہوا-

۞

پس چہ باید کرد
(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

ہر قبائے کہنہ چاک از دستِ او
قیصر و کسریٰ ہلاک از دستِ او
(ص۱۴/۶۹۰)

دیکھیے صفحہ ۱۱۰۔

مومناں را گفت آں سلطانِ دیں
"مسجدِ من ایں ہمہ روئے زمیں"
(ص ۶۹۳/۱۷)

دیکھیے صفحہ ۹۷۔

مال را گر بہرِ دیں باشی حمول
نعم مالٌ صالحٌ گوید رسول
(رومیؒ صفحہ ۷۰۰/۲۴)

"نعم مال صالح" اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

نعم المال الصالح للرجل الصالح

(عبد الرؤف المناوی۔ کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق بر حاشیہ الجامع الصغیر للسیوطی صفحہ ۱۳۰ طبع مصر)۔

حلال مال مرد صالح کے لیے مبارک ہے۔

آہ یورپ زیں مقام آگاہ نیست
چشمِ او ینظر بنور اللہ نیست
(ص ۷۰۱/۲۵)

اس شعر کے دوسرے مصرع میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور اللّٰه۔

(اسنی المطالب صفحہ ۲۳۸ طبع مصر)

مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور کے ذریعہ سے دیکھتا ہے۔

در بدن داری اگر سوز حیات

ہست معراجِ مسلماں در صلوٰۃ

(ص ۳۳/۷۰۹)

اقبال نے الصلوٰۃ معراج المومنین کا حوالہ دیا ہے لیکن یہ حدیث کہیں ثابت نہیں ہے اگرچہ اس کا مفہوم درست ہے۔

اے در دشتِ تو باقی تا ابد
نعرۂ لاقیصر و کسریٰ کہ زد؟

(ص ۳۳/۷۰۹)

دیکھیے صفحہ ۱۰۷۔

ارمغان حجاز

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

بچشم من نگہ آوردۂ تست
فروغ لا الہ آوردۂ تست
دو چارم کن بہ صبح "من رآنی"
شبم را تابِ مہ آوردۂ تست

(ص ۴۸/۸۰۰)

دیکھیے صفحہ ۱۰۵-

مسلماں را ہمیں عرفان و ادراک
کہ در خود فاش بیند رمز لولاک
خدا اندر قیاسِ ما نہ گنجد
شناس آں را کہ گوید ما عرفناک
(ص ۸۶۵/۱۱۳)

دیکھیے صفحہ ۱۰۲-

(کلیاتِ اقبال، اردو، ۱۹۷۳ء)

آب و گِل تیری حرارت سے جہانِ سوز و ساز
ابلہَ جنت تری تعلیم سے دانائے کار
(ص ۷۰۶/۱۴)

"ابلہَ جنت" یہ ترکیب مندرجہ ذیل حدیث سے ماخوذ ہے-

اکثر اھل الجنۃ ابلۃ-

(حافظ عبدالرحمٰن سخاوی المقاصد الحسنہ صفحہ ۳۵ طبع لکھنؤ محمد ابن السید درویش- اسنی المطالب صفحہ ۴۸ طبع مصر)

اکثر جنتی بھولے بھالے ہوتے ہیں-

اس حدیث کو محدث بیہقی نے اپنی کتاب شعب الایمان میں اور محدث بزار نے اپنی کتاب المسند میں روایت کیا ہے-بعض اور محدثوں کے یہاں بھی یہ روایت ملتی ہے-علامہ ابن الدیبع نے اپنی کتاب تمیز الطیب من الخبیث (صفحہ ۳۲ طبع مصر) میں لکھا ہے کہ اس کی سند کمزور ہے-

باقیاتِ اقبال

(طبعِ اول، ۱۹۵۲ء)

عرش کا ہے کبھی کعبہ کا ہے دھوکا اس پر
کس کی منزل ہے الٰہی مرا کاشانۂ دل

(ص۲۳)

اس شعر میں اس مشہور قول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قلوب المومنین عرش اللہ –

مومنوں کے دل اللہ کا عرش ہیں

یہ قول حدیث کی حیثیت سے مشہور ہے اگرچہ اس کی سند مشتبہ ہے۔

۞

ما عرفنا نے چھپا رکھی ہے عظمت تیری
تاب قوسین سے کھلتی ہے حقیقت تیری

(ص ۳۰)

دیکھیے صفحہ ۱۰۲۔

۞

مقصد لحمک لحمی پہ کھلی ان کی زباں
یہ تو اک راہ سے تجھ کو بھی برا کہتے ہیں

(ص ۳۵)

"لحمک لحمی" اس ضعیف حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

ان علیا لحمه من لحمی و دمه من دمی۔ (کنز العمال ج ۶ صفحہ ۱۵۴)

علی کا گوشت میرا گوشت پوست ہے اور ان کا خون میرا خون۔

ارجح المطالب میں خوارزمی سے بھی ایک عبارت منقول ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے۔

و لحمك لحمی و دمك دمی۔ (ارجح المطالب صفحہ ۵۷۱-۵۷۲)

اور تیرا گوشت میرا گوشت پوست ہے اور تیرا خون میرا خون

۞

شخنے راندۂ کہ جز قرشی
برسرِ مسندِ نبی نہ نشست

(ص ۱۲۷)

اس شعر میں اس حدیث کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

الا ئمة من قریش۔ (فتح الباری ج ۶ صفحہ ۵۷۹ مطبع انصاری دہلی ۱۳۱۰ھ)

امام قریش میں سے ہوں گے۔

سفر

(نقشِ اول، جنوری ۱۹۵۲ء)

مجھ کو انکار نہیں آمدِ مہدی سے مگر
غیر ممکن ہے کوئی مثل ہو پیدا تیرا

(ص ٦٦)

مصرع اولیٰ میں مندرجہ ذیل حدیث کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

المہدی من عترتی من ولد فاطمۃ۔

(ابوداؤد صفحہ ۵۸۸ مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱۳۶۹ھ)

مہدی میری نسل اور فاطمہ کی اولاد سے ہوں گے۔

بشریٰ لکم کہ منتظرِ ما رسیدہ است
یعنی حجابِ غیبتِ کبریٰ رسیدہ است

(ص ۱۴۲)

اس شعر میں اس روایت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وزعموا انہ قد اختفٰی خوفا من اعدائہ وسیظہر۔

(عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ج ۴ صفحہ ۱۷ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ۱۳۲۳ھ)

(یعنی) ان (شیعوں) کا گمان ہے کہ وہ (یعنی محمد بن منتظر مہدی) دشمنوں کے خوف سے چھپے ہوئے ہیں اور وہ عنقریب ظاہر ہوں گے۔

فلسفیانہ تلمیحات

اسرارِ خودی

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

راہبِ	دیرینہ	افلاطوں	حکیم
از	گروہِ	گوسفندانِ	قدیم

(ص ۴۹/۳۳)

''افلاطون'': - افلاطون (Plato)، یونان کا مشہور ترین فلسفی ۴۲۸ - ۴۲۷ ق م میں پیدا ہوا اور ۳۴۷ - ۳۴۸ ق م میں فوت ہوا - یہ ایتھنیہ کے ایک ممتاز خاندان کا فرد تھا - اس نے ۳۸۷ ق م کے لگ بھگ ایک اکیڈیمی قائم کی جو فلسفیانہ اور علمی تحقیقات کے لیے تھی - افلاطون کے ''مکالمات'' اور ''ریاست'' اپنی نوعیت کے بے مثل کارنامے خیال کیے جاتے ہیں اور ان کا ترجمہ دنیا کی مختلف زبانوں میں کیا جا چکا ہے -

افلاطون کے نزدیک طریق فکر عقلیت ہے۔ عقلیت نام ہے اس اعتقاد کا کہ عقل نظری ہی وہ استعداد ہے جس سے حقیقت کا علم کماہی حاصل ہو سکتا ہے - اس اعتقاد کو بطور اصول کے اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ کلی، ذہنی، واجب، بسیط اور قدیم ہی حقیقت ہو سکتے ہیں اور جزئی، خارجی، ممکن، مرکب اور حادث حقیقت نہیں ہو سکتے - لہٰذا افلاطون حقائق کا ایک نظام اس طرح وضع کرتا ہے کہ وہ سب کسی ایک اصول اولیٰ سے منطقی طور پر منتزع ہو سکیں - افلاطون کے نزدیک وہ اصول اولیٰ (سقراط کے زیر اثر) تصور خیر ہے - لہٰذا افلاطون کے نقطۂ نگاہ سے معقول حقیقت ہے اور محسوس نمود محض، اور اسی لیے اس نے عالمِ اعیان کو حقیقت تسلیم کیا ہے -

اقبال کے نزدیک یونانی فلسفہ کی خصوصیت اس کی عقلیت ہے اور اسلام کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ محسوس اور معقول دونوں حقیقت ہیں اور ان دونوں کے ماورا بھی حقیقت ہے۔ اس لئے اقبال افلاطون سے اختلاف رکھتے ہیں کہ عقلیت کے اصول کو اختیار کر کے زمانی اور مکانی حقائق، حرکت اور جد وجہد بے معنی رہ جاتے ہیں حالانکہ زندگی عبارت انہیں سے ہے -

افلاطون کا نظریۂ تعلیم یہ ہے کہ تعلیم کا مقصد ان نقوش کو اجاگر کر کے دکھانا ہے جو روح میں پہلے سے دھندلی حالت میں موجود ہیں[1]۔

حوالہ کتاب

۱۔ ول ڈیوراں ۔مترجم مولوی احسان احمد ۔ حکایت فلسفہ صفحہ ۸۔۷۳

پیامِ مشرق

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

شوپن ہاور و نیٹشا

(ص ۱۴۹/۳۲۵)

''شوپن ہاور'': ۔شوپن ہاور (Arthur Schopenhauer) ۲۲ فروری ۱۷۸۸ء کو ڈانزگ میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک دولت مند تاجر تھا۔ اس کے باپ کی خواہش تھی کہ اس کا بیٹا ایک دیندار انسان بنے۔ لیکن شوپن ہاور تاجر بننے کے لیے پیدا نہیں ہوا تھا چنانچہ وہ خود کہتا ہے کہ ہامبرگ میں میرے قنوطی نظریۂ حیات کی بنیاد پڑی۔ وہ ۱۷ سال ہی کی عمر سے دنیا کے رنج والم کو شدت کے ساتھ محسوس کرتا تھا۔ اس نے گوٹنجن اور برلن میں تعلیم حاصل کی۔ گوٹنجن میں شولتسے (Schulzey) اور برلن میں فشٹے (Fischte) فلسفہ میں اس کے استاد تھے۔ یہ دونوں مفکر اپنے زمانے میں چوٹی کے حکما تھے۔ شوپن ہاور نے افلاطون اور کانٹ کا بہت گہرا مطالعہ کیا تھا۔ ان کے علاوہ شوپن ہاور پر ہندوؤں کی مقدس کتب اپنشدوں کا بھی اثر تھا جو اس نے لاطینی تراجم کی مدد سے پڑھی تھیں۔ اس کی اہم ترین تصنیف ''کائنات بحیثیت خواہش اور تصور'' (The World as Will and Idea) ۱۸۱۹ء میں شائع ہوئی۔ شوپن ہاور نے اپنی زندگی کے بہترین لمحات اپنی محبوبہ کے ساتھ وینس میں گذارے۔ واپسی پر اس نے برلن میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ لیکن اس وقت ہیگل جرمنی کی دنیائے فکر و نظر پر حکمران تھا۔ چنانچہ شوپن ہاور اور ہیگل میں رقابت پیدا ہوئی اور شوپن ہاور کے قدم نہ جم سکے۔ ۱۸۳۱ء میں اس نے فرانکفرٹ میں سکونت اختیار کی اور اپنا زیادہ وقت تصنیف و تالیف میں صرف کرنے لگا۔ لیکن بہ حیثیت مصنف کے ہیگل کے مقابلے میں کامیاب نہ ہوا اور ہر طرف سے اس کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ اسی دوران میں اس نے دو اور کتابیں شائع کیں۔ شوپن ہاور تمام عمر ناکامیوں اور مایوسیوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ اس کی زندگی کے آخری ایام کسی قدر سکون و اطمینان سے بسر ہوئے۔ انتقال ۲۱ ستمبر ۱۸۶۰ء کو ہوا۔

شوپن ہاور ایک ذہین ناول نگار ماں کا بیٹا تھا جس سے اس کی تلخی ہوگئی تھی۔ اس کا اثر اس کے افکار پر پڑا جسنے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قنوطی بنا دیا۔

شوپن ہاور یورپ کا سب سے بڑا قنوطی فلسفی تھا- اس نے زندگی کو ایک تمثیل سے اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک تندرست اور توانا اندھے کے کندھوں پر ایک لنگڑا سوار ہے اور اسے جدھر چاہتا ہے لیے جاتا ہے- شوپن ہاور کے نزدیک یہ حال عقل اور ارادہ کا ہے- اس نے کہا کہ کائنات ایک اندھی مشیت طاقت حیات کا مظہر ہے- اس میں اندھادھند زندگی پیدا کرنے کا جذبہ ہے اور یہ زندگی سربسر تنازع للبقا اور پُر آلام ہے- اس کے کچھ معنی نہیں، نہ منزل نہ مقصود- سب سے اچھا راستہ وہ ہے جو اس سے چھٹکارے کی سبیل بتائے- اسی لیے اس نے خودکشی کو نجات کا ذریعہ سمجھا ہے-[۱]

"نیٹشا":- فریڈرک ولہلم نیطشے (Friedrich Wilhelm Neitzsche) ۱۵ اکتوبر ۱۸۴۴ء کو پرشن سیکسنی میں پیدا ہوا اور بون اور لیزگ میں تعلیم حاصل کی- نیطشے کا یوم وفات ۲۶ اگست ۱۹۰۰ء ہے-

نیطشے کا فلسفہ مسیحی قدروں (Values) کی تنقید ہے- اس کے نزدیک عزم للقوۃ (Will to Power) سب سے اعلیٰ فضیلت ہے- نیطشے کا خیال ہے کہ فلسفہ کو حیات میں معین ہونا چاہیے- جب تک اس کا کوئی عملی فائدہ نہ ہو بیکار ہے- وہ تدوین نظام کا قائل نہیں جو کلاسیکل فلاسفہ کانٹ اور ہیگل کا رجحان تھا- ارتقا کی منزل اور مقصد ایک مافوق الانسان کو پیدا کرنا ہے جو نئی قدروں کا مجسمہ ہو-

سب سے بہتر وہ تعلیم ہے جو ہمیں دنیا کی مشکلات کا مقابلہ کرنا سکھائے نہ کہ وہ جو تخیلی دنیا میں فرار کرنے کی راہیں دکھائے -[۲]

ٹالسٹائے

(ص ۱۵۰/۳۲۶)

''ٹالسٹائے'':- (Count Leo Nikolaievitch Tolstoy or Tolstoi)

کاؤنٹ لیونکولائے وچ ٹالسٹائے، مشہور روسی ناول نگار اور فلسفی ۲۸ اگست (۹ ستمبر) ۱۸۲۸ء کو پیدا ہوا۔ اس نے ماسکو اور تازان میں تعلیم حاصل کی۔ شروع میں یہ فوج میں بھرتی ہوا بعد ازاں فوجی ملازمت سے سبکدوش ہو کر ادبی مشاغل میں منہمک ہو گیا۔ فوج سے الگ ہونے سے پہلے ہی ٹالسٹائے شاعر اور ناول نگار کی حیثیت سے مشہور ہو چکا تھا۔ اس نے کچھ وقت سینٹ پیٹرس برگ کے بہترین علمی اور ادبی ماحول میں گذارا۔ جرمنی اور اٹلی کے سفر کے بعد ٹالسٹائے نے ۱۸۶۲ء میں شادی کی اور ماسکو کے قریب اقامت گزیں ہو گیا۔ اسی دوران میں اس نے چند ناول لکھے۔ جنگ کریمیا کے بعد ٹالسٹائے نے کچھ اور ناول تصنیف کیے۔ اس کے دو ناول دنیائے ادب میں بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ ان میں پہلا ناول (War and Peace) تھا۔ یہ ناول نپولین کی لڑائی پر بڑی خوبی سے روشنی ڈالتا ہے۔ اس ناول کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نپولین نے روس کے خلاف کیا کیا اور اہلِ روس نے کس طرح مدافعت کی۔ اس کا دوسرا مشہور ناول (Anna Karenina) ہے۔ یہ ناول ایک منحوس شادی کی دردناک داستان ہے۔ اس کے بعد اس نے غریبوں کی حمایت میں لکھنا شروع کیا اور زندگی کی تکالیف دور کرنا اپنا نصب العین قرار دیا۔ چنانچہ اس کی اس دور کی تصانیف میں غریبوں کی حمایت کا جذبہ جگہ جگہ کارفرما نظر آتا ہے۔ ٹالسٹائے نے روس میں سرمایہ داری کے خلاف آواز بلند کی۔ آخر میں اس نے اپنی تمام دولت اپنی بیوی کے سپرد کر دی اور ایک کسان کی طرح اپنی بیوی کے مکان میں زندگی بسر کرنے لگا۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری ایام تارک الدنیا ہو کر گزارے۔ اس کا انتقال ۸ نومبر (۲۱ نومبر) ۱۹۱۰ء کو ہوا۔

ٹالسٹائے کے نزدیک مسرت کا راز اس میں ہے کہ آسائش کے معیار کو کم کیا جائے۔ اس نے روس کے موجودہ حالات کو دیکھ کر یہ پیشین گوئی کی کہ یہاں بہت جلد انقلاب آ کر رہے گا۔ وہ ۱۹۱۰ء میں فوت ہوا اور

۱۹۱۷ء میں انقلاب آ گیا- قوموں کی زندگی میں سات سال کا وقفہ کوئی بڑا وقفہ نہیں ہے-۳

کارل مارکس

(ص ۳۲۶/۱۵۰)

کارل مارکس (Karl Marx) جرمنی کا مشہور اسرائیلی ماہر اقتصادیات جس نے سرمایہ داری کے خلاف قلمی جہاد کیا- ۵ مئی ۱۸۱۸ء کو جرمنی میں پیدا ہوا- اس کے والدین نے اس کو بون اور برلن میں قانون کے مطالعہ کے لیے بھیجا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بجائے قانون کے تاریخ اور فلسفہ کا مطالعہ کیا- مارکس بظاہر ہیگل کا متبع بن گیا لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد اس کے خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہوا اور اس نے خدا اور مذہب دونوں کا انکار کر دیا- مارکس نے ۱۸۴۲ء میں رہینش گزٹ (Rhenish Gazette) کی ادارت کی- وہ ۱۸۴۳ء میں شادی کے بعد اقتصادیات کے مزید مطالعہ کے لیے پیرس گیا جہاں اس نے بہت کچھ حاصل کیا- ۱۸۴۵ء میں مارکس کو فرانس سے نکال دیا گیا- فرانس سے نکلنے کے بعد اس نے انگلز (Engles) کی معیت میں کمیونسٹ لیگ (Communist League) کی تنظیم کی اور ۱۸۴۸ء میں اس نے اپنا مشہور منشور (Manifesto) اسی لیگ کے لیے لکھا- سیاسی اختلافات کی بنا پر ارباب حکومت نے مارکس کو جلاوطن کر دیا چنانچہ اس نے کچھ عرصہ غیر ممالک کی سیاحت کی، بعد ازاں لندن میں سکونت پذیر ہو گیا اور وہیں ۱۴ مارچ ۱۸۸۳ء کو انتقال کیا- اس کی مشہور کتاب موسوم بہ "سرمایہ" (Das Kapital) کو مذہب اشتراکیت کی انجیل سمجھنا چاہیے- اس کتاب میں مارکس نے اپنے معاشی نظام کو پیش کیا ہے-

کارل مارکس ایک معاشی اور عمرانی فلسفی ہے جو تاریخی انقلابات کی بنا طبقاتی جدلیت کو قرار دیتا ہے اور طبقاتی تضاد کو ابھار کر انقلاب لانا چاہتا ہے- اس کی معاشی فکر صنعتی سرمایہ داری میں جو بے انصافی ہے اس کے رد عمل کے طور پر ابھری ہے- وہ جب کبھی مذہب کی نسبت اظہار خیال کرتا ہے اس کے پیش نظر مسیحی مذہب ہوتا ہے-

مارکس نسلاً یہودی ہے اور یہودیت کو جو عناد غیر یہودی نظام کے ساتھ ہے اس کے افکار میں نمایاں ہے۔

اس کا ایک دوست انگلز ایک طویل مدت تک اس کی اور اس کے خاندان کی کفالت کرتا رہا تا کہ وہ اپنے افکار کو مدون کر سکے۔ [۴]

ہیگل

(ص ۳۲۶/۱۵۰)

"ہیگل":۔ جارج ولہلم فریڈرک ہیگل (George Wilhelm Friedrich Hegel) جرمنی کا مشہور و معروف فلسفی ۲۷ اگست ۱۷۷۰ء کو پیدا ہوا۔ اس کے معاصرین میں شیلنگ اور فشٹے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ۱۸۱۲ء میں اس نے اپنی مشہور کتاب (Logic) کی پہلی جلد شائع کی۔ ۱۸۱۶ء میں ہیگل ہائیڈل برگ میں پروفیسر مقرر ہوا لیکن دو سال کے بعد اس نے برلن میں پروفیسر کی جگہ قبول کر لی۔ برلن ہی میں ۱۴ نومبر ۱۸۳۱ء کو انتقال ہوا۔ اسی دوران میں اسنے کئی کتابیں شائع کیں جن میں Philosophy of History اور Philosophy of Art, Religion بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

ہیگل کے پیش نظر بھی دوسرے اساطین فلاسفہ کی طرح یہی ہے کہ حقیقت کا ایک نظام مدون کیا جائے اور تمام کثرت کو کسی اصول واحد سے بطور ایک نظام ارتقا کے منتزع کیا جائے۔ چنانچہ ہیگل کے نقطۂ نگاہ سے وہ اصول واحد تصور مطلق ہے اسی کے ظہور سے یہ کائنات وجود میں آئی ہے۔ جو عمل ظہور کائنات میں مضمر ہے وہ جدلی عمل ہے۔ جدلی عمل کے تین مدارج ہیں۔ ایک اثبات، دوسرے نفی، تیسرے تطبیق۔

دراصل ہیگل کا فلسفہ ایک کوشش ہے کانٹ کی تنقید کے بعد مابعد الطبعیات کے مدون کرنے کی۔ اس لیے ہیگل کے نتائج اتنے اہم نہیں جتنے وہ دلائل جو ہیگل کانٹ کے بعد اپنا مقام پیدا کرنے کے لیے پیش کرتا ہے۔ اس نے فلسفہ تاریخ پر بھی ایک کتاب لکھی جس میں اس نے ثابت کیا ہے کہ مختلف تہذیبیں تصور ہی کے واقعہ بننے یا پانے کی جدوجہد کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں۔ [۵]

حکیم آئن اسٹائن

(ص ۱۵۲/۳۲۸)

"آئن اسٹائن":- ڈاکٹر البرٹ آئن اسٹائن (Albert Einstein) ۱۴ مئی ۱۸۷۹ء کو جرمنی میں ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنے والدین کے ساتھ پہلے میونخ اور اس کے بعد اٹلی میں بچپن گذارا۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد وہ زیورچ کے ایک اسکول میں استاد مقرر ہوئے اور انہوں نے سوئٹزرلینڈ کی شہریت اختیار کرلی۔ بعد میں انہیں بون میں پیٹینٹس کا انسپکٹر مقرر کردیا گیا۔ اسی زمانے میں انہوں نے زیورچ کی یونیورسٹی سے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انہوں نے فزکس (علم الطبیعیات) پر بعض مقالے لکھے جن کا معیار اتنا بلند تھا کہ تیس برس کی عمر ہی میں انہیں یونیورسٹی میں فزکس کا پروفیسر مقرر کردیا گیا۔ ۱۹۱۱ء میں انہیں پراگ یونیورسٹی میں فزکس کا ہی پروفیسر مقرر کیا گیا مگر وہ بہت جلد سوئٹزرلینڈ واپس آ گئے۔ ۱۹۱۳ء میں انہوں نے برلن کے قیصر ولیم انسٹیٹیوٹ آف فزکس کے ڈائریکٹر کا عہدہ قبول کرلیا۔

آئن سٹائن نے ۱۹۰۵ء میں دنیا کے سامنے اپنا مشہور نظریہ اضافیت پیش کیا جس نے سائنس کی دنیا میں انقلاب برپا کردیا۔ انہوں نے ۱۹۲۱ء میں طبیعیات میں "نوبل انعام" حاصل کیا جب کہ ان کی عمر ۴۲ سال کی تھی۔ جرمنی میں جب نازیوں کو عروج حاصل ہوا تو آئن سٹائن کو بھی ان کی تنگ نظری کا نشانہ بننا پڑا اور وہ جرمنی چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ وہ امریکہ چلے آئے اور ۱۹۴۰ء میں انہوں نے امریکی شہریت اختیار کرلی۔ انہیں پرنسٹن یونیورسٹی میں اعلیٰ تحقیقات و مطالعہ کے ادارے میں تاحیات رکنیت بھی دے دی گئی تھی۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ ان کی تصانیف میں "میرا فلسفہ" اور "دنیا میری نظر میں" بھی شامل ہیں جو بالترتیب ۱۹۳۳ء اور

۱۹۳۵ء میں شائع ہوئیں۔ ان کا انتقال ۱۸ اپریل ۱۹۵۵ء کو ہوا۔

آئن سٹائن نے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ زمان مطلق اور مکان مطلق کے تصورات نہ تو نظری بنیادوں پر قابل قبول ہیں نہ تجربی بنیادوں پر۔ نظریۂ اضافیت کی رو سے زمان اور مکان دونوں نہ تو مطلق ہیں اور ایک دوسرے سے جدا ہیں بلکہ اضافی ہیں اور ایک دوسرے پر منحصر ہیں۔ اس نظریہ کی رو سے یہ کائنات دو جدا مقولات یعنی زمان اور مکان پر مشتمل نہیں بلکہ ''زمان۔ مکان'' ایک تسلسل واحد ہے۔ لہٰذا ہمارا سہ ابعادی عالم اب چہار ابعادی ہو گیا ہے۔ کیونکہ کسی واقعہ کا پورے طور سے تعین کرنے کے لیے طول، عرض اور عمق کے علاوہ زماں بھی درکار ہے۔ آئن سٹائن کے نزدیک زمان، مکان حقیقت ہے لیکن ناظر یا شاہد کے لیے وہ اضافی ہے۔ فی الجملہ اقبال کو نظریۂ اضافیت کے تصورات سے اتفاق ہے لیکن اقبال کو نظریۂ اضافیت پر یہ اعتراض ہے کہ اس کی رو سے زمان مکان کا بعد رابع بن جاتا ہے۔ اقبال کے نقطۂ نگاہ سے اس کا یہ مطلب ہو گا کہ مستقبل بلاشبہ ایسا ہی متعین ہے جیسا ماضی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ زمان ایک آزاد تخلیقی حرکت کی حیثیت سے متصور نہ ہو سکے گا۔ اقبال کو برگساں سے اس باب میں اتفاق ہے کہ زمان ایک تسلسل ہے لیکن اقبال یا برگساں کے زمان کو تسلسل کہنے سے بات واضح نہیں ہوتی۔ زمان اور مکان دونوں کے دو دو پہلو ہیں ایک تدریج اور دوسرے اس تدریج کا مسلسل ہونا۔ زمان آنات کی تدریج مسلسل ہے اور مکان نقاط کی۔ ۶

محاورہ مابین حکیم فرنسوی اگسٹس کومت ومردمزدور

(ص ۱۵۴/۳۳۰)

”آگسٹس کومٹ“:- اوگستے کومت (Auguste Comte) ایجابیت کا بانی ۱۹ جنوری ۱۷۹۸ء کو پیدا ہوا- وہ ابتدا ہی سے ریاضی کا شائق اور حاکمانہ اقتدار کا مخالف تھا- اس نے ایکول پولی تیکلیک (Ecole Polytechnique) میں طلبا کے احتجاج میں شرکت کی جو انہوں نے اپنے کسی معلم کے رویہ کے خلاف کیا تھا- اس پر کومت وہاں سے نکالا گیا- بعد ازاں اس نے چند سال اپنے والدین کے ساتھ گذارے، آخر کار پیرس واپس آ گیا جہاں اس نے ریاضی کا درس دے کر اپنی معاش کا انتظام کیا- سینٹ سائمن (Saint-Simon) کی ملاقات سے اس کی زندگی میں ایک انقلاب عظیم رونما ہوا- چھ سال تک کومت سائمن کی شاگردی میں رہا- اس کے بعد شاگرد اور استاد میں کسی بات پر اختلاف ہوا اور دونوں کے درمیان جدائی ہو گئی- ۱۸۲۵ء میں کومت نے شادی کی لیکن فریقین کے درمیان کشیدگی پیدا ہو گئی اور سترہ سال کی مسلسل جنگ وجدل کے بعد ایک کو دوسرے سے علیحدہ ہونا پڑا- ۱۸۲۶ء میں کومت نے لیکچروں کا سلسلہ شروع کیا جس میں اپنے نظریات کو واضح کیا۔ اس کے لیکچروں میں اس کے عہد کے مشہور سائنسدان شریک ہوا کرتے تھے لیکن یہ سلسلہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا کیونکہ کومت پر آخر میں جنون کا غلبہ طاری ہو گیا تھا- اس نے اپنی مشہور کتاب (Philosophie Positive) کی اشاعت کے دوران میں اپنی گذر اوقات کا بندوبست ایکول پولی تیکلیک میں معلم کی حیثیت سے کیا- بعد ازاں کچھ لوگوں کی مخالفت سے یہ اعزاز اس سے چھین لیا گیا- اب اس نے ریاضی پڑھانے کا انتظام کیا- کومت کے آخری ایام میں اس کے بعض

احباب نے اس کی مالی امداد بھی کی۔ اس کا انتقال ۵ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ہوا۔

کومت کے فلسفہ کے دو پہلو ہیں، ایک تنقیدی اور دوسرا تعمیری۔ تنقید میں وہ یہ واضح کرنے کی سعی کرتا ہے کہ علم کیونکر ممکن ہے اور اس کی واقعیت کے حدود کیا ہیں۔ اور تعمیری پہلو میں وہ ایک نظریہ منتہائے حقیقت کے بارے میں پیش کرتا ہے اور اس بات پر مصر ہے کہ یہ نظریہ علم نہیں ہے بلکہ ایک اعتقاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ جن فلاسفہ نے اپنے افکار کی بنیاد کانٹ کی تنقید کے نتائج پر رکھی ہے وہ اس طرف گئے ہیں کہ محسوسات حقیقت ہیں اور اس کا علم حاصل ہوسکتا ہے اور جب انہوں نے نظری شعور کے تقاضے کے پیش نظر صرف معلوم کو موجود سمجھنے پر اصرار کیا تو نتیجہ میں اس طرح کے نظریات پیدا ہوئے جیسے کومت کا نظریہ ایجابیت جس میں کانٹ کی ورائے محسوسات حقیقت کی گنجائش نہیں ہے۔

کومت فلسفہ ایجابیت (Positivism) کا بانی ہے۔ یہ فلسفہ کائنات کے ظواہر سے بحث کرتا ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یقینی علم صرف ظواہر ہی کا ہے۔ یہ نظریہ بڑی حد تک تصوریت کی ضد ہے۔ لہٰذا کومت نے اپنی ساری توجہ محسوسات کی طرف مبذول کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے فلسفہ میں ریاضی، طبعیات، کیمیا اور عمرانیات کو خاص اہمیت حاصل ہے اور اس نے منطق، اخلاقیات اور نفسیات کو اپنے فلسفیانہ نظام میں کوئی جگہ نہیں دی ہے۔

پیغام برگساں

(ص ۱۵۶/۳۳۲)

''برگساں'': -آں ری برگساں (Henri Bergson) فرانس کا مشہور حکیم ۱۸ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو پیرس میں پیدا ہوا-۱۹۰۰ء سے ۱۹۲۱ء تک پروفیسر رہا- اس نے ۱۹۲۷ء میں 'نوبل انعام' حاصل کیا- اس کا شمار اپنے عہد کے مشہور ترین حکماء میں ہوتا ہے-۱۹۴۱ء میں اس نے انتقال کیا-

برگساں کا خیال یہ ہے کہ عقل اور حواس سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ اشیا کے ظاہر کا علم ہے اور کسی شے کی حقیقت یا کنہ صرف وجدان سے معلوم ہو سکتی ہے-وجدان بلاواسطہ حقیقت شے کا احاطہ کرتا ہے اور وجدان ہی پر یہ منکشف ہوتا ہے کہ اشیاء ساکن نہیں متحرک ہیں، متحرک ہی نہیں بلکہ متحرک نامی ہیں-برگساں کے نزدیک تمام فلاسفہ کا فکر جمود کی طرف مائل ہے کیونکہ ان کے علم کا ذریعہ عقل ہے-برگساں کے فلسفہ کی خصوصیت یہ ہے کہ طریق فکر کے اعتبار سے تو اس کا نظریہ وجدانیت ہے اور نتائج کے لحاظ سے اس کا فلسفہ حیاتیت (Vitalism) ہے کیونکہ وہ جوش حیات (Elan Vital) کو اصل حقیقت قرار دیتا ہے-وجدانیت کا نتیجہ یہ ہے کہ اشتراک فی العلم متصور نہیں رہتا اور حقیقت (Vitalism) کا نتیجہ یہ ہے کہ طبیعی، نامی، شعوری اور خود شعوری حقائق کے درمیان کوئی امتیاز نہیں رہتا-برگساں اس نتیجہ پر اس لیے پہنچا کہ اس نے حیاتیات کے مقولات کو اپنی فکر کی تنظیم کا اصول بنایا اور اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ حیاتی اصول ہی اصل الاصول قرار دیا جائے

ساغرش را از سحر بادۂ خورشید افروخت
ورنہ در محفلِ گل لالہ تہی جام آمد
(ص ۱۵۸/۳۳۴)

یہاں مشہور انگریز فلسفی لاک کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

"جان لاک":۔ جان لاک (John Lock) ۲۹ اگست ۱۶۳۲ء کو قصبہ رنگٹن میں پیدا ہوا۔ اوائل عمر میں آکسفورڈ میں فلسفہ، سائنس اور طب کا مطالعہ کیا۔ تین سال تک برلن قونصل کا سیکریٹری رہا۔ اس کے معاصرین اس کے خلوص، اس کی صداقت اور حریت کو حاصل کرنے میں اس کے جوش کے قائل تھے۔ اس کی تحریر نہایت سلجھی ہوئی اور صاف ہوتی تھی۔ ۲۸ اکتوبر ۱۷۰۴ء کو انتقال کیا۔

لاک کو فلاسفہ حسیین (Empiricists) اپنے مذہب کا امام سمجھتے ہیں۔ اس نے اپنی عمر کا بڑا حصہ مناظرہ ومباحثہ میں بسر کیا۔ ان مباحثوں میں اس کی نفسانیت کو دخل نہ تھا بلکہ خالص علمی تحقیق پیش نظر رہتی تھی۔ لاک علم دوستی اور امن پسندی کے باوجود انقلاباتِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکا۔ چنانچہ مخالفین کی شرارت سے اس کا شمار بدخواہانِ سلطنت میں ہونے لگا۔ بالآخر اس کو وطن چھوڑنا ہی پڑا۔

لاک نے سیاسیات میں فلسفہ کو فراموش نہیں کیا چنانچہ اس نے فلسفہ قانون ومملکت پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور ملکی حکومت پر ایک مستقل تصنیف یادگار چھوڑی۔ لاک کے مذہب اور فلسفہ میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس نے عقل کے ذریعہ سے فطری مذہب کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ لاک کی مندرجہ ذیل کتب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

1 - Letters on Education.

2 - An Essay on Civil Government.

3 - Letters on Toleration.

4 - Reasonableness of Christianity.

5 - Essay on Human Understanding.

آخری کتاب جو اس کا شاہکار ہے، اس کے فلسفہ کا مرقع ہے۔

جان لاک حسیت کا بانی، وہبی تصورات اور ضمیر کا منکر، نفس کو سادہ لوح تصور کرنے والا، فلسفۂ جدید بالخصوص

نفسیات جدید پر اس نے گہرا اثر ڈالا- انگلستان میں لاک نے عقل وعلم کا جائزہ بڑی دقتِ نظر اور بڑی شرح وبسط سے لیا اور کہا کہ نفسِ انسانی ایک لوحِ سادہ ہے جس پر حواس اپنی قلم کاری سے نقوش بناتے ہیں اور تمام علم حواس ہی سے ظاہر ہوتا ہے اور نفس کے اندر تصورات سے ان معلومات کی شیرازہ بندی ہوتی ہے- مادہ کے اصل کا جوہر اتنا ہی ہے کہ اس میں امتداد ہے اور وہ مکان کو گھیرتا ہے باقی عالم آواز و رنگ و بوسب اعتباری اور اضافی ہے- یہ مادہ کے ثانوی صفات ہیں جو مادہ کے جوہر میں نہیں پائے جاتے بلکہ مادہٗ آلات حس اور نفس تینوں کے تعامل سے پیدا ہوتے ہیں- ان اضافات کا کوئی مطلق وجود نہیں- آزادی کے متعلق لاک کا نظریہ یہ ہے کہ آزادی کا مستقر عمل ہے نہ کہ انتخاب- آخر الذکر محرکات کا نتیجہ ہوتا ہے-[۹]

فطرتش	ذوق	مے	آئینہ	فامے	آورد
از	شبستانِ	ازل	کوکب	جامے	آورد

(ص ۱۵۹/۳۳۵)

یہاں اشارہ مشہور جرمن فلسفی کانٹ کی طرف ہے-

"امانیول کانٹ":- امانیول کانٹ (Immanuel Kant) پرشیا میں کونگز برگ کے مقام پر ۲۲ اپریل ۱۷۲۴ء کو پیدا ہوا- اس کی زندگی نظم وضبط کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہے- کانٹ کی زندگی میں جس قدر فلسفیانہ وقار پایا جاتا ہے، اس کی مثال تاریخ میں بہت کم ملتی ہے- اس نے تمام عمر کونگز برگ کے برفانی پہاڑوں میں بسر کی- کانٹ نے مختلف زبانیں سیکھیں اور ادبیات کا مطالعہ کیا- اسے ریاضیات اور طبیعیات سے بڑا شغف تھا اور اس میں اسے خاطر خواہ کامیابی بھی ہوئی- ۱۲ فروری ۱۸۰۴ء کو کانٹ نے ۸۰ سال کی عمر میں انتقال کیا-

کانٹ کی شہرت اس کی کتاب "تنقید عقل محض" (Critique of Pure Reason) کے شائع ہونے کے بعد ہوئی- یہ کتاب جیسا کہ کانٹ بتاتا ہے بارہ سال کے غور وفکر کا نتیجہ ہے- اس کتاب میں کانٹ نے یہ مسائل حل کیے ہیں کہ علم، تصور، ادراک اور یقین سے کس طرح ممتاز اور متمیز ہے؟ علم کی ماہیت کیا ہے؟ وہ شرائط کیا ہیں جن کے پورا ہونے سے علم ممکن ہوتا ہے اور نہ ہونے سے نہیں اور علم کی صحت اور واقعیت کے حدود کیا ہیں؟

اخلاق پر اس کی دور آفریں تصنیف (Critique of Practical Reason) "تنقید عقل عملی" ہے جو ۱۷۸۸ء میں شائع ہوئی- اس میں کانٹ نے ان مسائل کو حل کیا ہے کہ نیکی اور مصلحت میں امتیاز کیا ہے؟ نیکی کی ماہیت کیا ہے؟ وہ شرائط کیا ہیں جن کے پورا ہونے سے نیکی ممکن ہے ورنہ نہیں اور نیکی کی صحت

اور واقعیت کے حدود کیا ہیں؟

کانٹ نے اپنے عہد کو دورِ تنقید کہا ہے- کانٹ سے قبل مفکرین نے مابعد الطبیعیات کے نظام مرتب کیے تھے- کائنات، خدا، روح وغیرہ کے متعلق عقلی دلائل کے ساتھ بحثیں کی تھیں لیکن کانٹ نے پہلی دفعہ پوری طرح غور کیا کہ عقل کیا چیز ہے، عقل سے ہمیں کن چیزوں کا علم ہو سکتا ہے اور وہ کون سے حدود ہیں جن کے بعد عقل کی رہنمائی اور کارفرمائی ختم ہو جاتی ہے- کیا انسان کو عقل کے ذریعے کائنات، خدا اور روح وغیرہ کی حقیقت کا علم ہو سکتا ہے- مختصر یہ کہ کیا مابعد الطبیعیات بہ حیثیت علم کے ممکن ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت عالم کا علم تو نہیں ہو سکتا لیکن بطور اعتقاد کے اس کے بارے میں ایک رائے قائم ہو سکتی ہے-

فلاسفہ جدید میں جمالیات کے موضوع پر کانٹ نے سب سے پہلے ایک مکمل نظریہ پیش کیا- سوائے کانٹ کے ہر فلسفی نے جمالیاتی نظریات کی بنا مابعد الطبیعیات پر رکھی ہے- سب سے مختلف کانٹ نے جمالیات کے مسائل کو بغیر مابعد الطبیعیات کے متعین کیا ہے اور اپنی مشہور و معروف کتاب ''تنقید تصدیق'' (Critique of Judgment) میں ان سوالات کا جواب دیا ہے- ہمارے اندر جو جمال کی طلب پائی جاتی ہے اس کے مقتضیات کیا ہیں؟ حسن کیوں متاثر کرتا ہے؟ اور حسن ہے کیا؟[10]

حوالہ کتب

۱- ڈاکٹر ہیرلڈ ہوفڈنگ- مترجم ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم- تاریخ فلسفہ جدید ج ۲ صفحہ ۲۴۸-۲۷۷

+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲، صفحہ ۱۰۲-۱۰۵

۲- ول ڈیوراں- مترجم مولوی احسان احمد- حکایت فلسفہ، صفحہ ۵۰۷-۵۶۷

+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۶، صفحہ ۴۳۲-۴۳۵-

۳- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲۲، صفحہ ۲۷۲-۲۷۵-

۴- انسائیکلوپیڈیا امریکہ، ج ۱۶، صفحہ ۳۴۶-۳۴۷-

۵- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۱، صفحہ ۳۷۹-۳۸۵-

۶- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۸ صفحہ ۱۱۳-۱۱۴

+ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، اضافیت

۷- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۶، صفحہ ۱۹۰-۱۹۵-

۸- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲، صفحہ ۴۳۵

+ ول ڈیوراں مترجم مولوی احسان احمد-حکایت فلسفہ، صفحہ ۵۶۹-۵۹۱-

۹- ڈاکٹر ہیرلڈ ہوفڈنگ، مترجم ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم-تاریخ فلسفۂ جدید ج ۱ صفحہ ۴۲۸-۴۴۸

+انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۴ صفحہ ۲۷۱-۲۷۵-

۱۰- ڈاکٹر ہیرلڈ ہوفڈنگ-مترجم ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم-تاریخ فلسفۂ جدید، ج ۲، صفحہ ۲۹-۴۳

+انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۳، صفحہ ۲۶۵-۲۶۷

بانگِ درا

(کلیاتِ اقبال، اردو، ۱۹۹۰ء)

آفتاب

(ترجمہ گایتری)

(ص ۵۸/۷۴)

"گایتری" گایتری کا منتر رگ وید کے تیسرے منڈل کے بھجن نمبر ۶۲ کے دسویں اشلوک میں آیا ہے-منتر کی

اصل عبارت یہ ہے-

''اوم بھو بھوا سوا تت سو یتر ورے تیم بھر گو دیو سیادی مہی دھیو یو نہا پر چو دیات''

وہ جو ساری کائنات کا خالق ہے وہی اس لائق ہے کہ اس کا ذکر کیا جائے جو ساری چمکدار اشیا کا خزانہ ہے نور کا منبع ہے-ہم اسی کا ذکر کرتے ہیں (اور اس سے دعا مانگتے ہیں کہ) وہ ہماری عقل کو راہ راست پر چلائے-

گائتری کی تشریح کے لیے اقبال کا مضمون درج ذیل ہے-

''یہ اشعار رگ وید کی ایک نہایت قدیم اور مشہور دعا کا ترجمہ ہیں جس کو گائتری کہتے ہیں یہ دعا اعتراف عبودیت کی صورت میں گویا ان تاثرات کا اظہار ہے-جنہوں نے نظام عالم کے حیرت ناک مظاہر کے مشاہدہ سے اول اول انسان ضعیف البیان کے دل میں ہجوم کیا ہوگا-اس قسم کی قدیم تحریروں کا مطالعہ علم ملل و النحل کے عالموں کے لیے انتہا درجہ کا ضروری ہے کیونکہ ان سے انسان کے روحانی نمو کے ابتدائی مراحل کا پتہ چلتا ہے-یہی وہ دعا ہے جو چاروں ویدوں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے اور جس کو برہمن اس قدر مقدس سمجھتا ہے کہ بے طہارت اور کسی کے سامنے اس کو پڑھتا تک نہیں-جو لوگ محققین السنہ شرقیہ کی تصانیف سے واقف ہیں ان کو معلوم ہے کہ سرولیم جونز کو اس دعا کے معلوم کرنے میں کس قدر تکلیف اور محنت برداشت کرنی پڑی تھی-مغربی زبانوں میں اس کے بہت سے ترجمے کیے گئے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ زبان سنسکرت کی نحوی پیچیدگیوں کی وجہ سے السنہ حال میں وضاحت کے ساتھ اس کا مفہوم ادا کرنا نہایت مشکل ہے-اس مقام پر یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اصل سنسکرت میں لفظ سیوتر استعمال کیا گیا ہے جس کے لیے اردو لفظ نہ مل سکنے کے باعث ہم نے لفظ آفتاب رکھا ہے لیکن اصل میں اس لفظ سے مراد اس آفتاب کی ہے جو فوق المحسوسات ہے اور جس سے یہ مادی آفتاب کسب ضیا کرتا ہے-اکثر قدیم قوموں نے نیز صوفیہ نے اللہ تعالیٰ کی ہستی کو نور سے تعبیر کیا ہے-قرآن شریف میں آیا ہے اللّٰہ نور السمٰوٰت و الارض اور شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک نور ہے جس سے تمام چیزیں نظر آتی ہیں لیکن وہ خود نظر نہیں آتا-علیٰ ہذا القیاس افلاطون کے مصری پیرووں اور ایران کے قدیم انبیاء کا بھی یہی مذہب تھا-

ترجمہ کی مشکلات سے ہر شخص واقف ہے لیکن اس خاص صورت میں یہ دقت اور بھی بڑھ گئی ہے کیونکہ اصل الفاظ کی موسیقیت اور طمانیت آمیز اثر جو ان کے پڑھنے سے دل پر ہوتا ہے، اردو زبان میں منتقل نہیں ہو سکتا-گائتری کے مصنف نے ملک الشعراء ٹینی سن کی طرح اپنے اشعار میں ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن میں حروف علت اور صحیح کی قدرتی ترتیب سے ایک ایسی لطیف موسیقیت پیدا ہو جاتی ہے جس کا غیر زبان میں منتقل کرنا ناممکنات میں سے ہے-اس مجبوری کی وجہ سے میں نے اپنے ترجمہ کی بنیاد اس سوکت (گفتار زیبا) پر رکھی ہے

جس کو سریا نرائن اپنشد میں گایتری مذکور کی شرح کے طور پر لکھا گیا ہے-ترجمہ کرنے کو تو میں نے کر دیا ہے مگر مجھے اندیشہ ہے کہ سنسکرت داں اصحاب اس پر وہی رائے قائم کریں گے جو چیپ من نے پوپ کا ترجمہ ہومر پڑھ کر قائم کی تھی یعنی شعر تو خاصے ہیں لیکن یہ گایتری نہیں''-[1]

۞

بنایا	ذروں	کی	ترکیب	سے	کبھی	عالم
خلاف	معنیٔ	تعلیم	اہلِ	دیں	میں	نے

(ص ۱۰۸/۹۲)

یہاں اشارہ مشہور فلسفی دیمقراطیس کی طرف کیا گیا ہے-

''دیمقراطیس'':- دیمقراطیس (Democritus) ۴۷۰یا ۴۶۰ق م کے لگ بھگ پیدا ہوا- اس نے اپنے عہد کے دیگر فلسفیوں کی تصانیف کا بغور مطالعہ کیا تھا- دیمقراطیس اپنے عہد کا مشہور مفکر تھا- اس نے مشرق کی سیاحت بھی کی تھی- دیمقراطیس نے چوتھی صدی قبل مسیح میں یہ تعلیم دی کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا کوئی نہیں- اس کے نزدیک یہ عالم اجزائے لا تجزیٰ کا مجموعہ ہے- جب یہ اجزا مختلف تناسب کے ساتھ ملتے ہیں تو مختلف حقائق ظہور میں آتے ہیں- یہ اجزا امکان میں متحرک اور ہر وقت مسلسل حرکت میں ہیں- دیمقراطیس مادیین کا باوا آدم ہے-[2]

۞

عروق	مردۂ	مشرق	میں	خونِ	زندگی	دوڑا
سمجھ	سکتے	نہیں	اس	راز	کو	سینا و فارابی

(ص ۲۸۱/۲۹۷)

''سینا'':-

سینا (Avicenna) کا پورا نام ابوعلی الحسین بن عبداللہ بن سینا تھا-مسلمان فلسفی اور طبیب، ۹۸۰ء میں بمقام بخارا پیدا ہوا- اس نے کم عمری ہی میں علوم ریاضی و ادب میں مہارت پیدا کر لی تھی اور ۱۸ سال کی عمر میں بغداد میں شاہی طبیب ہو گیا تھا- ابن سینا کئی سلاطین کا طبیب رہا اور کچھ عرصہ ہمدان میں وزیر بھی رہا جہاں ۱۰۳۷ء میں انتقال کیا- اس کی تصانیف کی تعداد ۴۶ ہے جن میں بعض کے نام یہ ہیں:

کتاب لسان العرب دس جلدیں، المنطق بالشعر، عیون الحکمت اور کتاب الحواشی علی القانون- ابن سینا کو

طب میں ایک بلند مقام حاصل ہے۔

ابن سینا کے فلسفہ میں واجب اور ممکن کی بحث خاص اہمیت رکھتی ہے جس پر اس نے کائنات اور اس کے خالق کے تعلقات کی بنا رکھی ہے۔ وہ مظاہر علم سے حقیقت عالم کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور علمیات اور مابعد الطبیعیات میں ایک خاص مقام رکھتا ہے جو یونانی فلاسفہ کو میسر نہ آ سکا کیونکہ یونانی فلاسفہ کی حیثیت یا تو عقلیین (Rationalists) کی ہے یا حسیّین (Empiricists) کی ہے۔ افلاطون اور ارسطو دونوں عقلیین ہیں۔[۳]

''فارابی'':۔

فارابی کا پورا نام محمد بن محمد طرخاں ابونصر الفارابی ہے۔ فارابی دنیائے اسلام کے مشاہیر فلاسفہ میں تھا۔ اس نے ایک کتاب افلاطون وارسطو کے مقاصد پر الجمع بین الرائین کے نام سے لکھی جس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ فارابی کتنا بڑا فلسفی اور محقق تھا۔ اس نے ارسطو کی ہر کتاب پر تبصرہ کیا ہے اور علم الٰہی پر روشنی ڈالتے ہوئے، علم طبیع سے مدد لی ہے۔ الغرض فارابی کی یہ کتاب اس موضوع پر بہترین تصنیف خیال کی جاتی ہے۔ فارابی نے دو اور کتابیں بھی لکھی تھیں ایک المدینۃ الفاضلہ اور دوسری کا نام احصاء العلوم ہے۔ ان دونوں کتابوں میں ارسطو کی الٰہیات پر فاضلانہ بحث کی ہے۔ فارابی ترکی کے ایک شہر فاراب میں پیدا ہوا اور اسی نسبت سے فارابی کہلایا۔ اس کا انتقال دمشق میں ۳۳۹ھ (۹۵۰ء) میں ہوا۔

جن لوگوں نے فارابی کے نفسیات کے مباحث کا مطالعہ نہیں کیا صرف وہی یہ رائے رکھ سکتے ہیں کہ نفسیات کو بہ حیثیت ایک مدوّن علم کے جدید فلاسفہ ہی نے مدوّن کیا ہے۔ لیکن فارابی کے مباحث دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ذہن اس دور میں بھی نفسیات کے مسائل کو بطور علمی مسائل متعین کر کے حل کرنا چاہتا ہے[۴]۔

حوالہ کتب

۱- مخزن، ماہ اگست ۱۹۰۲ء-

۲- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۷، صفحہ ۱۸۷-۱۸۸

۳- جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف القفطی، تاریخ الحکماء اردو، صفحہ ۵۳۱-۵۵۰

۴- جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف القفطی، تاریخ الحکما اردو، صفحہ ۳۷۵-۳۷۸

زبورِ عجم

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

مکدر کرد مغرب چشمہ ہائے علم و عرفاں را
جہاں را تیرہ تر سازد چہ مشائی چہ اشراقی
(ص ۳۶۵/۲۱)

''مشائی، اشراقی'':- مشائیت کا بانی ارسطو ہے- مشائیت کی اصطلاح ارسطو کے طریق تدریس سے ماخوذ ہے کیونکہ وہ ٹہلتا جاتا تھا اور درس دیتا جاتا تھا- لیکن مشائیت کا فلسفیانہ پہلو یہ ہے کہ اس میں محسوس کی حقیقت سمجھنے اور کائنات کے اسی پہلو کو موضوع فکر بنانے اور سمجھنے کی سعی ہے جس پر محسوس کا اطلاق ہوتا ہے-

اشراقیت کی مدوّن صورت تو فلاطونس (Plotinus) کی جدوجہد سے قائم ہوئی، لیکن اس کے رجحانات افلاطون اور ماقبل افلاطون عقلیین، مثلاً فیثا غورث میں بھی موجود تھے- اشراقیت کا اصول یہ ہے کہ انسان میں وجدان ہی وہ استعداد ہے جس سے وہ حقیقت حقہ کا مشاہدہ کرسکتا ہے- یہ استعداد ریاضیات اور مجاہدات سے جلا پاتی ہے اور ماورائی حقائق کو سمجھنے کا ذریعہ ہے- لہٰذا کہہ سکتے ہیں کہ طریق فکر کے اعتبار سے اس اعتقاد کا نام ہے کہ ذریعۂ علم حقیقت وجدان ہے اور نظریاتی اعتبار سے ایک اشراقی وحدت الوجود کے نظریہ کو ذاتی مشاہدہ کی بنا پر اختیار کرنا منتہائے کمال سمجھتا ہے-[1]

درآں عالم کہ جزو از کل فزون است
قیاسِ رازی و طوسی جنون است
(ص ۹۵/۴۳۹)

''رازی'':-

نام محمد، کنیت ابوالفضل اور لقب فخر الدین تھا۔ امام رازی ۵۴۴ھ (۱۱۵۰ء) میں بمقام رے جو طبرستان میں واقع ہے، پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے رازی کہلائے- ۶۰۶ھ (۱۲۱۰ء) میں وفات پائی- ان کی ذات میں خدا نے علم، دولت، عزت اور شہرت، چاروں چیزیں جمع کر دی تھیں اور یہ اجتماع شاذونادر ہی ایک جگہ ملتا ہے- ان کی تصانیف کی تعداد خاصی ہے- بعض مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں: مفاتیح الغیب المعروف بہ تفسیر کبیر اور شرح اشارات-

امام رازی کی حیثیت ایک جامع العلوم مذہبی مفکر کی ہے اور ان کی خاص تصنیف تفسیر کبیر ہے جس میں وہ فلسفیانہ نقطۂ نگاہ سے مسائل پر بحث کرتے ہیں- ان کے نظریات میں خاص پہلو یہ ہے کہ وہ جبر کے قائل ہیں،

اور کلام میں امام اشعری کے متبع ہیں۔ امام رازی کو رئیس المتکلمین کہا گیا ہے۔ ۲

''طوسی'':۔

نصیر الدین طوسی ۱۸ فروری ۱۲۰۱ء کو بمقام طوس پیدا ہوئے اور ۲۶ جون ۱۲۷۴ء کو بغداد میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے۔ انہیں مختلف علوم و فنون میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ خصوصاً ہیئت اور فلسفہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ طوسی کی تصانیف کی مقبولیت کا کچھ اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی بعض کتابیں آج تک درس میں داخل ہیں ۔طوسی نے اقلیدس کا ترجمہ جو یونانی زبان میں تھی، عربی میں کیا۔ انہوں نے عربی کی ایک کتاب الطہارت فی الحکمت عملی کا فارسی میں ترجمہ کیا جو اخلاق ناصری کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ طوسی نے علم ہیئت کے متعلق کچھ نقشے بھی تیار کیے تھے جو زیچ ایلخانی کہلاتے ہیں۔ ان کی بعض تصانیف کے نام یہ ہیں: اوصاف الاشراف اور بحر المعانی۔

طوسی کا کہنا ہے کہ ان کا شیوہ بجز ارسطو کی ترجمانی کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس اعتراف کے پیش نظر ان کے محقق ہونے کی شہادت مہیا کرنا ایک غیر ضروری تکلف معلوم ہوتا ہے۔ ۳

❁

زمانے با ارسطو آشنا باش
دمے با ساز بیکن ہم نوا باش

(ص ۹۵/۴۳۹)

''ارسطو'':۔

ارسطو (Aristotle) ۳۸۴ ق م میں یونان کی ایک نوآبادی میں پیدا ہوا۔ وہ اٹھارہ سال کی عمر میں اثینیہ (Athens) آ گیا تھا۔ تین سال بعد افلاطون کی شاگردی اختیار کی۔ اس نے اثینیہ میں بیس سال قیام کیا اور ایک اسکول قائم کیا۔ افلاطون کے انتقال کے بعد ارسطو کو اثینیہ بعض ناگزیر حالات کی بنا پر چھوڑنا پڑا۔ ۳۴۲ ق م میں ارسطو کو مقدونیہ کے بادشاہ نے اپنے بیٹے سکندر کی تربیت کے لیے طلب کیا۔ سکندر، ارسطو کی شاگردی میں رہا اور یہ سلسلہ اس وقت منقطع ہوا جب ۳۳۴ ق م میں سکندر نے ایشیا پر حملے کی تیاری کی۔ ارسطو نے ۶۲ سال کی عمر میں ۳۲۲ ق م میں انتقال کیا۔

افلاطون کے شاگرد رشید، سکندر اعظم کے نامور استاد، بانی مدرسہ مشائیت (Peripatetic

School) ، جملہ فنون کے مدوّن، ارسطو کے نزدیک اخلاق کا معیار افراط وتفریط کے درمیان نقطۂ اعتدال ہے۔ اس نظریہ نے فکرِ مابعد کو اس درجہ متاثر کیا ہے کہ مسلمان فلاسفہ بلکہ دوسرے اہلِ علم بھی اعتدال ہی کو معیارِ اخلاق سمجھتے رہے ہیں؛ حالانکہ یہ کسی طرح متعین نہیں ہوسکتا کہ افراط وتفریط کے درمیان نقطۂ اعتدال کہاں ہے۔ اس لحاظ سے یہ معیار بھی قابل قبول نہیں، اور جہاں تک فضائلِ اخلاق کی تقسیم کا تعلق ہے، وہ بھی انسانی نفس کے نفسیاتی تجزیہ پر مبنی ہے۔ مثلاً شجاعت کا تعلق ارادہ، اور عفت کا جذبات سے، حکمت کا فہم سے اور عدالت کا ان سب سے ہے۔ لیکن شجاعت ایک ملکہ ہے اور ایک شخص بالطبع بہادر یا بزدل ہوسکتا ہے جس میں اس کے ارادہ کو دخل نہ ہو، اور ہم اس کی بزدلی کو اخلاق رذیلات قرار نہیں دے سکتے ۔[۴]

’’بیکن‘‘:۔

فرانسس بیکن (Francis Bacon) ۲۲ جنوری ۱۵۶۱ء کو لندن میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنی زندگی میں جس طرح عروج حاصل کیا، اسی طرح اس کا زوال بھی دیکھا۔ ۱۹ اپریل ۱۶۲۶ء کو جب بیکن کا انتقال ہوا تو وہ بہت مقروض تھا۔ حالانکہ اس سے قبل وہ بڑے سے بڑے مناصب پر فائز رہ چکا تھا۔ ۱۶۰۵ء میں اسنے (Advancement of Learning)، اپنی مشہور کتاب شائع کی۔ اس کی بعض تصانیف کے نام یہ ہیں: History of Henry VII, Reading on the Statute of Uses , Maxims of the Law.

بیکن، سائنٹفک طریق تحقیق، استقرا کا بانی متصور ہوتا ہے۔ یہ طریق کلاسیکل طریق فکر کا، جو محض نظری ہے، ردعمل ہے۔ انسان کی فکر پر چار بتوں کی پرستش اس طرح حاوی ہے کہ اس کی آزادی سلب ہوگئی ہے۔ عمل استقرا کا منشا ان بتوں کو توڑ کر فکر انسانی کو آزاد کرنا ہے۔ وہ بت حسب ذیل ہیں:

۱- The Idols of Tribe - یہ وہ تعصبات ہیں جو نسل وقوم، مرز وبوم کے متعلق ہمارے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں اور ہماری فکر کی آزادی کو سلب کیے ہوئے ہیں۔

۲- The Idols of the Care سے مراد شخصی تعصبات جو مخصوص تعلیم وتربیت سے پیدا ہوتے ہیں یا اس کے خاص افتادِ مزاج پر مبنی ہیں۔

۳- The Idols of Market Place سے مراد وہ غلط فہمیاں ہیں جن کی جڑیں زبان میں ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جن چیزوں کے لیے الفاظ ہیں، ان کا واقعی وجود بھی ہے۔ بہت سی پادر ہوا تجریدات،

تعریفات اور قیاسات بے بنیاد پر ایمان لانا اسی بت کی پوجا ہے-

۴-The Idols of the Theatre-رسوم و روایات کی کورانہ تقلید جس میں قدیم حکما کے اقوال و نظریات پر آنکھ بند کر کے ایمان لانا بھی شامل ہے-

یہ سب خرابیاں قیاسی طریقِ فکر سے، جس کا ارسطو موجد تھا، پیدا ہوئی ہیں جس میں کچھ مقدمات تسلیم کر کے ہم آگے بڑھتے ہیں- اور غیر صحت بخش رجحان کا واحد حل استقرا ہے-۵

دگر	از	شنکر	و	منصور	کم گوئے
خدارا	ہم	براو		خویشتن	جوئے

(ص ۱۰۹/۴۵۳)

''شنکر'':-

مراد شنکر اچاریہ سے ہے-

شنکر ویشنوی فرقہ کا بانی اور ویدانت فلسفہ کا گرو تھا - اس کے ایک شاگرد نے اس کے متعلق ایک مشہور کتاب شنکر او جے لکھی ہے-شنکر کی بہت سی تصانیف ہیں- اس نے بھگوت گیتا اور مہابھارت پر حاشیہ بھی لکھا تھا- اس کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات میں مورخین کے درمیان بڑا اختلاف ہے- سر آر جی بھنڈارکر کا کہنا ہے کہ شنکر ۶۸۰ء میں پیدا ہوا اور پروفیسر میکڈونلڈ نے اس کی تاریخ پیدائش ۷۸۸ء اور تاریخ وفات ۸۲۰ء بتائی ہے-

شنکر ہمہ اوست کے نظریہ کا مفسر ہے-لیکن ہمہ اوست سے دو پہلو سامنے آتے ہیں- ایک یہ کہ کثرت ہی، جس میں وحدت ظاہر ہو گئی ہے، حقیقت ہے اور وحدت کا وجود کثرت کے ماورا نہیں- اور دوسرے یہ کہ چونکہ کثرت کا اپنا کوئی وجود نہیں بلکہ کثرت میں وحدت کے ظہور سے وجود پیدا ہوا ہے، لہٰذا کثرت نمودِ محض ہے اور حقیقت وحدت ہی ہے-شنکر کو دوسرے پہلو پر اصرار ہے، لہٰذا کثرت کو نمود بے بود کہنے پر مصر ہے -۶

حوالہ کتب

۱- عمر بن محمد السہروردی، مترجم مولوی مرزا محمد ہادی - حکمت الاشراق-

۲- مولانا عبدالسلام ندوی، امام رازی

۳- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۴، ص ۹۸۰-۹۸۱

E.G. Browne - A Literary History of Persia, Vol.II pp.485-486 +

۴- ول ڈوران - مترجم مولوی احسان احمد، حکایت فلسفہ، صفحہ ۷۴-۱۲۹

\+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲، ص ۳۴۹-۳۵۵

۵- ڈاکٹر ہیرلڈ ہوفڈنگ، مترجم ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، تاریخ فلسفہ جدید، جلد ۱، صفحہ ۲۰۷-۲۴۰

Dr. S. Redhakrishnan-- The Vedanta According to Shankara and Ramanuja pp 11-224 -

Dr. S. Radhakrisnan --- The Hindu view of Life. +

جاوید نامہ

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

"عارف ہندی کہ بہ یکے از غارہائے قمر خلوت گرفتہ و اہل ہند اورا جہاں دوست می گویند"

(ص ۵۰۸/۳۶)

جہاں دوست کا اشارہ وشوامتر کی طرف ہے۔

وشوامتر ایک صاحبِ باطن بزرگ کا نام ہے۔ اس کے باپ کا نام گادھی تھا اور وہ نسلی اعتبار سے کھتری تھا۔ ایک روز وہ شکار میں مصروف تھا کہ شکار کھیلتے کھیلتے ایک خدا رسیدہ وششٹھا نامی بزرگ کے پاس پہنچا۔ وششٹھا کے پاس ایک بہت دودھ دینے والی گائے تھی۔ وشوامتر نے اس گائے کی قیمت ایک زر کثیر دینا چاہی لیکن وششٹھا نے اسے دینے سے انکار کر دیا۔ وشوامتر نے اسے بہ جبر لینا چاہا۔ گائے کے حصول کے لیے وشوامتر کو وششٹھا سے لڑنا پڑا۔ اس لڑائی میں وشوامتر کو بری طرح شکست ہوئی۔ اسے اس شکست سے بڑی تکلیف پہنچی اور اس طرح وہ ایک برہمن کی غیر معمولی طاقت کا معترف ہو گیا۔ وشوامتر نے سخت ریاضات ومجاہدات کے لیے اپنی ذات کو وقف کر دیا اور عزم کیا کہ جب تک وہ راج رشی، مہارشی اور برہم رشی کے معزز القاب حاصل نہیں کرتا، چین سے نہیں بیٹھے گا۔ وشوامتر نے اپنے اس مقصد میں اس حد تک کامیابی حاصل کی کہ خود وششٹھا نے اسے برہم رشی کہہ کر پکارا۔ یہ سب کچھ اس نے ایک طویل مدت کے مجاہدات و ریاضات کے بعد حاصل کیا۔ وشوامتر، رام کا استاد اور رفیق تھا۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ اقبال کو وشوامتر (کنادرشی) کا اثباتِ خودی پر اصرار کرنے کا رجحان پسند آیا ہے، اسی لیے انہوں نے وشوامتر کا ذکر کیا ہے۔ وشوامتر کو اصرار ہے کہ برہمیت کے تمام روحانی کمالات غیر برہمن کو بھی اپنی ذاتی جدوجہد اور ریاضات ومجاہدات کے ذریعہ حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس کے فلسفہ کا یہی پہلو ہے جس کو مرکند یا پران میں تلاش کیا جا سکتا ہے اور اس کی زندگی سے جو قصہ کہانی وابستہ ہیں، ان سے بھی یہ رجحان اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اقبال نے اسی پہلو کو اپنے نظریۂ خودی کی تائید میں کنادرشی کے حوالے سے پیش کیا ہے۔[1]

حوالہ کتب

The Encyclopaedia Indica (Hindi Edition) Calcutta, 1930, Vol. 21,

pp 637- 646.

+ The Practical Sanskrit English Dictionary, Gopal Narayan & Co,

Bombay, 1912, pp845-846

ضربِ کلیم

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

نظر حیات پہ رکھتا ہے مردِ دانشمند
حیات کیا ہے؟ حضور و سرور و نور و وجود!
(ص ۸۲/۵۸۴)

اس شعر میں اسپنوزا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

''اسپنوزا'':۔

بنی ڈکٹش ڈی اسپنوزا (Benedictus De Spinoza) ۲۴ نومبر ۱۶۳۲ء کو پیدا ہوا۔ یہ ایک متمول خاندان کا فرد تھا۔ لاطینی، جرمن، فرنچ، اطالین اور ڈچ زبانیں جانتا تھا۔ اس کی عمر بمشکل ۲۲ سال کی تھی کہ اس کے باپ کا انتقال ہوگیا۔ اسے والد کے انتقال کے بعد مختلف قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ۴۴ سال کی عمر میں اسپنوزا نے ۲۰ فروری ۱۶۷۷ء کو انتقال کیا۔

اسپنوزا دورِ جدید میں ڈیکارٹ کی طرح عقلیت کا علمبردار ہے۔ اس کا موقف یہ ہے کہ عقل نظری اور خاصۂ عقل نظری ہی وہ استعداد ہے جس سے حقیقت کا ادراک کما حقہ ہو سکتا ہے۔ اسپنوزا کو اپنے پیشرو ڈیکارٹ پر یہ بھی فضیلت حاصل ہے کہ ڈیکارٹ تو دو جواہر یعنی مادہ اور نفس کو اصل الاصول قرار دیتا ہے اور اسپنوزا ایک ہی جوہر یعنی خدا کو اصل الاصول قرار دیتا ہے اور مادہ اور نفس کو اس جوہر اصلی کے تعینات سے تعبیر کرتا ہے۔[1]

❁

حوالہ کتاب

۱۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲۱، صفحہ ۲۳۱-۲۳۹، طبع ۱۹۵۰ء

ارمغانِ حجاز

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

دگر بمدرسہ ہائے حرم نمی بینم
دلِ جنید و نگاہِ غزالی و رازی

(ص ۵۶/۹۴۸)

''غزالی'':-

محمد بن محمد ابو حامد الغزالی فلسفی، متکلم اور صوفی ۱۰۵۸ء میں طوس میں پیدا ہوئے اور جارجان اور نیشا پور وغیرہ میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۰۹۰ء میں نظام الملک نے اپنے مدرسہ کا بغداد میں مدرس مقرر کیا۔ یہاں انہوں نے اسمٰعیلیوں کے خلاف لکھنا شروع کیا۔ لیکن چار سال بعد انہوں نے دفعتہً درس وتدریس کا سلسلہ ترک کردیا اور اہل وعیال کو چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کی۔ بعد ازاں وہ تصوف کی طرف مائل ہوئے۔ انہوں نے مختلف مقامات کی سیاحت کی جن میں مکہ، مدینہ، اسکندریہ، دمشق وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد ۶۹ بتائی جاتی ہے جن میں احیاء العلوم، میزان العمل، کیمیائے سعادت، مقاصد الفلاسفہ وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ انتقال تمبر ۱۱۱۱ء میں کیا۔

غزالی کی رائے یہ ہے کہ جس طرح حواس حقیقت کو سمجھنے میں مدد نہیں دیتے اسی طرح عقل بھی بیکار ہے، اور صرف وجدان ہی سے حقیقت منکشف ہوسکتی ہے۔ اس طرح امام غزالی کے فکر نے متصوفانہ فلسفہ کی اساس مہیا کی۔ اس نتیجہ تک پہنچنے میں امام غزالی نے بہت سے فلسفیانہ نتائج پر تنقید کی اور بتایا کہ عقل نظری حقیقت کو نہیں پاسکتی۔ ان کی کتاب تہافتہ الفلاسفہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ ایک طرف اس میں فلسفیانہ نتائج کی تنقیص وتردید کی گئی ہے اور فلاسفہ کی نارسائی کو واضح کیا ہے، دوسرے اس اعتبار سے کہ تہافتہ الفلاسفہ سے ابن رشد کو تہافتہ التہافتہ لکھنے کی ترغیب ہوئی جس میں پھر فلسفیانہ نتائجِ افکار کو صحیح ثابت کرنے کی اور امام غزالی کے اعتراضات کو رد کرنے کی سعی کی گئی ہے۔[1]

حوالہ کتب

۱۔ شبلی، الغزالی

+ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج ۱۱، صفحہ ۳۲۱-۳۲۲

باب پنجم

تاریخی تلمیحات

اسرارِ خودی

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

در مصافے پیش آں گردوں سریر
دخترِ سردارِ طے آمد اسیر

(ص ۲۳/۳۹)

''دخترِ سردارِ طے'':- یمن میں طے نہایت نامور قبیلہ تھا- اس قبیلے کے رؤسا زید الخیل اور عدی بن حاتم تھے اور ان کے حدود حکومت الگ الگ تھے- عدی، مشہور حاتم طائی کے بیٹے اور قبیلہ طے کے سردار مذہباً عیسائی تھے- سلاطین عرب کی طرح ان کو بھی آمدنی کا چوتھا حصہ ملتا تھا- جس زمانے میں اسلامی فوجیں یمن گئیں، یہ بھاگ کر شام چلے گئے- ان کی بہن گرفتار ہو کر مدینہ آئیں اور اپنی رہائی کے لیے اپنے والد حاتم طائی کی شہرت اور ناموری کی سفارش پیش کی- رسول کریمؐ نے حاتم طائی کی منزلت کا لحاظ فرما کر ان کے ساتھ بڑی عزت اور احترام کا برتاؤ کیا اور انہیں آزاد کر کے رخصت کیا- یہ واقعہ ۹ھ (۶۳۰ء) کا ہے-[۱]

سبز بادا خاکِ پاکِ شافعی
عالمے سرخوش ز تاکِ شافعی

(ص ۶۸/۸۴)

''شافعی'':- امام شافعی کا نام محمد، کنیت ابوعبداللہ، لقب ناصر الحدیث ہے- ان کے جد اعلیٰ شافع بن السائب تھے - اسی نسبت سے شافعی کہلاتے تھے- امام شافعی کا نسب چند پشتوں کے بعد جا کر رسول کریمؐ سے مل جاتا ہے- نسب کے لحاظ سے جو بڑی سے بڑی بزرگی اور شرافت حاصل ہو سکتی تھی، وہ امام شافعی کو بوجہ قریشی ہونے کے

پوری طرح حاصل تھی۔تو الی التاسیس میں ہے کہ امام شافعی ۱۵۰ھ (۷۶۷ء) میں بمقام غزہ پیدا ہوئے۔ اسی سال حضرت امام ابوحنیفہؒ کا انتقال ہوا۔امام شافعی اہل سنت والجماعت کے چار مشہور اماموں میں سے ایک امام ہیں۔فن حدیث میں ان کے دو مجموعے ''مسند'' اور ''سنن'' مشہور ہیں۔فقہ میں الرسالہ ان کی ایک مستند کتاب ہے۔مالک بن انس سے تلمذ حاصل تھا۔ان کا حافظہ غیر معمولی تھا۔آپ کو عربی ادب پر بھی بڑا عبور تھا۔ شافعی مذہب کے پیرو خراسان میں بہت زیادہ ہیں۔ مصر میں ۳۰ رجب ۲۰۴ھ (۲۰ جنوری ۸۲۰ء) کو ۵۴ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ ۲

❁

فکرِ او کوکب ز گردوں چیدہ است
سیفِ بڑاں وقت را نامیدہ است
(ص ۸۴/۶۸)

اس شعر میں حضرت امام شافعی کے مقولے الوقت سیف قاطع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو انہوں نے صوفیہ سے سیکھا۔

کان یقول استفدت من الصوفیة کلمتین شریفین الوقت سیف ۔۳

(امام شافعی) کہا کرتے تھے کہ میں نے صوفیہ سے دو عمدہ باتیں سیکھی ہیں کہ وقت ایک تلوار ہے۔

قال الشافعی رضی اللّٰہ عنہ صحبت الصوفیة فلم استفد منہم سوی حرفین احدھما قولھم الوقت سیف فان لم تقطعہ قطعک و ذکر الکلمة الاخری و نفسک ان شغلتہا بالحق و الا شغلتک بالباطل ۴۔

امام شافعی کہتے ہیں کہ میں صوفیوں کے ساتھ رہا تو میں نے ان سے دو باتیں حاصل کیں۔ایک تو یہ کہ ان کا مقولہ ہے کہ وقت تلوار ہے، اگر تم اس کو نہ کاٹو گے تو یہ تمہیں کاٹ دے گی اور دوسری بات یہ کہ اگر نفس کو حق کے ساتھ مشغول نہ کرو گے تو وہ باطل کے ساتھ مشغول ہو جائے گا۔

حوالہ کتب

۱۔ شبلی، سیرت النبی، جلد ۲ صفحہ ۴۲، طبع چہارم، اعظم گڑھ
۲۔ مولانا نجم الدین سیوہاروی، سیرت الشافعی۔

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۴، صفحہ ۲۵۲-۲۵۴

۳ - امام رازی - فضائل شافعی قلمی، ورق ۶۶-۶۷

۴ - حافظ ابن قیم - الجواب الکافی، صفحہ ۲۰۹

رموزِ بیخودی

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

شاہ	عالمگیر	گردوں	آستاں
اعتبارِ		دودمانِ	گورگاں

(ص ۹۴/۱۱۰)

''عالمگیر'':- نام محی الدین محمد اورنگ زیب، کنیت ابوالمظفر اور لقب عالمگیر تھا- شاہ جہاں کا تیسرا بیٹا تھا- تاریخِ پیدائش میں اختلاف ہے- صحیح تاریخِ پیدائش ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ء) ہے- عالمگیر ۱۶۵۷ء میں تخت نشین ہوا-

عالمگیر، تفسیر، حدیث اور فقہ کا جید عالم تھا- حافظِ قرآن بھی تھا اور کامیاب انشا پرداز بھی- ترکی اور ہندی میں بھی مہارت رکھتا تھا- وہ اعلیٰ درجہ کا خطاط بھی تھا-

جادو ناتھ سرکار کے الفاظ ہیں: ''فتاوائے عالمگیری ہندوستان میں مسلمانوں کے قانون کا سب سے بڑا خلاصہ ہے جس نے بعد کے عہد میں برصغیر پاک و ہند میں اسلامی نظامِ عدل کو واضح طور پر آسان کر دیا ہے-''

(ج ۵، صفحہ ۴۷۴)

عالمگیر کے عہد میں شریعت کے مطابق جو اصلاحات عمل میں آئیں، ان میں سے چند یہ ہیں: رقص و سرود کا انسداد، محتسب کا تقرر، نشہ آور اشیاء کا استعمال موقوف، شرعی وکیل کا ممالکِ محروسہ کی عدالتوں میں تقرر اور سلامِ مسنون کا جاری ہونا - عالمگیر کا انتقال ۱۱۱۸ھ (۱۷۰۶ء) میں ہوا - اس کے پانچ بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں -[1]

گورگان، تیمور کا لقب ہے جس کے معنی لائقِ عیش و عشرت ہیں-

تخم	الحادے	کہ	اکبر	پرورید
باز	اندر	فطرتِ	دارا	دمید

(ص ۹۴/۱۱۰)

''اکبر'':- مراد شہنشاہ اکبر ہے- جلال الدین محمد اکبر ۱۵ اکتوبر ۱۵۴۳ء کو امرکوٹ میں پیدا ہوا- اسکی تاریخ وفات

۱۶ اکتوبر ۱۶۰۵ء ہے- اکبر کے کارنامے تاریخ میں جلی حروف سے ملتے ہیں- اس کے عہد کی تاریخ خود اس کے وزیر ابوالفضل نے اکبرنامہ اور آئین اکبری میں محفوظ کردی ہے- ان کتابوں میں اکبری عہد کے کارنامے بڑی تفصیل سے درج ہیں-

اکبر ۱۵۵۶ء میں تخت نشین ہوا- اس کے مذہبی خیالات ابتدا میں بڑے راسخ تھے اور اس کو صوفیہ سے بڑی عقیدت تھی- اس نے کئی مرتبہ اجمیر کا سفر پا پیادہ کیا- تخت نشینی کے بعد تقریباً بیس سال تک یہ حالت رہی- بعد ازاں اکبر لامذہبیت کی طرف مائل ہوتا گیا اور ایک نیا مذہب دین الٰہی کے نام سے ایجاد کیا لیکن یہ مذہب عوام میں مقبول نہ ہوا- اکبر کا مسلک یہ تھا کہ انسان، خدا کی عبادت اس علم کے موافق کرے جو اس کو اپنی عقل سے حاصل ہو اور عاقبت کی مسرت حاصل کرنے کے لیے انسان کو اپنی نفسانی خواہشوں پر غالب آنا چاہیے- اسے وہ کام کرنا چاہیے جس سے دوسرے انسانوں کا بھلا ہو- ظاہری پرستش کے واسطے اس کے نزدیک ستاروں اور آگ کی عظمت میں وہ علامتیں مضمر ہیں جو انسان کے دل کو خدا کی طرف لے جا سکتی ہیں- یہ اکبری مسلک، اختصار کے ساتھ، الفسٹن کی تاریخ ہند سے ماخوذ ہے-

اکبر کے مذہبی خیالات کو ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی مشہور تصنیف منتخب التواریخ میں نہایت شرح و بسط سے بیان کیا ہے اور جو لوگ اکبر کے خیالات میں ان تبدیلیوں کا باعث ہوئے تھے، وہ ان کو کاذب، ملحد، کافر، ملعون، بے دین، زندیق اور بدبخت کے الفاظ سے یاد کرتے اور ان تمام خیالات کو اسلام کی اہانت اور مسلمانوں کی مذلت بلکہ جان و مال کے نقصانات کا سبب قرار دیتے ہیں-

اکبر نے دینِ الٰہی مذہب اختیار کرنے کے بعد تقریباً تمام اسلامی شعائر ترک کر دیے تھے اور وہ رسوم اختیار کرلی تھیں جو سراسر غیر اسلامی تھیں: مثلاً صبح اٹھ کر درشن کرانے کی غرض سے جھروکے میں بیٹھنا، سورج کی پرستش کرنا، بادشاہ کو سجدہ جائز قرار دینا، گائے کی قربانی بند کرانا وغیرہ-۲

''دارا'':- مراد دارا شکوہ ہے-

دارا شکوہ، شاہ جہاں کا سب سے بڑا بیٹا ممتاز محل کے بطن سے تھا- تاریخ پیدائش ۲۰ مارچ ۱۶۱۵ء ہے- دارا ۹ اگست ۱۶۵۹ء کو اورنگ زیب کے حکم سے قتل کیا گیا- اس کے قتل کی وجہ اس کا حدود اسلام سے باہر ہونا قرار دیا گیا ہے- اس نے تصوف کو بھی بہت بدنام کیا-

علمی حیثیت سے تیموری شہزادوں میں دارا شکوہ ایک بلند مقام پر فائز نظر آتا ہے- وہ ایک باکمال مصنف، شاعر اور خطاط تھا- اس کو شروع میں تصوف اور بعد میں ہندو مذہب سے گہرا شغف ہو گیا تھا- آخر کار وہ صحیح اور خالص اسلام سے ہٹ کر عامیانہ تصوف اور پھر ہندو مذہب کی طرف مائل ہو گیا-

داراشکوہ کی تصانیف کی تعداد خاصی ہے۔ ان میں سفینۃ الاولیا جو اس کی پہلی تصنیف ہے، بہت مشہور ہے۔ اس کتاب کی تصنیف کے وقت دارا حنفی المذہب تھا اور تصوف میں سلسلہ قادریہ سے متوسل۔ آگے چل کر اس کے عقائد میں اسلامی تصوف کی شان بالکل مفقود ہوگئی۔ اس کی دوسری کتاب سکینۃ الاولیا ہے۔ ایک رسالہ رسالۂ حق نما کے نام سے بھی اس کا لکھا ہوا ملتا ہے۔ حسنات العارفین یا شطحیات اس کی چوتھی تصنیف ہے۔ دارا کی پانچویں تصنیف مجمع البحرین ہے، اس کتاب میں دارا نے اسلام اور ہندو مذہب کو ایک ہی سمندر کے دو دھارے بتایا ہے اور ان دونوں کو ملانے کی کوشش کی ہے، اور یہ بھی بتایا ہے کہ اسلامی تصوف اور فلسفہ ویدانت میں لفظی اختلاف کے سوا کوئی فرق نہیں۔ توحید کے پرستار ان دونوں میں سے جس کی بھی تقلید کریں، حقانیت کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ آگے چل کر اس کے یہی عقائد اس کے زوال اور موت کا سبب بنے۔ یہ کتاب اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلی اور آخری تصنیف ہے۔

دارا کی اپنی تصانیف یہی پانچ ہیں۔ اس کے بعد زیادہ تر اس نے ہندو مذہب کی کتابوں کے ترجمے کیے یا کرائے۔ سرِ اکبر، اوپنشد کے پچاس ابواب کا فارسی ترجمہ ہے جو داراشکوہ نے ۱۰۶۷ھ (۱۶۵۶ء) میں بنارس کے پنڈتوں کی مدد سے کیا۔ اس کتاب میں بسم اللہ کی بجائے گنیش کی تصویر دی ہے اور دیباچہ میں لکھا ہے کہ اصل قرآن یہی ہے (نعوذ باللہ)۔ ۳

اقبال نے اکبر کی لامذہبیت کی طرف اشارہ کر کے بتایا ہے کہ کس طرح وہ تیسری پشت میں دارا پر اثر انداز ہوئی اور کس طرح اکبر اور دارا نے ہند میں کفر کو فروغ دیا۔

شد	اسیرِ	مسلکے	اندر	نبرد
قائدے	از	قائدانِ	یزد	جرد

(ص ۱۰۱/۱۱۷)

"یزدجرد":- (Yezdigerd) یہاں یزدجرد سوم کی طرف اشارہ ہے۔

یزدجرد سوم، شہریار کا بیٹا تھا۔ وہ حضرت عمرؓ کے عہد میں تخت نشیں ہوا اور ۹ سال حکومت کی۔ یزدجرد نے مسلمانوں کو شکست دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا لیکن وہ خود ہر مقابلے میں شکست کھاتا تھا یہاں تک کہ مسلمانوں نے ایران فتح کر لیا۔ اس کو مسلمانوں کے مقابلے میں ہر مقام پر شکست ہوئی اور شکست کے بعد وہ ایک مقام کو چھوڑ کر دوسرے مقام پر پناہ گزین ہوتا رہا، خود کبھی شریک جنگ ہونے کی جرات نہ کر سکا۔ ۶۵۱ یا ۶۵۲ء میں کسی نے اس کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد ساسانی خاندان ختم ہوگیا۔ چونکہ یزدجرد سوم کے بعد ایران کا

کوئی ساسانی بادشاہ نہیں ہوا، اس لیے زرتشتیوں نے اس کے جلوس کے وقت سے اب تک سالوں کا شمار جاری رکھا ہے جس کا نام تقویم یزدجردی ہے، اور یہ تقویم ۱۶ جون ۶۳۲ء سے شروع ہوتی ہے۔[۴]

چوں	درفشِ	کاویانی	چاک	شد
آتشِ	اولادِ	ساساں	خاک	شد

(ص ۱۰۱ / ۱۱۷)

"درفش کاویانی": - ایرانی علم کا نام ہے۔

۶۳۶ء میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی سرکردگی میں عربوں نے قادسیہ کے میدان میں ایرانیوں کا مقابلہ کیا - تین دن تک لڑائی ہوتی رہی جس میں آخر کار ایرانیوں ہی کو شکست ہوئی - اسی جنگ میں درفشِ کاویانی عربوں کے ہاتھ لگا۔

اہلِ ایران اس جھنڈے کے متعلق یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ جس وقت دنیا میں ضحاک کی ظالمانہ حکومت کے ہزار برس گذر گئے تو ایک آہن گر نے جس کا نام کاوہ تھا، اپنا چمڑے کا پیش بند ایک نیزے کے سر پر باندھا اور اس جھنڈے کے ساتھ بغاوت کا اعلان کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ظالم بادشاہ ضحاک کو شکست ہوئی اور نوجوان شہزادہ فریدوں جو قدیم شاہی خاندان سے تھا، تخت نشین ہوا - اس وقت سے یہ جھنڈا جو کاوگ (کاوہ) کے پیش بند کا بنا ہوا تھا، شاہان ایران کا جھنڈا قرار پایا اور اسی آہن گر کے نام پر اس کا نام "درفش کاویانی" رکھا گیا - اہلِ ایران اس جھنڈے کی اس روایت کو قدیم اساطیری تاریخ کے ساتھ وابستہ کرتے تھے - اس مشہور و معروف جھنڈے کا وصف بہت سے عربی اور فارسی مصنفوں نے جن میں طبری، بلعمی، مسعودی، خوارزمی اور ثعالبی شامل ہیں، بیان کیا ہے، اس کی بعض خصوصیات فردوسی نے بھی بتائی ہیں۔

مسعودی کے بیان کے مطابق یہ جھنڈا قادسیہ کی جنگ میں ایک عرب کے ہاتھ لگا جس کا نام ضرار بن الخطاب تھا - اس نے اس کو تیس ہزار دینار میں فروخت کر ڈالا؛ حالانکہ اس کی قیمت بارہ لاکھ دینار سے کم نہ تھی - برخلاف اس کے ثعالبی نے لکھا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے "اس کو یزدجرد کے دوسرے جواہرات اور خزانوں کے ساتھ جو خدا نے مسلمانوں کو نصیب کیے تھے، شامل کر دیا اور اسی قسم کی قیمتی چیزوں کے ساتھ حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیج دیا - انہوں نے حکم دیا کہ اس کو نیزے سے اتار کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے، مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے"۔[۵]

گرچہ جاباں دشمنِ مابودہ است
مسلمے او را اماں بخشودہ است
(ص ۱۰۲/۱۱۸)

''جاباں'':- ایرانی فوج کا سردار تھا-

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا، اس نے ایرانیوں کو چونکا دیا تھا؛ چنانچہ پوران دخت نے رستم کو، جو نہایت شجاع اور صاحب تدبیر تھا، دربار میں طلب کیا اور وزیر حرب مقرر کر کے تمام اختیارات سونپ دیے اور تمام امرا و اعیانِ سلطنت کو تاکید کی کہ وہ رستم کی اطاعت سے کبھی انحراف نہ کریں- پوران دخت نے ایک فوجِ گراں رستم کی اعانت کے لیے تیار کی جس کا نرسی و جابان (Jaban) کو سپہ سالار مقرر کیا- جابان عراق کا ایک مشہور رئیس تھا اور عرب سے اس کو خاص عداوت تھی- یہ دونوں افسر مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑھے- ادھر حضرت ابوعبیدؓ ثقفی نے اسلامی فوج کو سرو سامان سے آراستہ کیا اور پیش قدمی کر کے خود حملے کے لیے بڑھے- نمارق پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں- جابان کے میمنہ و میسرہ پر دو مشہور افسر تھے جو بڑی ثابت قدمی سے لڑے لیکن بالآخر شکست کھائی اور عین معرکہ میں گرفتار ہوئے- ان میں سے ایک اسی وقت قتل کر دیا گیا لیکن جابان اس حملہ سے بچ گیا کہ جس شخص نے اس کو گرفتار کیا تھا، وہ اسے پہچانتا نہ تھا- جابان نے کہا کہ اس بڑھاپے میں میں تمہارے کس کام کا ہوں، مجھ کو چھوڑ دو اور معاوضہ میں مجھ سے دو جوان غلام لو- اس نے منظور کر لیا- بعد کو لوگوں نے جابان کو پہچانا تو غل مچایا کہ ہم ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہتے، لیکن حضرت ابوعبیدؓ ثقفی نے کہا کہ اسلام میں بدعہدی جائز نہیں -۶

ساخت آں صنعت گرِ فرہاد زاد
مسجدے از حکمِ سلطانِ مراد
(ص ۱۰۲/۱۱۸)

''سلطان مراد'':- اشارہ ہے شہنشاہ مراد اول عثمانی کی طرف-

مراد کا عہدِ حکومت تاریخ آلِ عثمان کے اہم ترین عہدوں میں ہے- مراد نے تیس سال تک حکومت کی- ان میں سے چوبیس سال میدانِ جنگ میں صرف کیے اور ہر جنگ میں کامیاب رہا- اس کا عہدِ حکومت ۱۳۵۹ء سے ۱۳۸۹ء تک رہا- اس سے پہلے ترکوں کا مقابلہ یورپ کی قوموں میں سے صرف بازنطینیوں سے ہوا تھا جن کی سلطنت اپنے زوال کی آخری منزلیں طے کر رہی تھی- لیکن مراد کی ظفریاب فوجیں ان ملکوں میں پھیل گئیں جو

یورپ کی نہایت طاقتور قوموں کے زیرنگیں تھے اور بلغاریہ، سرویا اور بوسینیا پر دولت عثمانیہ کا تسلط قائم ہوگیا۔ مراد کی فتوحات نے سلطنتِ عثمانیہ کے دائرہ اقتدار کو دریائے ڈینیوب تک پہنچا دیا۔ مراد کا عہد حکومت اپنے کارناموں کے اعتبار سے محمد فاتح اور سلیمانِ اعظم کے عہد حکومت سے کم نہیں۔

مراد نے مسیحی علاقے فتح کیے اور ان میں اسلامی حکومت بھی قائم کی لیکن عیسائیوں کو جبراً اسلام میں داخل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی، برخلاف اس کے انہیں پوری مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ گبس نے مراد کے کارناموں کو بہت سراہا ہے۔ ۷

پیام مشرق صفحہ ۷ پر اس شعر میں بھی اشارہ مراد اول ہی کی طرف ہے:

قائد	ملت	شہنشاہ	مراد

تیغ او را برق و تندر خانہ زاد

❁

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید

این دو قوت از حیات آید پدید

(ص ۱۰۵/۱۲۳)

''فرعون'':۔ قدیم مصری بادشاہ جن کے اٹھارہ خاندان مصر پر حکمران رہے فراعنہ کہلاتے تھے۔ حضرت موسیٰ کے عہد میں بھی مصر پر ایک فرعون ہی کی حکومت تھی۔ بعض فراعنہ بڑے جلیل القدر اور بعض بڑے ظالم گذرے ہیں۔ اہرام مصر انہی فراعنہ کی یادگار ہیں۔ ۸

''شبیرؓ'':۔ نام حسین وشبیر، کنیت ابوعبداللہ، رسول کریمؐ کے نواسے اور حضرت علیؓ کے فرزند اصغر تھے۔ ولادت جنوری ۶۲۶ء میں مدینہ میں ہوئی۔ حضرت امیر معاویہؓ کے بعد جب ان کا بیٹا یزید تخت نشین ہوا تو اس نے حضرت امام حسینؓ سے اپنی بیعت چاہی۔ آپؓ نے انکار کر دیا کیونکہ یزید فاسق وفاجر شخص تھا۔ حضرت امام حسینؓ ۶۰ھ (۶۸۰ء) میں مع اہل وعیال مکہ تشریف لے آئے۔ یہاں پہنچ کر اہل کوفہ کی طرف سے متعدد خطوط پہنچے کہ آپ یہاں آ کر ہمیں یزید کے مظالم سے بچایئے اور اپنی بیعت سے مشرف کیجیے۔ آپؓ کوفیوں کی دعوت پر مع اپنے جاں نثاروں اور اہل عیال کے، جو ۷۲ (بہتر) افراد پر مشتمل تھے، کوفہ روانہ ہو گئے۔ آپ کو وہاں پہنچ کر اہلِ کوفہ کی وفاداری پر شبہ ہوا اور آپؓ راستے میں کربلا میں خیمہ زن ہو گئے جہاں یزید کی فوج کے ساتھ معرکۂ کربلا پیش آیا۔ آپ نے حق کے لیے جنگ کی اور باطل کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ اس جنگ میں آپ نے اپنی اور اپنے اعزہ کی قربانی دے کر حق کو سربلند کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۰ محرم ۶۱ھ (۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء) کو جمعہ کے دن پیش آیا۔ ۹

''یزید'':- یزید حضرت امیر معاویہؓ کا بیٹا اور بنی امیہ کا دوسرا خلیفہ تھا- اس کو حضرت امیر معاویہؓ نے زیاد کی ترغیب پر اپنا ولی عہد مقرر کر دیا اور لوگوں سے اس کے حق میں بیعت لی- شامیوں نے آسانی سے بیعت کر لی، عراقیوں سے خوشامد اور دھمکی کے ساتھ بیعت کرائی- ۵۱ھ (۶۷۱ء) میں حضرت امیر معاویہؓ خود مکہ اور مدینہ کے مشاہیر سے بیعت لینے کی غرض سے گئے مگر حضرت امام حسینؓ، حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ، حضرت عبد الرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے بیعت سے قطعاً انکار کر دیا کیونکہ یزید فاسق و فاجر تھا- حضرت علیؓ کے خاندان سے اور خاندان بنو امیہ سے خلافت کے معاملے میں اختلاف شروع ہی سے چلا آ رہا تھا- تخت نشینی کے بعد یزید اس خاندان کی تباہی کے در پے ہو گیا جس کا عملی ثبوت تاریخ میں واقعۂ کربلا کے نام سے ملتا ہے-

یزید اپنی علمی قابلیت اور عربی ادب میں دستگاہ رکھنے کی وجہ سے خاصی شہرت رکھتا ہے- شاعری سے اس کی طبیعت کو بڑی مناسبت تھی- ۴ ربیع الاول ۶۴ھ (۳۱ اکتوبر ۶۸۳ء) کو اس کا انتقال ہوا- اس کے عہد میں خوارزم اور سمرقند فتح ہوئے-[۱۰]

ذوقِ جعفرؒ ، کاوشِ رازی نماند
آبروئے ملتِ تازی نماند
(ص ۱۱۹/۱۳۵)

''جعفرؒ'':- اشارہ حضرت امام جعفر صادقؒ کی طرف ہے-

آپ کا نام جعفر، کنیت ابو عبد اللہ و ابو اسمٰعیل، اور لقب صادق ہے- آپ امام محمد باقر کے خلف اکبر اور حضرت امام حسینؓ کے پڑپوتے تھے- آپ چھٹے امام ہیں- آپ کی ولادت بمقام مدینہ ۱۷ ربیع الاول ۸۰ھ (۶۹۹ء) کو ہوئی اور اسی شہر میں ابو جعفر المنصور عباسی کے عہدِ خلافت میں ۱۴۸ھ (۷۶۵ء) میں وفات پائی۔ اپنے زمانے میں علم و فضل اور اخلاق حسنہ دونوں کے اعتبار سے نہایت بلند پایہ تھے- اکثر تذکرہ نگار متفق ہیں کہ آپ کو علم حاصل کرنے میں بڑا انہماک تھا- ان کی ذات علوم و فنون کا مخزن تھی، اسی لیے کئی مرتبہ ابو جعفر منصور عباسی نے بڑی عزت کے ساتھ ان کو بغداد بلایا تا کہ ان کے علم و فضل سے فائدہ اٹھایا جا سکے-[۱۱]

مریمؑ از یک نسبتِ عیسیٰؑ عزیز
از سہ نسبت حضرتِ زہراؓ عزیز
(ص ۱۴۳/۱۵۹)

''زہراؓ'': -حضرت خدیجہؓ کے بطن سے رسول اکرمؐ کی صاحبزادی تھیں - فاطمہ نام تھا اور زہرا لقب - سال ولادت میں اختلاف ہے لیکن اس پر اکثر مورخین کا اتفاق ہے کہ نبوت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں -آپ کا عقد پندرہ سال کی عمر میں حضرت علیؓ کے ساتھ ہوا -آپ کے پانچ اولادیں ہوئیں جن میں سے محسن کا بچپن میں انتقال ہوگیا، امام حسنؓ اور امام حسینؓ صاحبزادے اور حضرت زینبؓ اور حضرت ام کلثومؓ صاحبزادیاں تاریخ اسلام میں مشہور ہیں -حضرت فاطمہؓ کا انتقال رسول کریمؐ کی وفات کے چھ ماہ بعد ۳ رمضان ۱۱ھ (۲۳ نومبر ۶۳۲ء) کو ہوا -۱۲

⁂

من	شبے	صدیقؓ	را	دیدم	بخواب
گل	ز	خاکِ	راہِ	او	چیدم بخواب

(ص ۱۴۶/۱۶۲)

''صدیقؓ '': -عبداللہ نام، ابوبکر کنیت، صدیق اور عتیق لقب -والد کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہؓ، والدہ کا نام سلمیٰ اور ام الخیرؓ کنیت تھی -حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفۂ اول ہیں -آپؓ رسول اکرم ﷺ کے وصال کے بعد باتفاقِ رائے مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہوئے -آپ کا انتخاب مہاجرین و انصار کے متفقہ فیصلے کا نتیجہ تھا-

حضرت صدیقؓ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے لبریز ہے خصوصاً انہوں نے سوا دو برس کی قلیل مدتِ خلافت میں اپنی مساعیٔ جمیلہ سے جو کام کیے وہ قیامت تک محو نہیں ہو سکتے -اس میں شک نہیں کہ خلیفۂ دوم کے عہد میں بڑے بڑے کام انجام پائے ،مہماتِ امور کا فیصلہ ہوا یہاں تک کہ روم و ایران کے دفتر الٹ دیے گئے؛ تاہم اس کی داغ بیل کس نے ڈالی؟ یہ اولوالعزمانہ روح کب پیدا ہوئی؟ خلافتِ الٰہیہ کی ترتیب و تنظیم کا سنگِ بنیاد کس نے رکھا؟ اور سب سے زیادہ یہ کہ خود اسلام کو گردابِ فنا سے کس نے بچایا؟ یقیناً ان تمام سوالوں کے جواب میں حضرت صدیقؓ اکبر ہی کا نام لیا جا سکتا ہے اور دراصل وہی اس کے مستحق ہیں -حضرت صدیق اکبرؓ نے دوشنبہ کا دن ختم کر کے ۶۳ سال کی عمر میں اواخر جمادی الثانی ۱۳ھ (۶۳۴ء) میں وفات پائی -۱۳

⁂

سبحۂ	اقلل	من	الدنیا	شمار
از	تعش	حراً	شوی	سرمایہ دار

(ص ۱۴۸/۱۶۴)

اس شعر میں حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کو نظم کیا گیا ہے:

اقلل من الدنیا تعش حراً -[۱۴]

دنیا جتنی کم کے ساتھ رکھو گے اتنے ہی آزاد رہو گے-

"پشتِ پا زن تختِ کیکاوٗس را
سر بدہ از کف مدہ ناموس را"

(ص ۱۴۸/۱۶۴)

"کیکاوٗس":- کیکاوٗس فارس کے کیانی خاندان کا دوسرا بادشاہ اور کیقباد کا بیٹا تھا- اس نے اپنی ضعیفی کے زمانے میں اپنے پوتے کیخسرو کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا- فردوسی نے شاہنامہ میں کیکاوٗس سے متعلق بہت سی روایات بیان کی ہیں جن میں رستم و سہراب کی لڑائیاں عجیب و غریب ہیں-[۱۵]

قائدِ اسلامیاں ہاروں رشید
آنکہ نقفور آبِ تیغِ او چشید

(ص ۱۴۹/۱۶۵)

"ہاروں رشید":- ہارون رشید، المہدی کا بیٹا، خاندان عباسیہ کا پانچواں خلیفہ، اپنے حقیقی بھائی الہادی کی وفات کے بعد ربیع الاول ۱۷۰ھ (۷۸۶ء) میں خلافت پر بیٹھا- اس وقت اس کی عمر ۲۲ سال کی تھی- خلیفہ ہونے کے بعد اپنے قدیم محسن یحییٰ بن خالد برمکی کو اپنا وزیر بنایا-

ہارون رشید کا عہد عباسی حکومت کا زریں دور تھا- اس کے زمانے میں دولت عباسیہ علمی، تمدنی، سیاسی ہر حیثیت سے اوج کمال پر پہنچ گئی- بیت الحکمت جس سے عباسی حکومت میں علوم و فنون کا آغاز ہوا، اسی کے زمانے میں قائم ہوا- عربی اور ایرانی تمدن کی آمیزش سے ایک ایسا تمدن پیدا ہوا جو اس دور کے اسلامی تمدن کا معیار بن گیا- ابن الطقطقی نے اس کے دورِ خلافت کی خصوصیات پر مختصر مگر جامع تبصرہ کیا ہے-

ہارون رشید کی ذات میں متضاد اوصاف جمع ہو گئے تھے- ایک طرف اس کی زندگی بڑی پُر شکوہ رنگین اور عیش پرستانہ تھی، دوسری طرف وہ بڑا دیندار اور پابندِ شریعت، علم دوست اور علماء کا قدردان تھا لیکن اس کی تعیش پسندانہ زندگی کی داستانوں میں اس کی زندگی کا مذہبی رخ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا- ۴۷ سال کی عمر میں، ۲۳ سال خلافت کرنے کے بعد، ہارون رشید نے جمادی الثانی ۱۹۳ھ (۸۰۹ء) میں انتقال کیا[۱۶]-

"نقفور":- نقفور (Nicephorus I) کو ملکہ آیرین کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر رعایا نے اپنا قیصر تسلیم کر

لیا تھا۔نقفور اور خلیفہ ہارون رشید کے درمیان کئی مرتبہ سخت لڑائی ہوئی اور ہر مرتبہ نقفور کو شکستِ فاش اٹھانی پڑی
۔

ایک عرصہ سے رومی سلطنت اور خلافت عباسیہ کے مابین یہ معاہدہ چلا آ تا تھا کہ رومی فرمانروا خلافتِ اسلامیہ کو خراج ادا کرے گا۔نقفور نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی اور ہارون رشید کو یہ خط لکھا: ''ہارون رشید کو معلوم ہو کہ مجھ سے پہلے جو ملکہ تخت نشیں تھی، وہ نہایت کمزور تھی، اس لیے تم کو خراج دیا کرتی تھی؛ حالانکہ اس رقم سے دگنا خراج تم کو ادا کرنا چاہیے تھا چونکہ وہ عورت تھی۔مرقوم ہے کہ جس قدر سلطنتِ روم سے خراج تم کو اب تک مل چکا ہے، وہ سب اور نیز وہ رقم جو اس جرم کی معافی کے سلسلے میں ادا کرنا چاہو، میرے پاس بھیج دو ورنہ میرے اور تمہارے درمیان تلوار سے فیصلہ ہوگا''۔ہارون رشید اس خط کو پڑھ کر غصہ سے بیتاب ہوگیا۔اس خط کی پشت پر وہ مشہور تاریخی خط لکھا جس میں تحریر تھا: ''اے رومی کتے! اس کا جواب وہ ہے جو تو دیکھے گا نہ کہ وہ جو سنے'' ۔ہارون رشید اسی دن فوج لے کر یونان کی طرف روانہ ہوا اور کئی شہروں کو فتح کر کے جلا دیا۔خلیفہ نے یونان کا بہت سا علاقہ فتح کر لیا یہاں تک کہ نقفور نے، جو ایک باغی کی سرکوبی میں مصروف تھا، مجبوراً صلح کے لیے التجا کی۔یہ صلح خلیفہ نے اس شرط پر قبول کی کہ نقفور ہر ششماہی پر خراج دیا کرے، لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد نقفور نے اس معاہدہ کو ختم کر دیا۔جب ہارون کو اس معاہدے کی منسوخی کا علم ہوا تو بہت برہم ہوا۔اسی وقت یونان کی سرحد کی طرف روانہ ہوا۔اگرچہ سردی بہت سخت تھی اور مسلمانوں کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی لیکن نقفور کو شکست فاش دی۔اس جنگ میں یونانیوں کی چالیس ہزار فوج کام آئی ۔نقفور کا عہد حکومت ۸۰۲ء سے ۸۱۱ء تک رہا۔[۱۷]

گفت	مالکؒ	مصطفیٰ	را	چاکرم
نیست	جز	سودائے	او	اندر سرم

(ص ۱۴۹/۱۶۵)

''مالکؒ'':۔ مالک نام، ابوعبداللہ کنیت، امام دارالہجرۃ لقب، والد کا نام انس تھا۔ ائمہ اربعہ اہل سنت و الجماعت میں سے ہیں۔آپ کے مقلد مالکی کہلاتے ہیں اور مالکی عرب اور افریقہ میں زیادہ ہیں۔

امام مالکؒ کی ولادت کا سال مختلف فیہ ہے۔مورخ یافعی نے طبقات الفقہا میں ۹۴ھ (۷۱۲ء) لکھا ہے۔ابن خلکان نے ۹۵ھ (۷۱۳ء) بتایا ہے لیکن صحیح سالِ ولادت ۹۳ھ (۷۱۱ء) ہے۔یہ تاریخ امام کے شاگردِ خاص یحییٰ بن بکیر سے مروی ہے جو مدتوں ان کی صحبت میں رہے ہیں۔سالِ وفات بالاتفاق ۱۷۹ھ (۷۹۵ء) ہے ۔اس طرح آپ نے ۸۶ برس کی عمر پائی۔ ۶۲ سال تک علم و دین کی خدمت میں مصروف رہے۔

امام مالک نے تمام تر تعلیم مدینے میں حاصل کی کیونکہ مدینہ ہی اس وقت تمام دنیائے اسلام میں علمِ دین کا مرکز تھا۔ امام مالکؒ کے تبحر علمی اور دینی معاملات میں بصیرت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود آپ کے اساتذہ آپ کے علم و فضل کے معترف تھے۔

امام مالکؒ کی تصنیفات کی تعداد بہت زیادہ نہیں۔ ان میں سے چند کتابوں کے نام یہ ہیں: موطا، رسالۃ مالک الرشید، کتاب المناسک، کتاب المسائل۔ رسالۃ مالک الرشید نام ہے آپ کے خطوط کے مجموعہ کا جو خلیفہ ہارون الرشید کو لکھے گئے۔ ان خطوط میں ہر قسم کے دینی و دنیوی نصائح ہیں۔ کتاب المناسک حج کے احکام و مسائل سے متعلق ہے اور کتاب المسائل جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، مسائل ہی کا مجموعہ ہے۔

امام کی اہم ترین تصنیف تو موطا ہے۔ اس کا سنہ تالیف بقرائن ۱۳۰ھ سے ۱۴۰ھ (۷۴۷ء سے ۷۵۷ء) تک کا زمانہ ہے۔ موطا کا موضوع صرف احکام فقیہہ ہیں، اس لیے اس میں وہ سیکڑوں ابواب و فصول نہیں ہیں جو بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں ملتے ہیں۔ موطا ان سے خالی ہے کیونکہ فقہیات سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اس بنا پر محدثین کی اصطلاح کے مطابق اس کو ''کتاب السنن'' کہنا چاہیے۔ [۱۸]

ابن	مسعودؓ	آں	چراغ	افروز	عشق
جسم	و	جانِ	او	سراپا	سوزِ عشق

(ص ۱۶۸/۱۵۴)

''ابن مسعودؓ'': ۔عبداللہ نام، ابوعبدالرحمٰن کنیت، والد کا نام مسعود اور والدہ کا نام ام عبد تھا۔

عبداللہ ابن مسعودؓ کے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک روز رسول کریم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ اس طرف سے گزرے جہاں یہ بکریاں چرا رہے تھے۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا: ''صاحبزادے! تمہارے پاس کچھ دودھ ہو تو پیاس بجھاؤ''۔ بولے: ''میں آپ کو دودھ نہیں دے سکتا کیونکہ یہ دوسرے کی امانت ہے''۔ رسول کریمؐ نے فرمایا: ''کیا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے بچے نہ دیے ہوں؟'' عرض کی: ''ہاں'' اور ایک بکری پیش کی۔ آپ نے تھن پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی یہاں تک کہ وہ دودھ سے لبریز ہو گیا۔ حضرت صدیقؓ نے اس کو علیحدہ لے جا کر دوہا تو اس قدر دودھ نکلا کہ تینوں صاحبوں نے خوب سیر ہو کر نوش فرمایا۔ اس کے بعد رسول کریمؐ نے تھن سے فرمایا خشک ہو جا، اور پھر وہ اپنی حالت پر عود کر آیا۔ اس کرشمۂ قدرت سے عبداللہ بے حد متاثر ہوئے۔ حاضر ہو کر عرض کی کہ مجھے اس موثر کلام کی تعلیم دیجیے۔ آپؐ نے شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا: ''تم تعلیم یافتہ بچے ہو''۔ غرض اس روز سے وہ معلمِ دین کے حلقۂ

تلمذ میں داخل ہوئے اور بلا واسطہ خود مہبطِ وحی والہام سے ستر سورتوں کی تعلیم حاصل کی جن میں کوئی ان کا شریک نہ تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ہمیشہ رسول کریمؐ کی خدمت میں رہنے لگے اور آپؐ نے ان کو اپنا خادم خاص بنالیا۔

عبد اللہؓ بن مسعود اس وقت ایمان لائے تھے جب مومنین کی جماعت صرف چند اصحاب پر مشتمل تھی اور مکے کی سرزمین میں رسول کریمؐ کے سوا اور کسی نے علانیہ، بلند آہنگی کے ساتھ تلاوتِ قرآن کی جرأت نہیں کی تھی۔ عبد اللہؓ بن مسعود نے اس فریضے کو انجام دیا، گو آپ کے ساتھیوں نے روکنا چاہا۔ آپ نے جوش ایمان پر برانگیختہ ہو کر کہا: ''مجھے چھوڑ دو! خدا میرا حافظ ہے''۔ جب مشرکینِ قریش نے عبد اللہؓ بن مسعود کو بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو غیظ و غضب سے مشتعل ہو کر ان پر ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ چہرہ ورم کر آیا، لیکن آپ کی زبان بند نہ ہوئی۔ جب اس حالت میں ابن مسعودؓ واپس آئے تو لوگوں نے کہا ہم اسی لیے روکتے تھے۔ بولے: ''خدا کی قسم! دشمنانِ خدا آج سے زیادہ میری نظروں میں کبھی ذلیل نہ تھے۔ اگر تم چاہو تو کل میں پھر اسی طرح ان کے مجمع میں جا کر قرآن کی تلاوت کروں''۔ ان لوگوں نے کہا: ''بس جانے دو۔ اس قدر کافی ہے کہ جس کا سننا وہ ناپسند کرتے تھے، اس کو تم نے بلند آہنگی کے ساتھ ان کے کانوں تک پہنچا دیا''۔

عبد اللہ بن مسعودؓ کے جوش و غیرت ایمانی نے رفتہ رفتہ تمام مشرکینِ قریش کو دشمن بنا دیا یہاں تک کہ انکی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر آپ ہجرت پر مجبور ہوئے اور مدینے تشریف لے آئے۔

آپؓ نے مختلف جنگوں میں، جن میں غزوۂ احد، خندق، حدیبیہ، فتح مکہ، غزوۂ حنین وغیرہ شامل ہیں، حصہ لیا اور نہایت شجاعت دکھائی۔

عبد اللہؓ ابن مسعود کو ۲۰ھ (۶۴۰ء) میں کوفہ کا قاضی بنایا گیا۔ عہدۂ قضا کے علاوہ خزانہ کی افسری، مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور والیٔ کوفہ کی وزارت کے فرائض بھی آپ کے سپرد تھے۔ آپ نے کامل دس سال تک نہایت مستعدی و خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیے۔

۳۳ھ (۶۵۳ء) میں ساٹھ برس سے کچھ زیادہ عمر پا کر آپؓ نے انتقال کیا۔ حضرت عثمانؓ نے آپ کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور عثمانؓ بن مظعون کے پہلو میں دفن کیا۔

عبد اللہؓ بن مسعود ان صحابہ میں ہیں جو اپنے علم و فضل کے لحاظ سے تمام دنیائے اسلام کے امام تسلیم کیے گئے ہیں۔ قرآن جو اصل الاصول اسلام ہے، آپ اس کے سب سے بڑے عالم تھے۔ عبد اللہؓ بن مسعود کی تفسیریں حدیث و تفسیر کی کتابوں میں بکثرت منقول ہیں۔ آپ کو قرأت میں غیر معمولی کمال حاصل تھا۔ صحاح میں بکثرت ایسی روایتیں ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ قرأت میں عبد اللہؓ بن مسعود کی پیروی کی جائے۔ عبد اللہؓ بن مسعود ان

افاضل صحابہ میں ہیں جو فقہ کے موسس و بانی سمجھے جاتے ہیں۔خصوصاً فقہ حنفی کی عمارت تمام تر آپ ہی کے سنگ اساس پر تعمیر ہوئی۔تمام صحابہ عبد اللہؓ بن مسعود کے تبحر علمی و ملکۂ اجتہاد کے معترف تھے۔

عبد اللہؓ بن مسعود کے اخلاق و طرزِ معاشرت میں، سنتِ نبوی کی پیروی کے شوق میں، ایک گونہ رسول اکرمؐ کے مکارم و محامد کی جھلک پیدا ہو گئی تھی۔[19]

از	منات	و	لات	و	عزیٰ	و	ہبل
ہر	یکے		دارد	بتے	اندر		بغل

(ص ۱۵۶/۱۷۲)

منات، پتھر کی ایک چٹان تھی۔لات، گول سپید پتھر اور اس پر ایک عمارت بنی تھی۔لات قریش کا دیوتا تھا۔ قاعدہ تھا کہ سونے سے پہلے قریش اس کی پوجا پاٹ کر لیتے تو سوتے۔قریش اس کی قسم بھی کھایا کرتے تھے۔ عزیٰ، یہ دیوی قوت و طاقت کی تھی اور ظہورِ اسلام کے وقت عرب میں شہرہ سب سے زیادہ اسی کا تھا۔یہ دیوی قبیلۂ غطفان کی تھی لیکن اس کے پجاریوں میں چونکہ آلِ غنی اور آلِ باحلہ کے ساتھ خود قریش بھی شریک ہو گئے تھے، اس لیے اس کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔اس کی مورتی نخلہ میں ایک درخت کے متصل نصب تھی۔ ابولہب جس کا اصلی نام عبد العزیٰ تھا، اس دیوی کی جانب منسوب تھا۔ابن ہشام نے اس بتکدے کی مسماری کا حال کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے۔جب مسلمانوں کو جنگِ اُحد میں شکست ہوئی اور وہ کوہِ اُحد پر چڑھ گئے تو ابو سفیان نے دامنِ کوہ میں کھڑے ہو کر مسلمانوں کو خطاب کر کے عزیٰ کی جے پکاری تھی کہ لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم، ہماری طرف عزیٰ ہے تمہاری طرف کوئی عزیٰ نہیں۔رسول کریمؐ کی تعلیم سے حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں فرمایا اللّٰہ مولانا و لا مولا لکم، اللہ ہمارا آقا ہے تمہارا کوئی آقا نہیں۔

ہبل، قریش کا معبودِ اعظم تھا۔اس کی انسان کی مورت تھی، عقیق سے بنایا گیا تھا۔اس کا داہنا ہاتھ ٹوٹا تھا۔ قریش کو اسی حالت میں ملا تھا۔انہوں نے سونے کا ہاتھ بنوا کر لگایا تھا۔عمرو ابن لحی ہبل کو موآب سے لایا تھا۔ اس کی پرستش نہ صرف قریش کرتے تھے بلکہ بنی کنانہ، بکر و مالک بھی اس کو اپنا معبود مانتے تھے۔ابوالمنذر ہشام ابن محمد کا قول ہے کہ کعبہ میں قریش کے پاس بہت بت تھے لیکن ہبل ان میں سب سے بڑا تھا۔فتح مکہ کے بعد توڑ دیا گیا تھا۔[20]

حوالہ کتب

۱۔ The Cambridge History of India, Vol. iv PP. 281-318,

+ S.M. Jaffar, The Mughal Empire

+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج۲، صفحہ ۶۹۴۔

+ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم تیموریہ، صفحہ ۲۲۲-۲۹۳

۲۔ The Cambridge History of India, Vol. iv pp. 119-123, and 217

۳۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزمِ تیموریہ، صفحہ ۳۹۶-۴۱۷۔

۴۔ پروفیسر آرتھر کرسٹن سین۔مترجم ڈاکٹر محمد اقبال۔ایران بعہد ساسانیاں صفحہ ۶۷۳-۶۸۸۔

+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲۳، صفحہ ۸۸۱، طبع چہاردہم۔

+ Sir Percy Sykes, A History of Persia, Vol, 1 PP. 489 - 502

۵۔ پروفیسر آرتھر کرسٹن سین، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال۔ایران بعہد ساسانیاں، صفحہ ۶۷۷-۶۸۱۔

+ Sir Percy Sykes, A History of Persia, Vol, 1 PP. 134 - 135

۶۔ شبلی، الفاروق، صفحہ ۹۷-۹۸، لاہور، ۱۹۶۰

۷۔ E. S. Creasy, History of the Ottoman Turks, pp. 34- 50.

+ Mark Sykes, The Caliphs' Heritage pp. 281-283.

+ ڈاکٹر محمد عزیز، دولت عثمانیہ، ج ۱، صفحہ ۳۹-۵۰۔

۸۔ تفسیر ماجدی، ج ۱، ص ۲۱، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور۔

۹۔ شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، ج ۲، صفحہ ۴۵-۵۹۔

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۲، صفحہ ۳۳۹

۱۰- طبری، ج ۲، صفحہ ۱۹۶ اور ۴۲۷- مسعودی، ج ۵، صفحہ ۱۲۶- ۱۶۵-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۴، صفحہ ۱۱۶۲- ۱۱۶۳

۱۱- Thomas William Beale, An Oriental Biographical Dictionary pp. 189.

+ Shorter Enycyclopaedia of Islam pp. 327-330.

۱۲- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۲، صفحہ ۸۵- ۸۸

۱۳- حاجی معین الدین ندوی، خلفائے راشدین، صفحہ ۱۲- ۹۴-

+ محمد حبیب الرحمٰن خاں شیروانی، سیرت الصدیقؓ-

۱۴- میدانی، مجمع الامثال از الفاروق، ج ۲، صفحہ ۱۹۲

Sir Percy Sykes, A History of Persia, Vol, 1 P. 137

۱۵- Philip K. Hitti - History of the Arabs pp. 297-300

۱۶-

+ شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، جلد ۳، صفحہ ۹۶- ۱۲۸

۱۷- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۱۶، صفحہ ۲۱۵-

+ مصباح الدین احمد، الہارون، صفحہ ۹۳- ۹۵

۱۸- مولانا سید سلیمان ندوی، حیاتِ امام مالک-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۳، صفحہ ۲۰۵- ۲۰۹

۱۹- معین الدین ندوی، مہاجرین، ج ۱، صفحہ ۲۶۳- ۳۰۰

۲۰- یاقوت الحموی، معجم البلدان، ج ۸ صفحہ ۴۴۲- ۴۴۳-

+ شیخ عبداللہ بستانی، البستان ج ۲، صفحہ ۲۵- ۴۸-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۲ صفحہ ۳۲۷

+ مولانا سید سلیمان ندوی، ارض القرآن، ج ۲، صفحہ ۲۴۳- ۲۴۸

Philip K. Hitti, - History of the Arabs p. 100

+

پیامِ مشرق

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

اے امیرِ کامگار، اے شہریار

نوجوان و مثلِ پیراں پختہ کار

(ص ۲۱/۱۹۷)

اس شعر میں امیر امان اللہ خاں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

امیر امان اللہ خاں، حبیب اللہ خاں امیر کابل کے تیسرے فرزند ہیں جو یکم جون ۱۸۹۲ء کو پیدا ہوئے۔ ۲۰ فروری ۱۹۱۹ء کو اپنے والد کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوئے۔ امیر امان اللہ خاں کے دورِ حکومت میں افغانستان نے جس قدر سیاسی اور اقتصادی ترقی اس قلیل مدت میں کی، وہ کبھی افغانستان کو حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اتحاد اسلامی کا سلسلہ افغانستان سے ترکستان تک بلا فصل قائم ہو گیا تھا۔ امیر امان اللہ نے اپنے مختصر عہد حکومت میں رفاہِ عام کے بہت سے کام انجام دیے، اس لیے امیر امان اللہ کا عہد افغانستان کی تاریخ میں ایک مبارک عہد خیال کیا جاتا ہے۔

امیر امان اللہ کی اس روز افزوں ترقی سے انگریزوں کو خطرہ لاحق ہوا، چنانچہ انہوں نے امیر امان اللہ کے

خلاف مہم شروع کردی۔کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حکومت سنبھالنے کے بعد افغانستان میں مغربی تہذیب وتمدن کو رواج دینا چاہا۔صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے لڑکیوں کی تعلیم پر بھی بڑا زور دیا۔اس پر علماء کا طبقہ سخت برہم ہوا؛ چنانچہ ۱۹۲۴ء میں جو بغاوت ہوئی،اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ عوام، امیر امان اللہ خاں کی مغرب زدگی سے بیزار تھے۔۲۸۔۱۹۲۷ء میں انہوں نے یورپ کے بعض مقامات کا دورہ کیا۔یورپ سے واپسی کے بعد غیر مقبول اصلاحات کا جاری کرنا انکے حق میں اور بھی نقصان دہ ثابت ہوا۔بالآخر ۱۹۲۸ء کے اواخر میں ایک بغاوت ہوئی اور ۱۴ جون ۱۹۲۹ء کو انہیں تخت چھوڑنا پڑا۔[1] بعد ازاں وہ یورپ کی سیاحت کے لیے روانہ ہوئے اور چند سال سوئٹزرلینڈ میں قیام کے بعد ۲۵ اپریل ۱۹۶۰ء کو انتقال کیا۔

در مسلماں شانِ محبوبی نماند
خالدؓ و فاروقؓ و ایوبیؒ نماند
(ص ۲۴/۲۰۰)

''فاروقؓ'':۔اشارہ حضرت عمر فاروقؓ کی طرف ہے۔

عمر نام، ابوحفص کنیت، فاروق لقب، والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام ختمہ تھا۔حضرت عمرؓ کا خاندان ایامِ جاہلیت سے نہایت ممتاز تھا۔آپ کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت میں رسول کریمؐ سے جا کر مل جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ خلیفۂ ثانی ہیں۔آپ کے کارنامے روزِ روشن کی طرح تاباں ودرخشاں ہیں۔آپ ان خوش نصیب انسانوں میں سے ہیں جن کے لیے خود رسول اکرمؐ نے مشرف بہ اسلام ہونے کی دعا کی ہے۔عام مؤرخین اور اربابِ سیر نے حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے کا زمانہ سنہ ۶ نبوی مقرر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ چالیسویں مسلمان تھے۔

حضرت عمرؓ نے اسلامی سلطنت کی حدود کو بہت وسیع کیا۔آپ اپنے زمانے کے بہترین حکمران، مدبّر، سیاست دان، منتظم، سپہ سالار اور زبردست فاتح تھے۔آپ نے جو وسیع سلطنت قائم کی اس کی بنیاد عدل و انصاف اور مساوات پر تھی۔

حضرت عمرؓ کو مغیرہؓ بن شعبہ کے ایک پارسی غلام فیروز نامی نے،جس کی کنیت ابولولو تھی،شہید کیا۔آپ نے ضروری وصیتوں کے بعد تین دن بیمار رہ کر محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن ۲۳ھ (۶۴۳ء) کو انتقال کیا۔[2]

''ایوبیؒ'':۔سلطان صلاح الدین ایوبی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی ۵۳۲ھ (۱۱۳۷ء) میں تکریت میں پیدا ہوئے جبکہ ان کے والد نجم الدین وہاں

کے حاکم تھے۔صلاح الدین کی ولادت کے بعد ہی نجم الدین کو تکریت چھوڑنا پڑا اس لیے صلاح الدین کی پیدائش نا مسعود خیال کی گئی، لیکن یہی مولود نا مسعود، آگے چل کر جنگِ صلیبی کا ہیرو بنا۔صلاح الدین برابر باپ کے ساتھ رہے۔دمشق پر نور الدین کے قبضے کے وقت ان کی عمر سولہ سترہ سال سے زیادہ نہ تھی۔اس وقت سے وہ برابر نور الدین کے ہمراہ رہے۔اس زمانے میں ان میں بلند اقبالی کے آثار نمایاں تھے، اس لیے ان پر نور الدین کی بڑی توجہ ونظر تھی اور وہ انہیں بہت مانتا تھا۔ان کے فیضِ صحبت وتربیت سے صلاح الدین میں وہ کمالات پیدا ہوئے جنہوں نے آگے چل کر ان کو صلاح الدین اعظم بنایا۔۳

سلطان صلاح الدین ایوبی کے اقتدار کو مغربی ایشیا کے تمام سلاطین نے چند سال کے عرصے ہی میں تسلیم کر لیا تھا۔صلاح الدین نے مصر و شام پر تقریباً بیس برس حکومت کی۔ ۲۷صفر ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) کو انتقال ہوا۔

سلطان کی موت تنہا صلاح الدین یوسف فرمانروائے مصر و شام کی موت نہ تھی بلکہ اس مجاہدِ جلیل کی موت تھی جو تمام عمر اسلام کی طرف سے تنہا، متحدہ عیسائی دنیا کا مقابلہ کرتا رہا اور جس نے مرتے مرتے بھی تثلیث کے مقابلے میں اسلام کے علم کو سربلند رکھا، اس لیے اس کی موت پر تمام دنیائے اسلام نے اظہارِ غم کیا۔

سلطان نور الدین کی طرح صلاح الدین بھی تنہا شمشیر زن مجاہد ہی نہ تھا بلکہ فضائل اخلاق کا بھی مکمل نمونہ تھا۔ان کے فضائل ومناقب وکمالات بے شمار ہیں۔ان کی سیرت واخلاق کے متعلق ان کے رفیقِ خاص قاضی بہاء الدین ابن شداد کا بیان ملاحظہ ہو، جنہوں نے ان کے عدل، ان کی شجاعت، ان کی رحم دلی اور رعایا کے ساتھ ان کی شفقت ومحبت کا حال بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔۴

سریر کیقباد ، اکلیلِ جم خاک
کلیسا و بتستان و حرم خاک
ولیکن من ندانم گوہرم چیست
نگاہم برتر از گردوں ، تنم خاک

(ص ۲۱۳/۳۷)

''کیقباد'': ۔کیقباد، خاندان کیانی کا، جو فارس کا دوسرا حکمران خاندان ہے، پہلا بادشاہ تھا۔منوچہر کی اولاد میں گذرا ہے۔فردوسی نے شاہنامہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔اس نے بڑے طویل عرصے تک حکومت کی اور چار بیٹے چھوڑے۔ ۵

۞

طارق | چو | بر | کنارۂ | اندلس | سفینہ | سوخت
گفتند | کار | تو | بہ | نگاہ | خرد | خطاست

(ص ۱۰۴/۲۸۰)

"طارق"- مراد ہے فاتح اندلس طارق بن زیاد سے-

طارق نسلاً بربری، افریقہ کے باشندے اور موسیٰ بن نصیر کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھے- فوجی خدمات پر مامور رہے- پہلے طنجہ کے والی بنائے گئے تھے- کاؤنٹ جولین سے ان کے مراسم پہلے سے قائم تھے اور فتحِ اندلس کی ابتدائی گفتگو میں شریک تھے- لشکر گویا بربریوں پر مشتمل تھا، اس لیے سپہ سالاری کے لیے طارق کا انتخاب موزوں ہو سکتا تھا- طارق ابتداً میں سات ہزار کے لشکر کے ساتھ اندلس کی فتح کے لیے روانہ ہوئے، بعد ازاں پانچ ہزار کی کمک اور روانہ کی گئی- اس طرح فاتحِ اندلس کی فوج کی مجموعی تعداد بارہ ہزار تھی- یہ بارہ ہزار مجاہد ایک لاکھ فوج کے مقابل صف آرا ہوئے تھے، دشمن کو شکست دی اور اندلس پر قبضہ کیا- اس موقع پر طارق کی اس تقریر کے چند ٹکڑے جو انہوں نے اندلس پر حملہ کرنے سے پہلے کی، نقل کیے جاتے ہیں جن سے مجاہدین اور امیرِ لشکر کے کردار پر روشنی پڑتی ہے کہ وہ کن صفات کے حامل تھے:

"مسلمانو! یہ خوب سمجھ لو اب تمہارے بھاگنے کی جگہ کہاں ہے- سمندر تمہارے پیچھے ہے اور دشمن تمہارے آگے- خدا کی قسم اب سوائے پامردی و استقلال کے تمہارے لیے کوئی چارہ باقی نہیں رہا- یہی دونوں طاقتیں ہیں جو مغلوب نہیں ہو سکتیں- یہی دونوں فتح مند فوجیں ہیں جنہیں فوج کی قلتِ تعداد نقصان نہیں پہنچا سکتی ------ سمجھ لو! تم اس جزیرہ میں ایسے ہی ہو جیسے یغمائی بخیلوں کے دسترخوان پر ہوتے ہیں، تمہارے دشمن اپنی فوج اور سامانِ جنگ کے ساتھ تمہارے سامنے آ چکے ہیں ------ تمہارے پاس کوئی سامان نہیں بجز تمہاری تلواروں کے- تمہارے لیے کوئی رسد نہیں سوا اس کے کہ تم اپنے دشمنوں سے چھین کر حاصل کر لو------ امیر المومنین ولید بن عبد الملک نے تم جیسے بہادروں کو اس لیے منتخب کیا ہے کہ تم اس جزیرہ کے تاجداروں اور رئیسوں کے داماد بن جاؤ- یہاں کے بہادروں اور شہسواروں سے دو دو ہاتھ کر لو- تم اس جزیرہ میں اللہ کے بول اور اس کے دین کو سربلند کرنے آئے ہو اور اس کا اجر پاؤ گے- یہاں کا مالِ غنیمت صرف تمہارے ہی واسطے ہے- تم جس عزم پر استوار رہو گے، اللہ اس میں تماری مدد کرے گا اور دونوں جہانوں میں تمہارا نام باقی رہ جائے گا- ۱"

طارق نے ۲۷ رمضان ۹۲ھ (۱۹ جولائی ۷۱۱ء) کی یادگار صبح کو یہ حملہ کیا- ان کی فوجوں نے جس مقام پر قیام

کیا، وہ آج تک جبل الطارق کے نام سے مشہور ہے۔ غرض کہ طارق نے راڈرک اور اس کے ہمراہیوں کو شکست دی اور اندلس پر قبضہ کر لیا اس طرح وہاں اسلامی نظام حکومت کی بنیاد پڑی۔ ۷

آدم از بے بصری بندگی آدم کرد
گوہرے داشت ولے نذر قباد و جم کرد
یعنی از خوئے غلامی ز سگاں خوار تر است
من ندیدم کہ سگے پیش سگے سر خم کرد

(ص ۱۰۸/ ۲۸۴)

''قباد'':۔ قباد ساسانیوں کا انیسواں بادشاہ تھا۔ اس کے عہد میں وزیر سوخرا (پدر بزرجمہر) کا عمل دخل تھا۔ جب وہ بہت حاوی ہو گیا تو قباد نے سپہ سالار شاپور کی مدد سے اس کو قتل کیا۔ اس کی تخت نشینی کے دس برس بعد مزدک کا ظہور ہوا۔ قباد کو فنِ تعمیر سے بڑی دلچسپی تھی۔ اس نے طبرستان میں متعدد عمارتیں بنوائیں۔ قباد کے آٹھ بیٹے تھے۔ ان میں نوشیرواں کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ اس نے ۴۰ سال حکومت کی اور ۵۳۱ء میں انتقال کیا۔ ۸

برہمنے بہ غزنوی گفت کرامتم نگر
تو کہ صنم شکستہ ای بندہ شدی ایاز را

(ص ۱۲۱/ ۲۹۷)

''غزنوی'':۔ اشارہ سلطان محمود غزنوی کی طرف ہے۔

محمود غزنوی، سلطان ناصر الدین سبکتگین کا بڑا بیٹا تھا۔ ۹۹۸ء میں تخت نشین ہوا۔ وہ ایک مجاہد کی حیثیت سے برصغیر پاک و ہند آیا اور سترہ حملے کیے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور حملے نگرکوٹ، متھرا، اجین، اجمیر، تھانیسر، قنوج اور سومنات کے ہیں۔ اسی سومنات کے حملہ کے موقع پر محمود کو ایک گراں قدر رقم اس لیے پیش کی گئی تھی کہ وہ سومنات کی فتح کے بعد مندر کے بتوں کو نہ توڑے۔ محمود نے اس رقم کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ میں بت شکن کہلانا پسند کرتا ہوں نہ کہ بت فروش! محمود کے زمانے میں پنجاب حکومتِ غزنی میں شامل ہو گیا تھا۔ اس کے عہد میں علم و ہنر کو بڑا فروغ ہوا۔ ہر قسم کے اہلِ علم اس کے دربار میں حاضر رہتے اور وہ خوب ان کی قدر دانی کرتا۔ محمود نہایت شائستہ، زندہ دل، سادہ مزاج اور خلیق تھا۔ اس کے اہلِ علم و فضل درباریوں میں البیرونی اور فردوسی

کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ محمود کی تاریخِ پیدائش ۱۵ دسمبر ۹۶۷ء اور تاریخ وفات ۳۰ اپریل ۱۰۳۰ء ہے۔ اس کا مدفن غزنی میں ہے۔۹

❁

بیا کہ ساقیِ گل چہرہ دست بر چنگ است
چمن ز بادِ بہاراں جوابِ ارژنگ است

(ص ۱۲۱/۲۹۷)

''ارژنگ'':۔ مانی (Manichaeus) نے ۲۴۵ء میں شاپور اول کے عہد میں ایک نئے مذہب کے بانی ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ حضرت عیسیٰ کے بعد جس تسلی دہندے کے پیدا ہونے کی خبر دی گئی ہے، وہ میں ہی ہوں۔ عوام نے اس پر یقین کیا اور اس کے پیرو ہو گئے۔ شاپور اس حرکت پر بہت ناراض ہوا؛ چنانچہ مانی چین کی طرف بھاگ گیا اور عرصہ تک غائب رہا۔ اس کے پیرو یہ سمجھتے رہے کہ وہ آسمان پر چلا گیا ہے اور پھر ظاہر ہو گا۔ اس دوران مانی نے نادر و نایاب تصاویر بنائیں اور ضعیف الاعتقاد اشخاص کو یہ یقین دلایا کہ فنِ مصوری کے یہ اعلیٰ نمونے خدا کی طرف سے آئے ہیں۔ یہ تصاویر ایک کتاب کی صورت میں محفوظ کی گئی تھیں جس کو ارژنگ یا ارتنگ کہتے ہیں۔ مانی کے مقلدین نے بعض معجزات بھی اس کی طرف منسوب کیے ہیں۔ بالآخر بہرام اول نے مانی کو اس کے دشمنوں کے حوالے کر دیا جنہوں نے اسے قتل کر دیا۔۱۰

❁

از خاکِ سمرقندے ترسم کہ دگر خیزد
آشوبِ ہلاکوئے، ہنگامۂ چنگیزے

(ص ۱۲۸/۳۰۴)

''ہلاکو'':۔ ہلاکو تاآن، ایلخان بھی کہلاتا ہے۔ تولی خان کا بیٹا، چنگیز تاتاری کا پوتا اور چوتھا جانشین تھا۔ ۱۲۵۳ء میں ایران کی سلطنت سے، جو اس کے باپ کے حصے میں آئی تھی، ایشیائے کوچک کا حصہ ملحق کر کے اس کو اور وسعت دی اور خاندان ایلخانی کی بنا ڈالی۔ ۱۲۵۶ء میں ایران کے ایک مشہور فرقہ اسمٰعیلیہ کی بیخ کنی کی۔ ہلاکو نے ۱۲۵۸ء میں بغداد کا محاصرہ کیا۔ خلیفہ مستعصم باللہ کو، جس کی حکومت بہت کمزور ہو چکی تھی، شکست دی۔ اس شکست میں ہلاکو نے لاکھوں انسانوں کو تہِ تیغ کیا، شہر کو خوب لوٹا، سخت وحشیانہ حرکات کیں، کتب خانہ جلا دیا اور مسجدوں کی بے حرمتی کی۔ اسی دوران اس کے بھائی کا انتقال ہو گیا، اس لیے اس کو شام کی طرف جانا پڑا، جہاں وہ ۸ فروری ۱۲۶۵ء کو بارہ سال حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا۔ یہی تاتاری خاندان آگے چل کر شرف بہ

اسلام ہوتا ہے اور اسلام کا پاسباں بنتا ہے۔"[11]

"چنگیز": ۔چینی تا تار کے ان بلند اور وسیع میدانوں میں جو منگولیا کہلاتے ہیں، چند خانہ بدوش قومیں رہتی تھیں جو ایک ہی مورث کی اولاد تھیں ۔ نہایت خونخوار، سخت دل اور جنگ جو ۔ اسی قوم میں ۱۱۶۲ء میں چنگیز خاں پیدا ہوا ۔ ۱۳ سال کی عمر میں باپ کا جانشین ہوا ۔ اس وقت متفرق طور پر ہر قوم کا جداجدا سردار تھا ۔ اس کا باپ بھی ایک سردار تھا، اس کو اپنے گروہ سے بہت تکلیف اٹھانی پڑی تھی ۔ لوگ اس کی جان کے درپے تھے اور اس کو سردار بنانا نہیں چاہتے تھے لیکن اس نے کئی سال کی مسلسل کوشش کے بعد اپنے دشمنوں پر کامل فتح حاصل کی اور بالآخر تمام متفرق اقوام کو متحد کر کے ۱۱۸۹ء میں ان کا بادشاہ بن گیا اور خاقان کا لقب اختیار کیا اور قراقرم دارالسلطنت بنایا ۔ اس کے بعد اس نے جنوب و مغرب کی طرف رخ کیا ۔ ۱۲۱۸ء میں اس نے تقریباً کل تا تار اور چین کو اپنا ماتحت بنایا ۔ خوجند، بخارا، سمرقند، بلخ، نیشاپور، ہرات، رے وغیرہ اس نے فتح کیے اور دنیا کے نامور فاتحین میں شمار ہوا ۔ ۱۸ اگست ۱۲۲۷ء کو اس کا انتقال ہوا ۔ چنگیز، جہانگیر کے ساتھ جہاندار بھی تھا ۔ اس نے حکومت کے باقاعدہ قوانین وضوابط مرتب کیے جو یاسا کے نام سے موسوم تھے ۔ جوینی نے ان کو نقل کیا ہے ۔ جوینی کا بیان ہے کہ تا تار کا علاقہ بیابان سے ایوان مسرت بن گیا تھا ۔[12]

مزدک

(ص ۱۵۱/ ۳۲۷)

"مزدک": ۔مزدک کی شخصیت کے بارے میں ہمارے پاس اطلاعات بہت کم ہیں ۔ بعض عربی مصنفوں کا بیان کہ وہ پیا کا رہنے والا تھا، غلط ہے اس لیے کہ پیا زرتشت کا وطن تھا نہ کہ مزدک کا ۔ بقول طبری مزدک کی جائے پیدائش مادریہ (؟) تھی ممکن ہے اس سے مراد شہر مادرایا ہو جو دریائے دجلہ پر اس جگہ واقع تھا جہاں اب قوت العمارہ ہے ۔ مزدک کا نام ایرانی ہے اور اس کے باپ بامداز کا نام بھی ایرانی ہے ۔ بقول دینوری وہ اصطخر کا رہنے والا تھا اور تبصرۃ العوام میں لکھا ہے کہ وہ تبریز میں پیدا ہوا ۔

مانی کی طرح مزدک بھی ایک نئے مذہب کا بانی تھا ۔ مانی نے نور کے پانچ عنصر مانے ہیں: ایثر، ہوا، روشنی، پانی اور آگ لیکن مزدک نے تین عنصر تسلیم کیے ہیں: پانی، آگ اور خاک ۔ مزدک کا کہنا تھا کہ زر، زمین اور زن کو انسانوں میں مشترک ہونا چاہیے ۔ [13]

موسیولینن وقیصر ولیم

(ص ۱۵۷/۳۳۳)

"لینن": -مشہور روسی انقلاب پسند اور مادہ پرست، کارل مارکس کے فلسفے کا شارح، بالشوزم کا بانی، روس کا پہلا صدر ۱۸۷۰ء میں بمقام سمبرسک پیدا ہوا- اس نے سینٹ پٹرس برگ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی اور اس کا اصلی نام (Vladimir Ilitch Ulianov) ولادیمر الچ اولیانوف تھا- اس کا باپ اسکولوں کا انسپکٹر تھا، اس لیے بچپن ہی سے اس کو پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا-

۱۸۸۷ء میں لینن کے بڑے بھائی کو زارِ روس کے خلاف سازش کے جرم میں پھانسی دی گئی- اس واقعہ کا اس پر بڑا اثر ہوا اور ہمیشہ کے لیے انقلابی بن گیا اور چونکہ زبردست قوتِ ارادی کا مالک تھا، اس لیے اس نے تیس سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد عصرِ حاضر کا سب سے بڑا انقلاب برپا کر کے دنیا کو متحیر کر دیا-

لینن نے ۱۸۹۷ء سے اشتراکیت کی اشاعت کو اپنا نصب العین قرار دیا- ۱۸۹۸ء میں اسے تین سال کے لیے مشرقی سائبیریا میں جلاوطن کر دیا گیا- ۱۹۰۲ء میں اس نے روس کو خیرباد کہا اور ٹراٹسکی کے ساتھ مل کر اشتراکیت کی اشاعت کے لیے ایک رسالہ نکالا- روس کا ۱۹۱۷ء کا انقلاب اسی کی کوششوں کا رہینِ منت ہے- لینن نے ۱۹۲۴ء میں انتقال کیا- [۱۴]

"قیصر ولیم": -قیصر ولیم شہنشاہ جرمنی ۲۷ جنوری ۱۸۵۹ء کو بمقام برلن پیدا ہوا- اس نے باقاعدہ فوجی تعلیم حاصل کی اور ابتدا ہی سے امورِ مملکت میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا- اپنے باپ فریڈرک سوم کا جانشین بنتے ہی اس نے نظامِ سلطنت کے سنبھالنے میں بڑی دانائی کا ثبوت دیا- ولیم نے متعدد بیرونی درباروں کو خود جا کر دیکھا- اس کی مطلق العنان حکمتِ عملی کی وجہ سے شہزادہ بسمارک کو مستعفی ہونا پڑا- ولیم سختی سے اس اصول کا حامی تھا کہ اسے سلطنت خدا کی طرف سے ملی ہے- وہ بیک وقت ایک اچھا سپاہی، فن کار اور شاعر تھا- پہلی جنگِ عظیم (۱۹۱۴-۱۸ء) کے آغاز کے جہاں اور اسباب تھے، وہاں اس کے حاکمانہ غرور و اقتدار اور اس کی مطلق العنان حکمتِ عملی کو بھی بڑا دخل تھا- اس جنگِ عظیم میں دنیا کے تقریباً تمام ملکوں نے حصہ لیا- آخر میں جرمنی کو شکست ہوئی- شکست کے بعد قیصر ولیم کو تخت چھوڑنے پر مجبور کیا گیا- اس نے ۹ نومبر ۱۹۱۸ء کو تخت چھوڑ کر مرنے کے وقت تک (۴ جون ۱۹۴۱ء) ہالینڈ میں جلاوطنی کی زندگی بسر کی- پہلی جنگِ عظیم کے آغاز سے قبل اس کے دورِ حکومت میں جرمنی نے بڑی ترقی کی- [۱۵]

می خورد ہر ذرۂ ما پیچ و تاب
محشرے در ہر دمِ ما مضمر است

با سکندر خضر در ظلمات گفت
مرگ مشکل ، زندگی مشکل تر است

(ص ۳۴۱/۱۶۵)

''سکندر'':۔سکندر (Alexander the Great) ۳۵۶ ق م میں فیلقوس شاہ مقدونیہ کے صلب اور ملکہ المپاس کے بطن سے پیدا ہوا۔حکیم ارسطو سے تعلیم وتربیت حاصل کی۔سکندر بمشکل بیس سال کا تھا کہ ۳۳۶ ق م میں تخت نشین ہوا۔۳۲۶ ق م میں اس نے ہندوستان کا رخ کیا۔جہلم کے قریب پنجاب کے راجا سے جنگ ہوئی۔اس میں راجا کا بیٹا قتل ہوا اور راجا کو شکست بھی ہوئی مگر سکندر نے ملک راجا کو واپس کر دیا۔سکندر اعظم کی فتوحات کا سلسلہ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اس نے دنیا کا بڑا حصہ فتح کر لیا تھا۔اس کا شمار دنیا کے مشہور فاتحین میں ہوتا ہے۔[۱۶]

سکندر اور خضر کی ملاقات چشمۂ حیواں پر کس طرح ہوئی اور یہ روایت کہاں سے چل نکلی ، یہ اور اس قسم کے بہت سے واقعات سکندر کی زندگی سے وابستہ ہیں۔سکندر نے آبِ حیواں کو پینا چاہا لیکن نہ پی سکا، اس لیے وہ ابدی زندگی بھی حاصل نہ کر سکا۔یہ روایت کہ سکندر آبِ حیواں کی تلاش میں نکلتا ہے، سب سے پہلے ہمیں سامی ادب میں ملتی ہے اور بڑی تفصیل کے ساتھ وہاں بتایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ سکندر اور اس کا باورچی انڈریاس (Andreas) ایک طویل سفر پر چشمۂ حیواں کی تلاش میں نکلے۔دوران سفر سکندر کے باورچی نے نمک میں لگی ہوئی مچھلی کو ایک چشمے میں دھویا۔مچھلی کا پانی میں پہنچنا تھا کہ وہ زندہ ہو گئی اور کہیں چشمہ میں چلی گئی۔ انڈریاس خود بھی اس چشمے میں کود پڑا اور اس طرح ابدی زندگی حاصل کر کے باہر نکل آیا۔ جب اس نے یہ واقعہ سکندر سے بیان کیا تو سکندر نے کہا یہی وہ چشمہ ہے جسے آبِ حیواں کہا گیا ہے۔سکندر نے اس کے تلاش کرنے کی ہر چند کوشش کی لیکن وہ چشمہ دوبارہ نہ ملا اور سکندر کو ابدی زندگی بھی نہ ملی ، وہ ابدی زندگی جو اس کے باورچی کے حصہ میں آ چکی تھی جو نہیں جانتا تھا کہ اس ابدی زندگی کو کیا کیا جائے۔[۱۷]

حوالہ کتب

۱۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ا صفحہ ۲۷، مطبوعہ ۱۹۵۰ء

۲۔ معین الدین ندوی، خلفائے راشدین، صفحہ ۹۵-۲۸۴

۳- ابن خلکان، ج ۲، صفحہ ۲۷۰

۴- شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام حصہ چہارم، صفحہ ۳۵۸-۲۹۴

Sir Percy Sykes-A History of Persia,Vol.1 pp.136-137

-۵

۶- نفح الطیب، ج ۱، صفحہ ۱۱۲- کتاب الامامۃ والسیاسہ، ج ۲، صفحہ ۶۰

۷- سید ریاست علی ندوی، تاریخ اندلس حصہ اول، صفحہ ۷۱-۱۰۴-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۴، صفحہ ۶۶۶

Sir Percy Sykes-A History of Persia,Vol.1 pp.441-462

-۸

Dr. Ishwari Prasad, Medieaval India, pp. 125-169

-۹

۱۰- پروفیسر آرتھر کرسٹن سین، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال، ایران بعہد ساسانیاں صفحہ ۱۰

+ سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، ج ۴، صفحہ ۲۷۲

۱۱- شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام حصہ چہارم، صفحہ ۴۰۶-۴۱۵-

+ Sir Percy Sykes, A History of Persia,Vol.II, pp.93-98

۱۲- جوینی، تاریخ جہانگشائے، ج ۱، صفحہ ۱۵-۱۶-

+ شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام حصہ چہارم صفحہ ۳۶۶-۳۶۸

Chambers's Biographical Dictionary, p 401+

۱۳- پروفیسر آرتھر کرسٹن، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال ایران بعہد ساسانیان، صفحہ ۴۵۰-۴۶۲

Sir Percy Sykes-A History of Persia,Vol.1 pp.442-444

+

۱۴- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۳، صفحہ ۹۱۱-۹۱۴

+ Chambers's Biographical Dictionary, p 583

Wallace C. Caldavell, The New Popular History of the

World. p.467 -۱۵

+ Sir Winston Churchill,The Second World War,Vol 1 pp.57

+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۳۳، صفحہ ۶۱۴-۶۱۸

۱۶- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱، صفحہ ۵۶۶-۵۷۲-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۲، صفحہ ۵۳۲-۵۳۴

۱۷- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۲، صفحہ ۸۶۱-۸۶۵

بانگِ درا

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

ناتوانی	ہی	مری	سرمایۂ	قوت	نہ	ہو
رشکِ	جامِ	جم	مرا	آیئنہ	حیرت	نہ	ہو

(ص ۵۴/۳۸)

"جامِ جم": -مراد پیالہ جمشید جو حکمائے فارس نے بنایا تھا کہ اس کے ذریعہ سے ہفت آسمان کا حال معلوم ہو جاتا تھا اور اس کو جام جہاں نما بھی کہتے ہیں، لیکن شرف نامہ معروف بہ سکندرنامہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ پیالہ کیخسرو نے بنایا تھا اور بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ کیخسرو نے اس میں کچھ اضافہ کر دیا تھا - ایشیائی لوگوں کا خیال ہے کہ جامِ جم سے تمام عالم کا حال معلوم ہو جایا کرتا تھا - صحیح اتنا ہے کہ اس میں خطوط کھدے ہوئے تھے اور ان خطوط کی مدد سے حساب لگا کر ستاروں کی گردش اور ان کا اثر معلوم ہو جایا کرتا تھا - لیکن اصل بات یہ ہے کہ جس وقت جمشید نے شراب ایجاد کی تو اس کے لیے جو ساغرِ شراب بنایا، اس کا نام جامِ جم یا جامِ جمشید تجویز کیا - چونکہ شاہانہ تکلف مشہور ہے اس لیے یہ پیالہ طرح طرح کی صفتوں سے تیار کیا گیا تھا -۱

ہے اس کی طبیعت میں تشیّع بھی ذرا سا
تفضیلِ علیؓ ہم نے سنی اس کی زبانی

(ص ۷۵/۹۱)

"علیؓ": -علی نام، ابوالحسن اور ابوتراب کنیت، حیدر لقب امیر المومنین خطاب تھا - آپ خلیفۂ چہارم، رسول کریمؐ کے حقیقی چچازاد بھائی اور داماد تھے - رسولِ اکرمؐ کی چہیتی بیٹی فاطمہؓ آپ کی بیوی تھیں اور امام حسنؓ اور امام حسینؓ آپ کے صاحبزادے - آپ کی تاریخ وفات ۲۱ رمضان ۴۰ھ (۶۶۱ء) ہے - آپ کی خلافت کی مدت چار سال نو ماہ ہے - مزار آپ کا نجف میں ہے - حضرت علیؓ علومِ ظاہری و باطنی میں کامل تھے - صوفیہ کے اکثر سلسلے آپ ہی سے شروع ہوتے ہیں -۲

عاشق عزلت ہے دل، نازاں ہوں اپنے گھر پہ میں
خندہ زن ہوں مسندِ دارا و اسکندر پہ میں

(ص ۸۰/۹۶)

"دارا": -دارا (Darius III) یا داراب سوم، کیانی خاندان کا نواں بادشاہ تھا جو اپنے باپ دارادوم کے بعد تخت نشین ہوا - ۳۳۱ ق م میں سکندر اعظم سے نبرد آزما ہوا لیکن باوجود ایک کثیر التعداد فوج کے سکندر کے مقابلہ میں شکست کھائی اور قتل ہوا - اس طرح دارا کی دولت و حکومت سکندر کے قبضہ میں آئی - دارا فارس کا بہت مشہور بادشاہ ہوا ہے -۳

وہی اک حسن ہے، لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
یہ شیریں بھی ہے گویا، بے ستوں بھی، کوہکن بھی ہے

(ص۸۷/۱۰۳)

اقبال نے اس شعر میں دنیائے شعر کے دو مشہور کرداروں کی طرف اشارہ کیا ہے۔شیریں اور کوہکن یعنی فرہاد

''فرہاد'':۔ فرہاد،شیریں سے جوخسرو پرویز،بادشاہ فارس کی کنیز تھی محبت کرتا تھا۔خسرو نے اس کو دے دینے کا وعدہ اس شرط پر کیا کہ فرہاد فارس کی مشہور پہاڑی بے ستون کو تراش کر اس میں سے ایک چشمہ نکال دے۔چنانچہ وہ عرصے تک اپنی محبوبہ کے لیے حکم کی تعمیل کرتا رہا۔اپنے مقصد کے قریب ہی پہنچا تھا کہ خسرو پرویز نے اس خوف سے کہ مبادا فرہاد کامیاب ہو جائے،ایک بڑھیا کے ذریعہ اس تک یہ خبر پہنچائی کہ شیریں کا انتقال ہوگیا۔اس خبر کو سن کر فرہاد نے اپنی جان دے دی۔[۴]

سنایا ہند میں آ کر سرودِ ربانی
پسند کی کبھی یوناں کی سرزمیں میں نے

(ص۹۲/۱۰۸)

اس شعر کے پہلے مصرع میں شری کرشن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

''شری کرشن'':۔ ہندوؤں میں خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو شری کرشن کو خدا کا اوتار مانتے ہیں۔مہابھارت کی لڑائی میں انہوں نے جو مذہبی تعلیم ارجن کو دی،وہ آج ''بھگوت گیتا'' کی شکل میں موجود ہے۔[۵]

دیارِ ہند نے جس دم مری صدا نہ سنی
بسایا خطۂ جاپان و ملکِ چیں میں نے

(ص۹۲/۱۰۸)

یہاں اشارہ گوتم بدھ کی طرف مقصود ہے۔

''بدھ'':۔ بدھ کے معنی روشن ضمیر کے ہیں۔ان کا اصلی نام سدھارتھ تھا۔انہیں گوتم بدھ بھی کہتے ہیں۔یہی بدھ مذہب کے بانی تھے۔ان کا سالِ ولادت غالباً ۵۶۸ ق م ہے۔بدھ مذہب تیسری صدی قبل مسیح میں برصغیر کا مقبول ترین مذہب تھا۔بڑے بڑے راجاؤں نے اس کی اشاعت میں حصہ لیا اور خود بھی اس مذہب کو قبول کیا۔

ان راجاؤں میں اشوک، کنشک اور ہرش کے نام قابل ذکر ہیں- گوتم بدھ کا ہشت گونہ مسلک تھا- صحیح ایمان، صحیح ارادہ، صحیح گفتار، صحیح عمل، صحیح پیشہ، صحیح کوشش، صحیح فکر اور صحیح توجہ- برصغیر پاک وہند سے اس مذہب کے اخراج کا سب سے بڑا سبب برہمنیت کا فروغ تھا- برہمنوں نے ہر امکانی کوشش سے بدھ مذہب کو ختم کیا- برہمنوں نے جب بدھوں کو برصغیر پاک وہند سے نکالا تو انہوں نے جاپان اور چین جا کر اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی- بدھ مذہب کے ماننے والے دنیا کے مختلف ملکوں میں پائے جاتے ہیں جن میں ہندوستان، پاکستان، برما، سیام، تبت ،چین، جاپان وغیرہ شامل ہیں-۶

❁

لہو سے لال کیا سینکڑوں زمینوں کو
جہاں میں چھیڑ کے پیکارِ عقل و دیں میں نے

(ص ۹۲/۱۰۸)

اس شعر میں اس آویزش کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو ازمنۂ وسطیٰ میں رومن کیتھولک کلیسا (مسیحیت) اور حکماء اور فلاسفہ کے درمیان پیدا ہو گئی تھی- کلیسا یعنی مسیحیت کا دعویٰ یہ تھا کہ حق وہ ہے جس کی تائید مسیحیت کرے، اور اس کے برعکس حکماء کا کہنا یہ تھا کہ حق وہ ہے جسے عقل قبول کر سکے- حکماء کے اس طبقے کو ختم کرنے کے لیے کلیسا نے محکمۂ احتساب قائم کیا اور کئی صدیوں تک حکماء و فلاسفہ کے قتل و غارت کا یہ سلسلہ جاری رہا- بالآخر کلیسا کو شکست ہوئی اور یورپ میں عقلیت کا دور دورہ ہو گیا- ۷

❁

سمجھ میں آئی نہ حقیقت جب ستاروں کی
اسی خیال میں راتیں گذار دیں میں نے

(ص ۹۳/۱۰۹)

یہاں مشہور اطالوی عالم ہیئت گیلیلیو کی طرف اشارہ ہے-

"گیلیلیو":- گیلیلیو (Galilei or Galileo) بمقام پیسا ۱۸ فروری ۱۵۶۴ء کو پیدا ہوا اور ۸ جنوری ۱۶۴۲ء کو فوت ہوا- اسے شروع ہی سے طب کا شوق تھا- اسی وقت سے وہ ارسطو کے نظریات سے اختلاف کیا کرتا تھا- بعد ازاں اس نے ریاضی کا مطالعہ شروع کیا اور آخر کار ریاضی کا پروفیسر مقرر ہوا، یہاں بھی وہ ارسطو کے نظریات کا مخالف ہی رہا- رفتہ رفتہ اس مخالفت نے ایسی نازک صورت اختیار کر لی کہ گیلیلیو کو ریاضی کی پروفیسری سے مستعفی ہونا پڑا- اس نے مختلف قسم کی ایجادات کیں- بتدریج، گیلیلیو فلکیات کی طرف متوجہ ہوا

اور اس علم میں اپنی محنت وکاوش سے بڑا اہم اضافہ کیا۔ اس کو فلکیات کی دنیا میں بڑا اونچا مقام حاصل ہے۔ [8]

❁

ڈرا سکیں نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں
سکھایا مسئلۂ گردشِ زمیں میں نے
(ص ۹۳/۱۰۹)

اس شعر میں نکولس کوپرنیکس کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

''نکولس کوپرنیکس'':۔ نکولس کوپرنیکس (Nicolas Copernicus) جدید علم ہیئت کا بانی ۱۹ فروری ۱۴۷۳ء کو پیدا ہوا۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ آفتاب غیر متحرک ہے اور زمین اس کے گرد گھومتی ہے۔ کلیسا نے اس تعلیم کی وجہ سے اسے بے دین قرار دیا اور قتل کی دھمکی بھی دی لیکن اس نے اس کی ذرا پروا نہیں کی۔ تاریخ وفات ۲۴ مئی ۱۵۴۳ء ہے۔ [9]

❁

کشش کا راز ہویدا کیا زمانے پر
لگا کے آئینۂ عقل دوربیں میں نے
(ص ۹۳/۱۰۹)

اس شعر میں نیوٹن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

''نیوٹن'':۔ سر آئزک نیوٹن (Sir Isaac Newton) ۲۵ دسمبر ۱۶۴۲ء کو پیدا ہوا۔ ایک روز نیوٹن نے جب سیب کو زمین پر گرتے ہوئے دیکھا تو دفعتہً اس کا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ زمین میں کوئی ایسی کشش ضرور ہے جو اشیاء کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ نیوٹن اپنے اس مشاہدہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مختلف قسم کے تجربات میں مشغول ہو گیا اور آخر کار کششِ ثقل کا قانون دریافت کر لیا۔ اس کا انتقال ۲۰ مارچ ۱۷۲۶ء کو ہوا۔ [10]

❁

کیا اسیر شعاعوں کو ، برق مضطر کو
بنا دی غیرت جنت یہ سرزمیں میں نے
(ص ۹۳/۱۰۹)

اس شعر کے پہلے مصرع میں اشارہ رنٹگن اور فیراڈے کی طرف مقصود ہے۔

''رنٹگن'':۔ ولہلم کونراڈ فون رنٹگن (Wilhelm Conrad Von Rongten) ۲۷ مارچ

۱۸۴۵ء کو پیدا ہوا-۱۸۹۹ء سے ۱۹۱۹ء تک جامعہ میونخ میں پروفیسر رہا- ۱۸۹۵ء میں اس نے ماورائی شعاعوں (X-Rays) کو دریافت کیا-اس کا انتقال ۱۰فروری ۱۹۲۳ء کو ہوا -۱۱

''فیراڈے'':- مائیکل فیراڈے (Michael Faraday) لندن کے قریب ۲۲ ستمبر ۱۷۹۱ء کو پیدا ہوا- یہ بہت غریب خاندان سے تعلق رکھتا تھا-اس نے سائنس کی دنیا میں مختلف قسم کے تجربات کیے-اس کی زندگی کا اہم ترین کارنامہ وہ ہے جو (Philosophical Transaction) میں چالیس سال یا اس سے زیادہ عرصہ تک چھپتا رہا-اس کی مشہور ومعروف کتاب کا نام (Experimental Researches on Electricity) ہے-فیراڈے بجلی کی ایجادات کے سلسلے میں بڑی شہرت رکھتا ہے-ان کا انتقال ۲۵ اگست ۱۸۶۷ء کو ہوا -۱۲

❁

کھڑے ہیں دور وہ عظمت فزائے تنہائی
منارِ خواب گہِ شہسوار چغتائی
(ص ۱۰۵/۱۲۱)

''خواب گہِ شہسوار چغتائی'' اشارہ ہے جہانگیر کے مقبرے کی طرف-

یہ مقبرہ ۱۰۳۷ء میں شاہ جہاں نے تعمیر کرایا اور لاکھوں روپیہ کا سامان جھاڑ فانوس، قندیل، شامیانے اور خیمے شاہانہ مراتب کے مقدار یہاں پر رکھا گیا-یہ مقبرہ دریائے راوی کے کنارے پر واقع ہے-سکھوں نے اپنے عہد میں اس مقبرہ کو بہت نقصان پہنچایا اور بیش قیمت جواہرات یہاں سے نکال کر لے گئے، اور ان جواہرات سے امرتسر میں اپنے گوردوارے کو آراستہ کیا-۱۳

❁

کبھی اپنا بھی نظارا کیا ہے تو نے اے مجنوں
کہ لیلیٰ کی طرح تو خود بھی ہے محمل نشینوں میں
(ص ۱۱۳/۱۲۹)

''مجنوں'':-مجنوں کا اصلی نام قیس تھا مگر عشق کی دیوانگی کے سبب اس کو''مجنون'' ''مجنون'' کہا کرتے تھے-ملوح بن فراخم، جو قبیلہ بنی عامر کا رئیس وسردار تھا، اس کا باپ تھا اور یہ نجد واقع عرب کا باشندہ تھا-قیس نے اپنے بچپن میں لیلیٰ کو دیکھا تھا، اسی دن سے اس پر عاشق ہو گیا تھا-آخر میں یہ بات اس کے والدین کو معلوم ہو گئی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ قیس کی شادی لیلیٰ سے ہو مگر ہر طرح کی کوشش کے باوجود ناکام رہے- ادھر قیس پر اس عشق کا کچھ

ایسا غلبہ ہوا کہ اس نے گھر کے الوانِ نعمت کو ٹھکرا کر صحرا نوردی اختیار کی اور اس صحرا نوردی میں جان دے دی۔ قیس، صاحبِ دیوان تھا۔ اس کے عربی دیوان سے اس کے عشق کی داستان مرتب کی جا سکتی ہے۔ قیس کا زمانہ ہشام بن عبد الملک (۷۲۴ء) کا عہد تھا۔[۱۴]

''لیلیٰ'':۔ لیلیٰ ایک شریف گھرانے کی لڑکی تھی۔ ہر چند کہ اسے قیس سے محبت تھی، لیکن خاندان کی ناموس کی خاطر وہ زبان سے کچھ کہہ نہ سکتی تھی۔ اس کا عقد ایک اور شخص سے کر دیا گیا لیکن یہ وہاں خوش نہ رہ سکی۔ کہا جاتا ہے کہ لیلیٰ سیاہ فام تھی لیکن مجنوں پھر بھی اس پر حد درجہ فریفتہ تھا۔[۱۵]

خاک اس بستی کی ہو کیوں کر نہ ہمدوشِ ارم
جس نے دیکھے جانشینانِ پیمبر کے قدم

(ص ۱۵۵/۱۷۱)

''ارم'':۔ مراد باغ ارم سے ہے۔ باغ ارم ایک مشہور کافر بادشاہ شداد نے بنوایا تھا اور یہ بادشاہ خدائی کا دعویٰ بھی کرتا تھا۔ یہ باغ بہشت کی بجائے تعمیر کیا گیا تھا اور اس میں حوروں کی جگہ خوبصورت عورتیں اور غلمانوں کے عوض حسین امرد تھے۔ جس وقت باغ تیار ہوا اور شداد اس کو دیکھنے کے لیے گیا تو خدا کے حکم سے گھوڑے کی رکاب میں سے پیر اتارنے بھی نہ پایا تھا کہ روح قبض ہو گئی اور سارا دعویٰ خدائی رکھا ہی رہا۔ اس باغ کے تین طبقے تھے اور ہر طبقہ ایک نئے انداز پر آراستہ کیا گیا تھا۔[۱۶]

ہے ہزاروں قافلوں سے آشنا یہ رہگذر
چشمِ کوہِ نور نے دیکھے ہیں کتنے تاجور

(ص ۱۶۲/۱۷۸)

''کوہ نور'':۔ کوہ نور ہند و پاکستان کے ایک بہت بڑے اور مشہور ہیرے کا نام، جس کے برابر تمام دنیا میں اس وقت تک کوئی ہیرا دستیاب نہیں ہوا۔ اس ہیرے کی نسبت عام طور پر یہ مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰؑ سے تین ہزار برس پیشتر راجہ کرن انگ، جو مہابھارت کے مشہور سورماؤں میں سے تھا، پہنا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ ہیرا راجہ بکرما جیت والیٔ اجین کی ملکیت میں آ گیا تھا۔ جب تک مسلمانوں کی حکومت نہیں آئی، یہ ہیرا راجگانِ مالوہ کے قبضہ میں رہا، مگر اس کے نام کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یا تو مہابھارت کے زمانے میں اس ہیرے کا یہ نام نہ ہوگا یا بعد میں یہ حکایت اس سے متعلق کی گئی ہوگی۔ غرض یہ ہیرا کسی زمانے میں گولکنڈہ سے برآمد ہوا تھا جس کی نسبت

محمد ظہیر الدین بابر نے اپنی تزک بابری میں لکھا ہے کہ گوالیار کے ایک راجا نے، جو اس زمانے میں سلطان ابراہیم لودھی کی بجائے آگرے میں حکمرانی کر رہا تھا، لوٹ سے محفوظ رہنے کے شکریے میں میرے بیٹے نصیر الدین ہمایوں کی نذر کیا تھا۔

برصغیر پاک وہند میں دو ہیرے مشہور تھے۔ ایک کوہ نور دوسرا دریائے نور۔ یہ دونوں ہیرے ۱۷۳۹ء میں پانی پت کی لڑائی کے بعد، دہلی کی لوٹ سے نادر شاہ کے تصرف میں آئے تھے اور وہ انہیں ایران لے گیا تھا جن میں سے دریائے نور تو ایران کی ملک ہو گیا اور کوہ نور ملکہ الزبتھ دوم کے تاج کی زینت بنا۔

۱۸۴۹ء میں یہ ہیرا انگریزوں کے قبضہ میں آیا اور ۲ جولائی ۱۸۵۰ء کو قیصرۂ ہند کے حضور پیش ہوا۔ اب اس کا وزن صرف ۲/۱،۲،۱۰۲ قیراط رہ گیا ہے۔[۱۷]

تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے
شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے

(ص ۱۷۶/۱۹۲)

''درِ خیبر'' ۔۷ھ (۶۲۸ء) میں خیبر پر فوج کشی ہوئی۔ یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے جن کا فتح کرنا آسان کام نہ تھا۔ پہلے حضرت ابوبکرؓ صدیق اور ان کے بعد حضرت عمرؓ اس مہم پر روانہ کیے گئے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر میں حضرت علیؓ نے اس قلعہ کو فتح کیا۔ قیصر کا شہر حضرت عمرؓ کے عہد میں فتح ہوا۔[۱۸]

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

(ص ۱۷۷/۱۹۳)

اس شعر میں عقبہ بن نافع کی فتوحات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۶۲ھ (۶۸۱ء) میں یزید نے ان کو افریقہ کا والی مقرر کیا۔ وہاں پہنچے تو انہوں نے جہاد کا سلسلہ شروع کیا اور اپنی اولاد کو اس سلسلے میں جمع کر کے کہا: ''میں نے اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے ہاتھ بیچ دیا ہے، لہٰذا جب تک زندہ رہوں گا کفار سے جہاد کرتا رہوں گا''۔ چنانچہ وہ فتوحات کرتے ہوئے، اور دشمن کو شکستِ فاش دیتے ہوئے آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ خشکی کی حد ختم ہوگئی اور بحرِ ظلمات کے کنارے پہنچ گئے تو انہوں نے کہا: ''اے میرے خدا! اگر یہ بحرِ زخار درمیان حائل نہ ہو جاتا تو تیرے راستے میں جہاد کرتا ہوا اسی طرح آگے بڑھتا ہوا چلا جاتا۔[۱۹]

۞

ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز
اہلِ نظر سمجھتے ہیں اس کو امامِ ہند
تلوار کا دھنی تھا ، شجاعت میں فرد تھا
پاکیزگی میں ، جوشِ محبت میں فرد تھا

(ص ۱۸۹/۲۰۵)

''رام'':- رام کا پورا نام رام چندر تھا- یہ اجودھیا کے راجا دشرتھ کے بڑے لڑکے تھے- ان کا حال تفصیل سے رامائن میں درج ہے- سناتن دھرمی ہندوان کو خدا کا ساتو اں اوتار مانتے ہیں- انھوں نے لنکا کے راجا راون کو شکست دی- رام بہت بہادر، پاک طینت اور اپنے باپ کے فرمانبردار بیٹے تھے، چنانچہ انہوں نے باپ کی خواہش پر چودہ سال کے لیے بن باس اختیار کیا اور دنیا کے سامنے اتباعِ والدین کا ایک قابلِ قدر نمونہ پیش کیا-

۞

کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

(ص ۲۱۲/۲۲۸)

''ڈھونڈنے والوں'' اشارہ کولمبس کی طرف ہے-

''کولمبس'':- کرسٹوفر کولمبس (Christopher Columbus) ۱۴۴۶ء میں پیدا ہوا- اس کا باپ دولت مند تاجر تھا- کچھ عرصہ اس نے بھی اپنے باپ کا، تجارت میں ساتھ دیا- اس نے کچھ وقت پے ویا (Pavia) کی یونیورسٹی میں گذارا- چودہ سال کی عمر میں اس نے بحری سفر اختیار کیا- اس زمانے کے ملاح اچھے سپاہی بھی ہوتے تھے، چنانچہ اس کو بھی ایک جنگ میں حصہ لینا پڑا- اس کے ابتدائی بحری سفروں کا حال بہت کم معلوم ہے- ۱۴۷۴ء میں کولمبس نے اسپین سے مغرب کی سمت سفر کرتے ہوئے برصغیر پاک و ہند پہنچنے کا عزم کیا- اس سفر کے سلسلے میں اس کو ایک عالمِ ہیئت کی بھی تائید حاصل تھی- اگرچہ کولمبس برصغیر پاک و ہند نہ پہنچ سکا، لیکن امریکا (نئی دنیا) کی دریافت کا سہرا اس کے سر رہا۔ اس سفر میں اس کے بعض عزیز بھی شریک تھے جو اس کی ہر طرح مدد کرتے رہتے تھے۔ کولمبس نے متعدد بحری سفر کیے۔ اس کا انتقال ۲۰ مئی ۱۵۰۶ء کو ہوا-

حیدری فقر ہے ، نے دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے؟
(ص ۲۱۶/۲۳۲)

''حیدری فقر'':- حضرت علیؓ جب کوفہ تشریف لائے تو دارالامارت کی بجائے ایک میدان، میں فروکش ہوئے اور فرمایا کہ عمرؓ بن خطاب نے ہمیشہ ان عالیشان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا، مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میرے لیے میدان کافی ہے۔۲۲

ایک دن حضرت عبداللہ بن زریر آپ کے ساتھ کھانے میں شریک تھے- دستر خوان پر کھانا نہایت معمولی اور سادہ تھا- انہوں نے کہا علی آپ کو پرندے کا گوشت پسند نہیں ہے- حضرت علیؓ نے جواب دیا: ''عبداللہ، خلیفۂ وقت کو مسلمانوں کے مال میں صرف دو پیالوں کا حق ہے- ایک خود کھائے اور اپنے بچوں کو کھلائے، اور دوسرا خلقِ خدا کے سامنے پیش کرے۔۲۳

''دولتِ عثمانی'':- حضرت عثمانؓ خلیفہ سوم، عرب میں سب سے زیادہ دولت مند تھے- اس کے ساتھ خدا نے فیاض طبع بھی بنایا تھا- چنانچہ انہوں نے اپنی فیاضی اور مال و دولت سے اس وقت اسلام کو فائدہ پہنچایا جب اس امت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر موجود نہ تھا- آپ کی فیاضی کا سب سے نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر ہزاروں روپیہ کے صرف سے سامانِ جنگ سے مجاہدین کو آراستہ کیا- یہ فیاضی ایسے وقت میں ظاہر ہوئی جب عام طور پر مسلمان عسرت اور تنگی سے پریشان تھے، اور دوسری طرف قیصرِ روم کی جنگی تیاریوں سے خود رسول کریمؐ کو تشویش تھی ۔۲۴

فاطمہ ! تو آبروئے امت مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے
(ص ۲۲۷/۲۴۳)

ستمبر ۱۹۱۱ء میں اطالیہ نے طرابلس پر حملہ کیا تو اس وقت ترکی کے قبضہ میں صرف دو جنگی جہاز تھے، اور وہ بھی خراب حالت میں- جہاں تک ترکی کی بری فوج کا تعلق ہے، اس کا راستہ بھی اطالیہ کے ساتھی ملک برطانیہ نے مصر کی ناکہ بندی کر کے روک دیا تھا، اس لیے شیخ سنوسی مرحوم نے، جو طرابلس میں عربوں کے دینی اور سیاسی قائد تھے، اسلام کی عظمتِ رفتہ کو قائم رکھنے کے لیے جہاد کا حکم دیا اور مسلمان اس بے سروسامانی کی حالت میں

بھی شوقِ جہاد میں میدان جنگ میں کود پڑے- اس بے سرو سامانی کا کچھ حال اس امر سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ فاطمہ بنت عبد اللہ ایک عرب لڑکی میدانِ جنگ میں، مشکیزہ لیے ہوئے، زخمیوں کو پانی پلاتی پھر رہی تھی- اس وقت فاطمہ کی عمر صرف چودہ سال کی تھی لیکن اس میں ہمت و جرات بے پناہ تھی- بالآخر وہ زخمیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہوئی -۲۵

گردِ صلیب، گردِ قمر حلقہ زن ہوئی
شکری حصار درنہ میں محصور ہو گیا
(ص ۲۲۹/۲۴۵)

''شکری''- اشارہ ہے غازی شکری پاشا کی طرف-

''شکری پاشا'':- شکری پاشا ۱۸۵۴ء میں بمقام روم پیدا ہوئے- ان کا خاندان فوجی خدمات کے لیے مشہور رہا ہے- شکری نے آستانہ کے مشہور مدرسہ حربیہ میں تعلیم حاصل کی- ۱۸۸۵ء میں ترکی فوج میں لیفٹیننٹ مقرر ہوئے- بعد ازاں ان کو فنونِ حربیہ کی تکمیل کے لیے جرمنی بھیجا گیا- قیصر ولیم اول ان کی جنگی صلاحیتوں کا بڑا مداح تھا- شکری نے جنگِ بلقان میں غیر معمولی بہادری دکھائی اور ابتدا میں بلغاریوں کو شکست دینے میں کامیاب بھی ہوئے لیکن کسی وجہ سے یہ جنگ کچھ عرصہ کے لیے ملتوی کر دی گئی- آخر ۴ فروری ۱۹۱۳ء کو ایڈریا نوپل پر گولہ باری سے یہ جنگ پھر شروع ہو گئی- بالآخر بلغاریوں نے ۲۶ مارچ کو اس پر قبضہ کر لیا اور شکری پاشا مع اپنی فوج کے گرفتار ہوئے- بعد ازاں بلغاروی اور ترکی افواج میں ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے طرفین کے جنگی قیدی چھوڑ دیے گئے؛ چنانچہ شکری پاشا کو بھی رہا کر دیا گیا-۲۶

رہیلہ کس قدر ظالم، جفا جو، کینہ پرور تھا
نکالیں شاہِ تیموری کی آنکھیں نوکِ خنجر سے
(ص ۲۳۰/۲۴۶)

''رہیلہ'':- غلام قادر خاں رہیلہ، نواب ضابطہ خاں کا بیٹا اور امیر الامراء وکیل مطلق نواب نجیب الدولہ کا پوتا تھا- نواب نجیب الدولہ نے مرہٹوں کا اقتدار ختم کرنے کی غرض سے احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی تھی، چنانچہ پانی پت کی تیسری مشہور اور فیصلہ کن جنگ کے بعد برصغیر پاک و ہند میں مرہٹوں کا اقتدار بالکل ختم ہو گیا-

جب تک نواب نجیب الدولہ زندہ رہے، مرہٹوں کو ان کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی- ان کے بعد ان کے

لڑکے سے انتقام لینے کی غرض سے شاہ عالم ثانی کے وزیر نجف خاں کو جو رہیلہ پٹھانوں سے للٰہی بغض رکھتا تھا اپنے ساتھ ملایا، بعد ازاں شاہ عالم ثانی کو بھی اپنا ہمنوا کر لیا-۱۷۷۲ء میں شاہ عالم، مرہٹوں کا دست راست بن کر رہیلوں پر حملہ آور ہوا اور ان کو شکست فاش دی- اس شکست میں رہیلہ سرداروں کی خواتین کی بڑی بے عزتی کی گئی- اس وقت غلام قادر کی عمر تقریباً ۱۳ سال کی تھی- اس نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا- جب شاہ عالم مرہٹوں اور افغانوں کی امداد سے محروم ہو گیا تو غلام قادر خاں نے اس سے انتقام لیا، اور وہ اس طرح کہ اس کی آنکھیں نکلوا کر اپنے دل کی بھڑاس کو بجھایا- غلام قادر خاں رہیلہ کا انتقال ۱۷۸۸ء میں ہوا-۲۷

''شاہ تیموری'' اشارہ شاہ عالم ثانی کی طرف ہے-

''شاہ عالم'':- شاہ عالم کا اصلی نام عالی گہر تھا- تاریخ پیدائش ۱۵ جون ۱۷۲۸ء ہے-۱۷۵۸ء میں اس خوف سے کہ عماد الملک غازی الدین خان وزیر مملکت کہیں قید نہ کر لے-شاہ عالم قسمت آزمائی کے لیے دہلی چھوڑ کر بنگال پہنچا- یہ وہ زمانہ تھا جب انگریزوں نے بنگال کے نواب سراج الدولہ کو معزول کر کے میر جعفر کو مسند نشین کیا تھا- پانی پت کی لڑائی کے بعد احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم ثانی کی بادشاہت کا اعلان کر دیا جو اس وقت دہلی میں موجود نہ تھا- یہ واقعہ ۲۵ دسمبر ۱۷۵۹ء کا ہے-شاہ عالم نے بہار کو واپس لینے کے لیے انگریزوں سے جنگ کی لیکن بکسر کی مشہور جنگ میں شکست کھا کر ان سے صلح کر لی اور الٰہ آباد چلا آیا- یہاں ۱۲ اگست ۱۷۶۵ء کو بنگال کی سند ایسٹ انڈیا کمپنی کو ادا کی- کمپنی نے بنگال، بہار اور اڑیسہ کے محاصل میں سے ۲۴ لاکھ روپیہ سالانہ بادشاہ کو ادا کرنے کا وعدہ کیا- ۱۷۷۱ء تک شاہ عالم الٰہ آباد میں بیکار پڑا رہا- اسی سال کے آخر میں ۲۵ دسمبر کو دہلی پہنچا- شاہ عالم فارسی میں شعر بھی کہتا تھا- آفتاب تخلص تھا-۲۸

۞

ارشاد	سن	کے	فرط	طرب	سے	عمرؓ	اٹھے
اس	روز	ان	کے	پاس	تھے	درہم	کئی	ہزار

(ص ۲۵۲/۲۳۶)

اس شعر میں غزوہ تبوک کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

حضرت عمرؓ زیادہ دولت مند نہ تھے؛ تاہم جو کچھ انہوں نے خدا کی راہ میں صرف کیا، وہ ان کی حیثیت سے کہیں زیادہ تھا- ۹ھ (۶۳۰ء) میں رسول کریمؐ نے غزوۂ تبوک کی تیاری کی تو اکثر صحابہ نے جنگ کے لیے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں- حضرت عمرؓ نے اس موقع پر اپنے تمام مال و اسباب میں سے نصف لا کر پیش کیا- ۲۹

۞

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

(ص ۲۳۷/۲۵۳)

''صدیقؓ'':۔ اقبال نے اس شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے، جب رسول اکرمؐ نے غزوۂ تبوک کی تیاری کی تو اکثر صحابہ نے جنگ کے لیے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق رقمیں پیش کیں۔اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے اپنا کل مال و متاع رسول کریمؐ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا کہ میرے لیے بس آپ کی رفاقت کافی ہے۔۳۰

نانک

(ص ۲۵۳/۲۶۹)

''گرونانک'':۔ گرونانک تلونڈی، ضلع لاہور میں ۱۴۶۹ء میں ایک کھتری خاندان میں پیدا ہوئے۔وفات ۱۵۲۹ء میں بمقام موضع کرتار پور پائی۔سکھوں کے فرقوں کے بانی تھے۔بچپن ہی سے گرونانک کو بت پرستی اور توہمات سے نفرت تھی۔جو روپیہ ان کے ہاتھ لگتا، وہ غریبوں اور محتاجوں کو دے دیتے۔آخر میں سیر و سیاحت کے لیے نکلے۔افغانستان، ایران، ترکستان وغیرہ کا سفر کیا۔اکثر، پندو نصائح میں مصروف رہتے۔گرونانک تمام عمر توحید اور مساوات کا سبق دیتے رہے۔۳۱

تاریخ کہہ رہی ہے کہ رومی کے سامنے
دعویٰ کیا جو پورس و دارا نے، خام تھا

(ص ۲۵۵/۲۷۱)

''پورس'':۔ اسکندر رومی نے ۳۳۱ ق م میں اربیلا کے مقام پر ایران کے بادشاہ دارا کو شکست دی۔اس کے بعد اس نے برصغیر پاک و ہند کا رخ کیا۔۳۲۶ ق م میں سکندر نے اٹک کے قریب دریائے سندھ کو عبور کیا اور جہلم کے نزدیک پنجاب کے راجا پورس کو شکست دی۔ ۳۲

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی، نہ حریفِ پنجہ فگن نئے
وہی فطرتِ اسداللّٰہی، وہی مرحبی، وہی عنتری

(ص ۲۶۴/۲۸۰)

''مرحبی اور عنتری'' کا اشارہ مرحب اور عنتر کی طرف ہے۔

۷ھ (۶۲۸ء) میں خیبر پر فوج کشی ہوئی۔ یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے جن کا فتح کیا جانا آسان نہ تھا۔ حضرت علیؓ نے جب خیبر فتح کیا تو اس وقت جہاں اور یہودیوں سے لڑنا پڑا، وہاں ان کے ایک بہادر سردار مرحب سے بھی مقابلہ کرنا پڑا۔ جب مرحب حضرت علیؓ سے لڑنے کے لیے میدان میں آیا تو بڑے جوش وخروش سے رجز پڑھتا ہوا نکلا۔ حضرت علیؓ اس متکبرانہ رجز کا جواب دیتے ہوئے آگے بڑھے اور جھپٹ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ مرحب شاعر بھی تھا۔[۳۳]

''عنتری'': عنتر خیبر کا ایک پہلوان جو جنگِ خیبر میں مرحب کی طرح حضرت علیؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

رجز ابو اللیث عنتر در غزاء خیبر

انا ابوالليث و اسمى عنتر شاكى السلاح و بلادى خيبر

میں ابوللیث ہوں اور میرا نام عنتر ہے۔ میں ہتھیار باندھنے والا ہوں اور میرا وطن خیبر ہے۔

جواب رجز عنتر بالہام خدای اکبر

اختار الله العلى الاكبر اليوم يرضيه و يخزى عنتر[۳۴]

خدا بزرگ و برتر نے یہ پسند کیا کہ آج کا دن اس کو خوش اور عنتر کو رسوا کرے۔

ساحرِ	الموط	نے	تجھ	کو	دیا	برگِ حشیش
اور	تو	اے	بے	خبر	سمجھا	اسے	شاخِ نبات

(ص ۲۹۱/۲۷۵)

''ساحر الموط'' مراد حسن بن صباح ہے۔

حسن بن صباح چوتھی صدی ہجری کے شروع میں طوس میں پیدا ہوا۔ خواجہ حسن نظام الملک، مشہور وزیر دربارِ سلجوقی، کا ہم مکتب اور دوست تھا۔ نظام الملک کی سفارش سے الپ ارسلان سلجوقی کے دربار میں میر نقیب مقرر ہو گیا لیکن بعد میں وہ خود اپنے محسن نظام الملک کا دشمن بن گیا اور دربار سے نکالا گیا۔ شام پہنچ کر فرقہ اسمٰعیلیہ کے پیشوا کی ملازمت میں داخل ہو گیا اور تمام عمر اسی فرقے کے عقائد کی تعلیم و تلقین کرتا رہا۔ اس نے کوہ البرز کے شاداب علاقے میں دس ہزار فٹ کی بلندی پر قلعہ الموط میں ایک جنت ارضی بنائی جس میں جار جیا اور کوہ قاف کی

حسین عورتیں جمع کی تھیں- اس کے عقیدت مند جو دور دراز سے اس کے پاس آتے، یہ ان کو بھنگ کے نشے میں سرشار کر کے اس جنت ارضی کی سیر کراتا- اس کی جماعت کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی اور جب یہ تعداد کئی لاکھ تک پہنچ گئی تو اس نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا- ۱۰۸۹ء میں ایک مضبوط اور ناقابلِ تسخیر قلعہ پر قبضہ کر لیا- جو لوگ اس کے مرید تھے، وہ باطنی یا فدائی کہلاتے تھے اور بھیس بدل کر اپنے مخالفین کو کسی نہ کسی طرح قتل کر دیتے- حسن بن صباح نے اپنا یہ کام ایک جماعت کے سپرد کر دیا تھا- اس جماعت نے اس کام کو جاری رکھا- ظاہر ہے اس کی مخالفت اسلام ہی کی طرف سے ہو سکتی تھی، اس لیے اسلام کو حسن بن صباح کی ذات سے سخت نقصان پہنچا- ۱۱۲۴ء میں اس کا انتقال ہوا- ۳۵

❁

به مشتاقاں حدیثِ خواجۂ بدر و حنین آور
تصرف ہائے پنہانش بہ چشمم آشکار آمد

(ص ۲۹۰/۳۰۶)

''خواجۂ بدر و حنین'': - اشارہ رسول کریم ﷺ کی طرف ہے- بدر سے جنگِ بدر مراد ہے جو ۲ھ (۶۲۳ء) میں ہوئی اور حنین سے جنگِ حنین کی طرف اشارہ ہے جو ۸ھ (۶۲۹ء) میں وقوع پذیر ہوئی-

رسول کریمؐ عرب کے مشہور خاندان قریش سے تھے- کعبہ کی کلید برداری ہمیشہ سے آپؐ کے خاندان میں چلی آتی تھی- آپ کا خاندان عرب کا نہایت معزز خاندان تھا- آپؐ کی ولادت ۵۷۰ء میں ہوئی- آپؐ کے والد عبداللہ نے آپ کی ولادت کے تھوڑا ہی عرصے پہلے انتقال کیا اور آپؐ کی والدہ نے بھی ۶ سال کی قلیل مدت کے بعد آپؐ کے عہدِ طفلی میں رحلت کی- آپؐ کی پرورش اور تربیت آپؐ کے چچا ابو طالب نے کی- آپؐ اُمی تھے یعنی کسی سے تعلیم نہیں پائی تھی- بچپن سے صادق، امین اور ہمدردِ بنی نوع انسان رہے- آپؐ کی راست بازی اور امانت کے شہرے کی بنا پر حضرت خدیجہؓ نے آپؐ سے نکاح کیا- آپ کو بت پرستی سے ہمیشہ نفرت رہی- آپؐ عبادتِ الٰہی کی غرض سے غارِ حرا میں تشریف لے جایا کرتے- سب سے پہلے وحی الٰہی یہیں نازل ہوئی اور آپؐ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا- اس وقت آپؐ کی عمر کا اکتالیسواں سال تھا- آپؐ دینِ حق کی تبلیغ میں مصروف رہتے اور مکہ کے لوگ طرح طرح کی تکالیف پہنچاتے- آخر کچھ لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے- اپنے چچا کے انتقال کے بعد آپؐ طائف تشریف لے گئے- وہاں بھی لوگوں نے بے رحمی اور بے ادبی سے کام لیا- نبوت کے بارھویں سال واقعۂ معراج پیش آیا- جب کفارِ مکہ کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو آپؐ نے مکے سے مدینے کو ہجرت فرمائی- اسی وقت سے مسلمانوں کا سنہ ہجری شروع ہوتا ہے- مدینہ پہنچ کر آپؐ نے دعوت و تبلیغ کا سلسلہ

شروع کیا اور لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے - مدینہ پہنچنے کے بعد بھی کفار سے مقابلے ہوتے رہے- کفار کے مقابلے میں غزوہ بدر میں اسلام کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی - ہجرت کے دسویں سال حجتہ الوداع واقع ہوا اور آپؐ مکے تشریف لے گئے جہاں آپؐ نے مسلمانوں کو خطبہ کے ذریعہ سے مختلف پندونصائح فرمائے - اس میں خاص زور اخلاصِ عمل ، مسلمانوں کی جماعت میں شرکت اور مسلمانوں کی خیر خواہی پر تھا- ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ (۶۳۲ء) کو ۶۳ سال کی عمر میں انتقال فرمایا - آپؐ نے مسلمانوں کے درمیان انکی ہدایت کے لیے قرآن چھوڑا جو وقتاً فوقتاً آپؐ پر خدا کی طرف سے نازل ہوا تھا - قرآن ،حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں مدون کیا گیا جو آج تک بغیر کسی تغیر و تبدل کے دنیا میں بنی نوع انسان کی رہبری کے لیے موجود ہے -۳۶

بے	خطر	کود	پڑا	آتشِ	نمرود	میں	عشق

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

(ص ۲۹۴/۳۱۰)

"نمرود":- نمرود کا ذکر توریت میں بھی آتا ہے - بڑا جابر بادشاہ تھا - اس کی حکومت بابل کے گردونواح میں تھی - اٹھارہویں صدی قبل مسیح میں نمرود کے مورثِ اعلیٰ نے بابل کو فتح کیا۔ میئر (Meyer) کا کہنا ہے کہ لیبیا میں نمرود نام عام ہے -

حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں عراق کے بادشاہ کا لقب نمرود ہوتا تھا اور یہ رعایا کے صرف بادشاہ ہی نہیں تھے بلکہ خود کو ان کا رب اور مالک جانتے تھے، اور رعایا بھی دوسرے دیوتاؤں کی طرح، بلکہ اس سے بھی زیادہ پاس و ادب کے ساتھ، اسلیے کہ وہ صاحبِ عقل و شعور بھی ہوتا تھا اور صاحبِ تخت و تاج بھی، اس کی پرستش کرتی تھی- اسی نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈلوایا تھا لیکن آگ خدا کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ کے لیے سلامتی کا موجب بن گئی تھی -۳۷

حضرتِ کرزن کو اب فکرِ مداوا ہے ضرور
حکم برداری کے معدے میں ہے دردِ لایطاق

(ص ۳۰۷/۳۲۳)

"کرزن":- کرزن جنوری ۱۸۹۹ء میں برصغیر کا گورنر جنرل مقرر ہوا - اس کو آزاد قبائل سے بڑی دلچسپی تھی؛ چنانچہ اس نے ایک نیا صوبہ شمال مغربی سرحدی صوبے کے نام سے بنایا - جنوری ۱۹۰۳ء میں لارڈ کرزن نے شاہ

ایڈورڈ ہفتم کی تاجپوشی کے سلسلے میں دہلی دربار کی صدارت کی۔ کرزن دوبار برصغیر کا گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔ لارڈ کچنر سے کرزن کا فوجی معاملات میں اختلاف ہوا۔ اس اختلاف کی بنا پر کرزن ۱۹۰۵ء میں استعفیٰ دے کر انگلستان واپس چلا گیا۔ وہ ۱۹۰۷ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی کا چانسلر مقرر رہا اور کئی نئی تجاویز یونیورسٹی آئین کے بارے میں عمل میں لایا۔ کرزن ہی کے زمانے میں تقسیمِ بنگال کا مسئلہ پیدا ہوا لیکن اس کے جانے کے بعد ۱۹۱۱ء میں یہ مسئلہ خود بخود حل ہو گیا کیونکہ تمام ملک، بنگال کی تقسیم کے خلاف متحد تھا۔ کرزن کی تاریخ پیدائش ۱۱ جنوری ۱۸۵۹ء اور تاریخ وفات ۲۰ مارچ ۱۹۲۵ء ہے۔ [۳۸]

کیا خوب امیر فیصل کو سنوسی نے پیغام دیا
تو نام و نسب کا حجازی ہے پر دل کا حجازی بن نہ سکا

(ص ۳۰۸/ ۳۲۴)

''امیر فیصل'': مراد فیصل الحسین، شریف حسین کے تیسرے لڑکے سے ہے۔

''سنوسی'': محمد بن علی بن سنوسی بانی سلسلۂ سنوسیہ ایک بزرگ تھے جنھوں نے افریقہ میں سلسلۂ سنوسیہ قائم کیا تھا۔ ان کا سال پیدائش ۱۷۸۷ء اور سال وفات ۱۸۵۹ء ہے۔ محمد علی سنوسی کے دو لڑکے تھے، محمد شریف اور المہدی۔ المہدی چھوٹا تھا لیکن جانشینی اس کو نصیب ہوئی۔ یہ ۱۸۵۵ء میں پیدا ہوا۔ اس نے کبھی مہدی موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اگرچہ اس کے بعض پیرو ایسا خیال کرتے رہے۔ المہدی کے انتقال کے وقت اس کے لڑکوں کی عمر بہت کم تھی؛ چنانچہ اس کا ایک بھتیجا احمد الشریف جانشین ہوا۔ سیدی احمد ترکوں کے ساتھ اطالوی فوجوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ ترک اس کی شجاعت کے بڑے مداح تھے، کچھ عرصے بعد سیدی احمد کو المہدی کے لڑکے سید محمد آل ادریس کے حق میں دستبردار ہونا پڑا اور یہ اس وقت ہوا جب ۱۸-۱۹۱۷ء میں ترک اور جرمن اقتدار کم ہونے لگا تھا۔ سنوسی سلسلے کی انقلابی سرگرمیاں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ فرانس اور برطانیہ کو اس کی جانب سے بڑا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ امیر فیصل ترکوں کے ساتھ بغاوت میں باغیوں کی امداد میں پیش پیش تھا اور یہ بات سنوسی کے لیے ناقابلِ برداشت تھی؛ چنانچہ اس نے غیرتِ ایمانی کو کام میں لانے کے لیے پیغام بھیجا۔ [۳۹]

حوالہ کتب

۱- مولوی احمد عبد العزیز نائطی، آصف اللغات، ج ۱۷، صفحہ ۱۰۰۴۲-۱۰۰۴۴ -

\+ سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، ج ۲، صفحہ ۲۱

۲- معین الدین ندوی، خلفائے راشدین، صفحہ ۲۱۷-۳۲۸-

\+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، صفحہ ۲۸۳-۲۸۵

\+ R.A Nicholson-A Literary History of the Arabs pp.190

۳- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۷، ص ۵۹-۶۰، مطبوعہ ۱۹۴۶ء

۴- پروفیسر آرتھر کرسٹن سین، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال، ایران بعہد ساسانیاں، صفحہ ۶۰۰-۶۴۱ -

\+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۲، صفحہ ۶۷ -

\+ مرزا فرصت شیرازی، آثار عجم، ج ۲ صفحہ ۳۹۳-۴۰۰-

\+ سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، ج ۳ صفحہ ۳۳۸-۳۳۹

۵- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۳، صفحہ ۵۰۳

۶- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۴، صفحہ ۳۲۵-۳۲۸

۷- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۵، صفحہ ۴۱-۴۲

۸- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۹ صفحہ ۹۷۹-۹۸۱

۹- ایضاً، ج ۶، ص ۴۰۰

۱۰- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۶، ص ۳۶۱-۳۶۳

۱۱- ایضاً، ج ۱۹، ص ۵۲۷

۱۲- ایضاً، ۹، ص ۷۰-۷۱

۱۳- کنہیا لال، تاریخ لاہور

۱۴- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۳، ص ۹۶ -

\+ سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، ج ۴، ص ۲۹۵-۲۹۸

۱۵- سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، ج ۴، ص ۲۴۲

۱۶- ایضاً، ج ۳، ص ۱۷۱

۱۷- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۳، ص ۴۷۴-

+ سید احمد دہلوی فرہنگ آصفیہ، ج ۳،ص ۵۹۸-۵۹۹

۱۸- حاجی معین الدین ندوی، خلفائے راشدین، ص ۲۷۹-۲۸۰

۱۹- ابن اثیر، ج ۴،ص ۴۳-

+ قاضی زین العابدین، تاریخ ملت، ج ۳،ص ۹۷-۱۰۰

۲۰- سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، ج ۲،ص ۳۴۴

Chambers's Encyclopaedia, Vol III, pp . 368-369

۲۱-

۲۲- حاجی معین الدین ندوی، خلفائے راشدین، ص ۳۵۷

۲۳- مسند احمد، ج ۱،ص ۷۸

۲۴- حاجی معین الدین ندوی، خلفائے راشدین، ص ۲۶۰-۲۶۱

۲۵- مولانا ابوالکلام آزاد، الہلال، ۱۳ نومبر ۱۹۱۲ء

۲۶- عبدالمجید تقیقی - ترکانِ احرار، ص ۱۷۸-۱۸۴

۲۷- سید الطاف علی - حیاتِ حافظ رحمت خاں

Beale, An Oriental Biographical Dictionary. p 145

+

The Cambridge History of India, Vol IV, p 448

+

The Cambridge History of India, Vol IV, pp 443-444

۲۸-

۲۹- معین الدین ندوی، خلفائے راشدین، ص ۹۵-۱۸۴

۳۰- حاجی معین الدین ندوی، خلفائے راشدین، ص ۱۲-۶۴

۳۱- جامع اللغات، ج ۴،ص ۶۸۶

۳۲- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۸،ص ۲۹۷

۳۳- سیرۃ ابن ہشام - بہامش الروض الانف، ج ۲،ص ۲۳۸-

+ جیوئش انسائیکلوپیڈیا، ج ۸،ص ۳۳۰

۳۴- میر حسن میبذی۔شرح دیوان امیر المومنین، ص ۲۴۰، مطبوعہ فخر المطابع لوہارو ۱۲۹۳ء

۳۵- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۲، ص ۲۷۶

۳۶- شبلی، سیرت النبی۔

\+ قاضی محمد سلیمان، رحمۃ للعالمین

۳۷- مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن، ج ۱، ص ۱۷۴-۱۸۳۔

\+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۶، ص ۴۶۱، مطبوعہ ۱۹۵۰ء

۳۸- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۶، ص ۹۰۰-۹۰۱

۳۹- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲۰، ص ۳۳۱-۳۳۴، مطبوعہ ۱۹۵۰ء

زبورِ عجم

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

آں فقر کہ بے تیغے صد کشورِ دل گیرد
از شوکتِ دارا بہ، از فرِّ فریدوں بہ
(ص ۱۹/۳۶۳)

''فریدوں'': ۔فریدوں قدیم زمانے میں فارس کا بادشاہ تھا۔ اس کا دورِ حکومت بہت طویل بتایا گیا ہے۔ ضحاک، ظالم بادشاہ فارس کو قتل کر کے فریدوں نے سلطنت حاصل کی جب کہ ضحاک کے مظالم حد سے بڑھ چکے تھے۔ فریدوں کا عہدِ حکومت عمدگی اور خوشحالی سے گزرا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ سام، تور اور ایرج۔ تخت کے لیے ان میں جنگ ہوئی اور آپس میں قتل ہوئے۔ نتیجے میں فریدوں کا پوتا منوچہر تخت نشیں ہوا۔[1]

خیز و کارِ ایبک و سوری نگر
وا نما چشمے اگر داری جگر
(ص ۱۲۶/۴۷۰)

''ایبک'': ۔قطب الدین ایبک ہندوستان کا پہلا مسلمان بادشاہ تھا۔ اصل میں یہ شہاب الدین غوری کا غلام

تھا جس نے پہلے اس کو فوج میں ایک اعلیٰ عہدہ پر مامور کیا بعد ازاں اس کو ۱۱۹۲ء میں اپنا نائب مقرر کیا۔ اسی سال قطب الدین نے میرٹھ اور دہلی کو فتح کیا اور بنگال کی حکومت کی توسیع کی۔ ۱۲۰۶ء میں ایبک نے سلطان کا لقب اختیار کیا اور دہلی پایۂ تخت بنایا۔ برصغیر پاک و ہند کا پہلا اسلامی بادشاہ یہی ہے اور مورخین جس پہلے شاہی خاندان کو خاندانِ غلاماں کہتے ہیں، اس کا بانی بھی ایبک ہی تھا۔ اس نے ایک عالیشان مسجد قطب الاسلام کے نام سے تعمیر کرائی جسے قوۃ الاسلام بھی کہتے ہیں۔ ایبک ۱۲۱۰ء میں گھوڑے سے گر کر بمقام لاہور فوت ہوا اور یہیں دفن ہوا۔ وہ بڑا سخی بادشاہ تھا۔۲

مراد شیر شاہ سوری سے ہے۔

''سوری'': شیر شاہ سوری کا اصلی نام فرید تھا۔ اس کا باپ حسن خاں خاندان سور کا ایک افغان تھا۔ شیر شاہ نے اپنی ذاتی قابلیت کی وجہ سے ترقی کی۔ ابتدا میں وہ محمد لوہانی بادشاہ بہار کے ہاں ملازم رہا۔ یہیں اس نے ایک شیر کا شکار کیا جس پر شیر خاں کا خطاب ملا اور شیر شاہ مشہور ہوا۔ شیر شاہ ۱۴۷۲ء میں پیدا ہوا اور ۲۲ مئی ۱۵۴۵ء کو انتقال کیا۔ اس نے ہندوستان پر تقریباً پانچ سال حکومت کی اور نہایت لائق و کامیاب حکمران ثابت ہوا۔ اس کا دورِ حکومت کو قلیل عرصے رہا؛ تاہم اس نے بہت کچھ کیا۔ شیر شاہ سوری نظامِ سلطنت میں اکبر کا پیشرو ہے کہ اکبر نے بہت سی اصلاحات شیر شاہ ہی کے نظامِ سلطنت سے لے کر اور ان میں ضروریاتِ زمانہ کے مطابق تبدیلی کر کے قبول کیں۔۳

۱- پروفیسر آرتھر کرسٹن سین، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال- ایران بعہد ساسانیاں، ص ۶۷۸

Sir Percy Sykes, A History of Persia, Vol , 1 p.135

+

The Cambridge History of India, vol . III , pp 41-48.

-۲

Dr Syed Moinul Haq, A Short History of the Delhi Sultanate, pp 65-74 +

Dr. R.C. Majumdar, An Advanced History of India, pp 434-443. -۳

جاوید نامہ

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

ضرب قلندری بیار، سدّ سکندری شکن
رسمِ کلیم تازہ کن، رونقِ ساحری شکن
(ص ۵۰۱/۲۹)

''سدِ سکندری'':۔ سدِ سکندری سکندر نے نہیں بلکہ ذوالقرنین نے بنوائی تھی۔

محققین تاریخ نے فارس کی تاریخ کو تین عہدوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک حملہ سکندر سے پہلے کا عہد، دوسرا طوائف الملوکی کا عہد اور تیسرا ساسانی سلاطین کا عہد، اور یہ بھی تسلیم کرلیا گیا ہے کہ ان تینوں عہدوں میں سے فارس کی عظمت اور اس کے عروج کا عہد خورس، (سائرس) کے عہدِ حکومت سے شروع ہوتا ہے۔ اس بادشاہ کو یہودی خورس، یونانی سائرس (Cyrus) فارسی گورش اور کے ارش اور عرب کیخسرو کہتے ہیں۔

قرآن میں ذوالقرنین کا واقعہ (۸۳/۱۸-۹۹) تفصیل سے درج ہے۔ قرآن نے جس ذوالقرنین کا ذکر کیا ہے، اس کا اطلاق خورس کے سوا اور کسی شخصیت پر نہیں ہوتا۔ خدا نے اپنے فضل و کرم سے ذوالقرنین کو حکمرانی عطا فرمائی تھی۔ اس کی بڑی مہمیں تین تھیں۔ پہلے مغربی ممالک فتح کیے پھر مشرقی، پھر ایک ایسے مقام تک فتح کرتا ہوا چلا گیا جہاں پہاڑی درہ تھا اور اس کے دوسری طرف سے یاجوج ماجوج آکر لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔ اس نے وہاں ایک نہایت محکم سد تعمیر کردی اور یاجوج ماجوج کی راہ بند ہوگئی۔

تمام عرب مورخین کا بیان ہے کہ نوشیرواں نے یہ دیوار تعمیر کی تھی۔ لیکن جب ہم قبل از اسلام عہد کے تاریخی نوشتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نوشیرواں کے عہد سے بہت پہلے یہاں ایک دیوار موجود تھی اور اس نے شمال سے جنوب کا راستہ روک رکھا تھا۔

جوزیفس اور پروکوپیس (Procopius) دونوں یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ان استحکامات کا بانی سکندر تھا؛ حالانکہ سکندر کی فتوحات کا کوئی واقعہ تاریخ کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے اور کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ وہ

اس علاقے میں آیا ہو یا یہاں کوئی جنگ کی ہو۔

اصل یہ ہے کہ یہ استحکامات سکندر سے دو سو برس پہلے سائرس نے تعمیر کیے تھے اور درہ داریال کی سد وہی ہے جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے۔

سائرس ۵۵۰ ق م میں تخت نشین ہوا اور ۵۲۹ ق م میں فوت ہوا۔ مذہباً زرتشتی تھا اور زرتشت کا ہم عصر بھی۔[۱]

۞

از	جمال	زہرہء	بگداختی
دل	چاہ	بہ بابلے	انداختی

(ص ۳۹/۵۱۱)

مشہور ہے کہ دو فرشتے ہاروت اور ماروت، زہرہ پر عاشق ہو گئے تھے اور فعل بد کے مرتکب ہوئے جس کی پاداش میں دونوں فرشتے چاہ بابل میں آج تک الٹے لٹک رہے ہیں اور زہرہ ان فرشتوں سے اسم اعظم سیکھ کر اس کی برکت سے آسمان پر چڑھ گئی اور ستارہ کی صورت میں مسخ کر دی گئی۔

ہر چند کہ ہاروت و ماروت اور زہرہ کا یہ قصہ بعض احادیث میں مروی ہے مگر بہ اتفاق محدثین یہ احادیث شاذ و ضعیف ہیں۔ اصل یہ کہ یہ قصہ یہود کی کتابوں میں سے ہے اور ان کے بہتانات میں ہے۔ [۲]

۞

''آزمایش	کردن	اہر	من	زرتشت را''

(ص ۴۸/۵۲۰)

''زرتشت'': ۔ نواح مشرق کے اس حصہ میں جو اب سرزمین افغانستان میں شامل ہے، غالباً ساتویں صدی قبل مسیح میں زرتشت (زراتشترا) ایک اصلاح شدہ مزدائیت کا پیغمبر بن کر آیا۔ زرتشت کا مذہب ایک نا کامل توحید ہے۔ ربانی ہستیوں کی وہاں کثرت ہے، اس طرح کہ مزدا گویا ذات ہے اور وہ سب اس کی تجلیات یا صفات ہیں اور ساتھ ہی وہ اس کی مشیت کو، کہ وہی مشیت ایزدی ہے، نافذ کرنے والی ہیں۔ مزدا کی ذات لاشریک ہے اور ثنویت کا عقیدہ محض ظاہری ہے کیونکہ دو عالمگیر روحوں (یعنی روح خیر اور روح شر) کے درمیان جو جنگ جاری ہے، وہ بالآخر روح خیر کی فتح پر منتہی ہوگی۔

زرتشت کی تعلیم کا عملی پہلو سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس نے مذہب کو محض ایک قومی اور ملکی مذہب کی شان نہیں دی بلکہ انفرادی زندگی کا روزانہ دستور العمل بنا دیا۔ نفس کی طہارت اور اعمال کی درستگی اس کی تعلیم کا اصل محور ہے۔ پروفیسر گرنڈی کے لفظوں میں ''اس کا مذہب حقیقت اور عمل کا مذہب تھا، یونانی مذہب کی طرح محض

رسموں اور ریتوں کا مذہب نہ تھا - اس نے مذہب کو ایرانیوں کی روزانہ زندگی کی ایک حقیقت بنا دیا اور اخلاق اس مذہب کا مرکزی عنصر تھا'' - زرتشت کی تعلیم سرتا سر خدا پرستی اور نیک عملی کی تعلیم تھی، اور آتش پرستی اور ثنویت کا اعتقاد اس کا پیدا کیا ہوا اعتقاد نہیں ہے بلکہ قدیم میدوی مجوسیت کا ردِ عمل ہے-

چوتھی صدی قبل مسیح کے بعد زرتشتی مذہب کا تنزل شروع ہو گیا - ایک طرف قدیم مجوسی مذہب نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا، دوسری طرف خارجی اثرات بھی کام کرنے لگے - پھر سکندرِ اعظم کی فتوحات کا سیلاب اٹھا اور وہ ایران کی دو صد سالہ شہنشاہی ہی نہیں بلکہ اس کا مذہب بھی بہا لے گیا - زرتشت کا سالِ وفات تقریباً ۵۵۰ ق م سے لے کر ۵۸۳ ق م کے درمیان ہونا چاہیے-۳

❁

آں	فلاطوس	،	آں	صلیب	،	آں	روئے	زرد

آں فلاطوس ، آں صلیب ، آں روئے زرد
زیرِ گردوں تو چہ کر دی او چہ کرد
(ص۵۲/۵۲۴)

''فلاطوس'':- فلاطوس (Pontius Pilate) پانچواں رومی حاکم تھا جس نے ۲۶ء سے ۳۶ء تک حکومت کی - حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب اسی کے زمانے میں کیا گیا - لوقا کی انجیل میں اسی کا ذکر موجود ہے - فلاطوس کے بارے میں بڑے قصے مشہور ہیں جن کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا مشکل ہے بلکہ بعض تو افسانوی حیثیت رکھتے ہیں جو اس کی زندگی اور خودکشی کے متعلق ہیں-۴

❁

اعجمی را اصلِ عدنانی کجاست
گنگ را گفتارِ سحبانی کجاست
(ص۵۴/۵۲۶)

''عدنانی'':- مراد عدنان سے ہے-

حضرت اسماعیلؑ کے بارہ لڑکے تھے جن میں ایک کا نام قیدار تھے - قیدار کی اولاد میں ایک شخص عدنان ہوئے - عرب کے وہ قبائل جو بنی اسماعیل کہلاتے ہیں، زیادہ تر عدنان ہی کی اولاد ہیں، اس لیے بنی اسماعیل کو عدنانی بھی کہا جاتا ہے - آگے چل کر انہی بنی عدنان کی ایک شاخ بنو قریش کہلائی - عدنان کی کنیت ابو معد تھی - رسول کریمؐ کا نسب نامہ ان تک مسلسل پہنچتا ہے- ۵

❁

بعل و مردوخ و یعوق و نسر و فسر

رم خن و لات و منات و عسر و غسر

(ص ۸۹/۵۶۱)

''بعل'':۔شامی قوم کا معبود تھا۔قرآن نے بھی اسی ضمن میں اس کا ذکر کیا ہے۔بعل کے لغوی معنی قوت کے ہیں۔اسی سے مجازاً آقا کے معنی اور اس کے بعد شوہر کے معنی میں یہ لفظ مستعمل ہوا۔عرب کا مشہور دیوتا ہبل جو قریش کا خدائے اعظم تھا، اسی بعل کی تحریف ہے۔

''مردوخ'':۔اس کی پرستش اہل بابل کرتے تھے۔اس کا ذکر توریت میں بھی ہے۔

''یعوق'':۔عوق سے (روکنا) مضارع کا صیغہ ہے۔اہل یمن میں یہ بت پوجا جاتا تھا۔یعوق کے معنی روکنا ہے، یعنی مصیبتوں کو روکنا۔اس کی ہمدان میں بھی پرستش ہوتی تھی۔

''نسر'':۔نسر کے لغوی معنی گدھ کے ہیں۔اسی شکل کا ایک مجموعہ کواکب آسمان میں ہے جس کو نسر کہتے ہیں۔نسر، دیوتا کی حیثیت سے سامی قوموں میں مدت سے پوجا جاتا تھا۔اس کے متعلق تو یہ تحقیق ثابت ہے کہ وہ ایک آسمانی شکل کا نام ہے جو ایک پرندے کی شکل پر تھا۔نسر، حمیر کے خاندان ذی الکلاع کا بھی معبود تھا۔

''عسر'':۔عسر (Osiris) مصریوں کا معبود اعظم تھا۔

''فسر''،''رم خن'' اور ''غسر'' یہ تینوں فرضی نام ہیں۔۶

اے فواد ، اے فیصل ، اے ابن سعود

تا کجا بر خویش پیچیدن چو دود

(ص ۹۷/۵۶۹)

فواد کا اشارہ مصر کے بادشاہ، شاہ فاروق کے والد اسمٰعیل فواد کی طرف ہے۔فیصل سے مراد شاہ عراق فیصل ثانی کے والد فیصل الحسین اور ابن سعود سے مرحوم عبد العزیز ابن سعود مراد ہیں۔

''فواد''۔اسمٰعیل فواد ۱۹۱۷ء میں تخت نشین ہوا، ۹ جولائی ۱۹۲۸ء کو اس نے پارلیمنٹ برخاست کر دی اور خود حکومت کرنے کا عزم کر لیا۔جمہوریت اور وفد پارٹی کا دشمن تھا۔انگریزوں کے اشاروں پر کام کرتا تھا۔۱۹۳۶ء میں انتقال کیا۔۷

''فیصل'':۔فیصل الحسین (۱۸۸۵ء۔۱۹۳۳ء) عراق کا بادشاہ طائف میں پیدا ہوا۔شریف حسین کا تیسرا لڑکا تھا۔اس کا شجرۂ نسب حضرت فاطمہؓ سے جا ملتا ہے۔۱۹۱۳ء میں جدے کا حاکم مقرر ہوا اور عربوں کی قومی تحریک میں

آگے بڑھ کر خود کو پیش کیا۔ ۱۹۱۴ء میں اس نے اپنے باپ کی فوج کی مکہ کے قریب قیادت کی۔ ۱۹۱۵ء میں شام کے ترکی گورنر کے دوش بدوش لڑتا رہا، لیکن دفعتہً سال نو کے آغاز میں حجاز کی طرف چلا آیا جہاں اس نے عربوں کی بغاوت میں نمایاں حصہ لیا۔ یہ عرب فوج کا سپہ سالارِ اعلیٰ تھا۔ کچھ عرصے بعد اس نے شام کی ریاست کا نظم و نسق سنبھالا اور پیرس کی امن کانفرنس میں شرکت کے بعد اپریل ۱۹۱۹ء میں شام واپس ہوا۔ ۱۹۲۰ء میں شام کا بادشاہ مقرر ہوا لیکن فرانس سے اختلاف پر اس نے جولائی ۱۹۲۰ء میں شام کو چھوڑ دیا۔ بعد ازاں عراق پہنچا جہاں کثرت رائے سے جون ۱۹۲۱ء میں بادشاہ بنا۔ فیصل پہلی جنگِ عظیم میں انگریزوں کے ساتھ رہا۔ ۸ ستمبر ۱۹۳۳ء کو انتقال کیا۔ ۸

''ابن سعود'':۔ عبد العزیز ابن عبد الرحمٰن ابنِ فیصل ابنِ سعود شاہ حجاز، نجد کے دار الخلافہ ریاض میں ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا انتقال ۱۹۲۸ء میں ہو گیا تھا۔ عبد الرحمٰن، سلطانِ نجد امیر فیصل کے چار بیٹوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد اس کے دو بڑے بیٹے تخت نشینی کے لیے باہم جنگ کرنے لگے اور اس جنگ نے ایسی نازک صورت اختیار کر لی کہ بد نظمی تمام وسط ایشیا میں پھیل گئی۔ ابن رشید کا حریف خاندان شمالی نجد سے جنوب کی طرف بڑھنا شروع ہوا یہاں تک کہ ۱۸۹۱ء میں وہاب خاندان کو نکال باہر کیا اور خود ریاض پر قابض ہو گیا۔

۱۹۰۰ء میں ابنِ سعود کے باپ عبد الرحمٰن نے اپنے والد کے تخت کو حاصل کرنے کے لیے عزمِ صمیم کیا۔ اس کو شکست ہوئی۔ وہ اپنے بیٹے کے حق میں دست بردار ہو گیا۔ چنانچہ عبد العزیز نے دوسرے ہی سال دو سو آدمیوں کے ہمراہ حملہ کر دیا اور نجد پر قبضہ کر لیا۔ یہ ابن سعود کی بہادری کا غیر معمولی کارنامہ ہے۔ اس کے بعد انہوں نے نجد کی حکومت کو فروغ دینا شروع کیا اور اس طرح عربوں میں اتحاد پیدا کر کے عرب سلطنت قائم کی۔

ابنِ سعود کو استحکامِ سلطنت کی خاطر ترکوں سے بھی نبرد آزما ہونا پڑا۔ ترک مشرقی عرب پر قابض تھے۔ جب لڑائی ہوئی تو ان کو ابنِ سعود کے حق میں وہاں سے ہٹنا پڑا۔ ترکوں کے بعد ابن سعود نے اپنے دو قدیم حریفوں کی طرف توجہ مبذول کی۔ ایک تو ان میں ابن رشید کا خاندان تھا اور دوسرا حجاز کا شاہ حسین۔ ابنِ سعود نے ان دونوں کو زیر کیا۔ ۸ جنوری ۱۹۲۶ء کو ابنِ سعود نے حجاز کا بادشاہ ہونے کا اعلان کیا۔ ایک سال کے بعد ان کو نجد اور اس کے متعلقات کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔

دوسری جنگِ عظیم میں ان کی ہمدردی انگریزوں کے ساتھ تھی۔ انہوں نے حکومت بڑے انصاف اور مستعدی سے کی۔ ان کے عہدِ حکومت میں سعودی عرب نے ہر طرح کی ترقی کی۔ وہ شدت سے قرونِ اولیٰ کے اسلام پر عامل تھے اور خود کو خدا کا خادم کہتے تھے۔ ابن سعود نے ۹ نومبر ۱۹۵۳ء کو ۷۳ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ ۹

اور ریاض میں دفن کیے گئے۔ ۱۰

❁

جعفر	از	بنگال	و	صادق	از	دکن
ننگِ	آدم	،	ننگِ	دیں	،	ننگِ	وطن

(ص ۱۴۲/۶۱۴)

''جعفر'':۔ جعفر علی خاں تاریخ میں میر جعفر کے نام سے مشہور ہے۔ انگریزوں نے بنگال کے نواب سراج الدولہ کو شکست دے کر میر جعفر کو ۱۷۵۷ء میں بنگال کا نواب بنادیا تھا۔ مگر وہ انتظامِ سلطنت کی اہلیت نہ رکھتا تھا، اس وجہ سے معزول کردیا گیا اور انگریزوں نے اس کی معقول پنشن مقرر کردی۔ اس کے بعد اس کا داماد میر قاسم علی خاں مسند نشین ہوا۔ میر قاسم نے اس کے بعد انگریزوں کی مخالفت کی، اس لیے انگریزی فوج کو اس سے لڑنا پڑا۔ انگریزوں نے پھر میر جعفر کو گدی پر بٹھایا۔ میر جعفر اپنے ولی نعمت، خان سراج الدولہ سے غداری کر کے انگریزوں سے مل گیا تھا؛ چنانچہ اس نے نواب کے تمام بھید انگریزوں کو بتا دیے۔ اس طرح نواب کو انگریزوں کے ہاتھوں شکست ہوئی اور بنگال کی اسلامی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ میر جعفر کا ۵ فروری ۱۷۶۵ء کو انتقال ہوا۔ ۱۱

''صادق'':۔ میر صادق، حیدر علی کا معتمد خاص اور وزیر تھا۔ میسور میں عام طور پر مشہور ہے کہ حیدرآباد کے میر عالم کا بھائی تھا۔ مذہباً شیعہ اور عجمی النسل سید تھا۔ سلطان حیدر علی سے صادق کی دشمنی کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ سلطان نے اس کو معزول کردیا تھا اور بعد میں بحال بھی کردیا تھا، لیکن یہ میر زادہ درپردہ اپنی توہین کا انتقام لینے پر تلا ہوا تھا۔ میسور کی تیسری جنگ کے بعد سلطان نے اصلاحات جاری کیں اور ملک میں مجلسِ شوریٰ قائم کی اور اس کا نام ''زمرۂ غم نباشد'' رکھا۔ اس مجلس کے قیام کی غرض یہ تھی کہ رعایا میں سلطنت کی ذمہ داری کا احساس پیدا ہو۔ لیکن میر صادق نے اپنے اثر و رسوخ سے اس مجلسِ شوریٰ کو بے کار بنا دیا۔ میر صادق کے اثر و رسوخ کا عالم یہ تھا کہ یہ سلطان تک کوئی خبر نہ پہنچنے دیتا تھا۔ اسی وجہ سے سلطان کو میسور کی تیسری اور چوتھی لڑائی میں پے در پے شکست اٹھانی پڑی۔ سرنگاپٹم کے محاصرے کے آخری دن یعنی ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو انگریزوں کے آنے کی خبر سن کر جب سلطان، ڈگی دروازے سے باہر نکلا تو میر صادق نے دروازے کو اندر سے بند کرادیا۔ اس غدار کو خوف تھا کہیں سلطان واپس آ کر انگریزوں سے صلح نہ کرلے۔ دروازے بند کردینے کے بعد اس غدار نے فصیلِ قلعہ پر سلطان کی موجودگی کی اطلاع انگریزی فوج کو دے دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام انگریزی فوج نے سمٹ کر تین طرف سے فصیلِ قلعہ پر گولیاں برسانا شروع کردیں اور سلطان شہید ہوگیا۔ اس طرح میر صادق کی غداری سے میسور کی اسلامی سلطنت ختم ہوئی۔ ۱۲

گفت " ایں کاشانۂ شرف النسا ست
مرغ باش با ملائک ہم نواست"
(ص ۱۵۷/ ٦۲۹)

"شرف النسا": -شرف النسا نواب خان بہادر خاں کی بیٹی، اور نواب عبد الصمد خاں کی پوتی تھیں -یہ دونوں باپ بیٹے، بہادر شاہ اور شاہ عالم کے زمانے میں یکے بعد دیگرے پنجاب کے گورنر تھے-

شرف النسا کا مقبرہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط میں بنایا گیا -مقبرہ کی عمارت اپنے عہد کے فنِ تعمیر کا ایک عمدہ نمونہ خیال کی جاتی ہے -یہ مقبرہ لاہور میں سرو والے مقبرے کے نام سے مشہور ہے-[۱۳]

آں فروغ دودۂ عبد الصمد
فقرِ او نقشے کہ ماند تا ابد
(ص ۱۵۷/ ٦۲۹)

"عبد الصمد": -عبد الصمد خاں الملقب بہ نواب شمس الدولہ بہادر جنگ ولد خواجہ عبد الکریم، خواجہ عبید اللہ احرار کی اولاد سے تھے- ان کے والد سمرقندی تھے مگر یہ آگرے میں پیدا ہوئے -بچپن میں والد کے ساتھ سمرقند جا کر تحصیل علم کی - اورنگ زیب کے عہد میں واپس آئے - شش صدی کا منصب ملا اور چند ہی روز میں پانژدہ صدی پر ترقی ہوئی - خان کا خطاب عطا ہوا - جہاندار شاہ کے عہد میں ہفت ہزاری منصب اور حالی جنگ کا خطاب ملا -فرخ سیر کے عہد میں لاہور کے صوبے دار مقرر ہوئے -سکھوں کے مقابلے کے لیے فوج لے کر گئے، ان کو شکست دی اور ان کے سردار، بندہ بیراگی کو گرفتار کیا -محمد شاہ نے ملتان کا صوبے دار بنایا اور شمس الدولہ کا خطاب دیا -۱۷۳۹ء میں انتقال ہوا -[۱۴]

عمر ہا گل رخت بر بست و کشاد
خاکِ ما دیگر شہاب الدین نزاد
(ص ۱٦۲/ ٦۳۴)

"شہاب الدین": - سلطان شہاب الدین اپنے باپ کے بعد کشمیر کے تخت کا مالک ہوا - شجاعت اور اخلاق پسندیدہ رکھتا تھا -فاتح اور اولوالعزم تھا -جس روز کہیں سے فتح کی خوش خبری نہ آتی، اس دن رنجیدہ رہتا اور سمجھتا

کہ ایک دن عمر کی مدت میں سے کم ہوگیا ۔ ۱۳۵۶ء میں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور دس سال کی مدت میں تبت، کاشغر، بدخشاں اور کابل کو فتح کیا، اسکے بعد ہندوستان پر فوج کشی کی ۔ فیروز، سلطان دہلی سے مقابلہ ہوا ۔ دریائے ستلج پر اس کو شکست دی، اس کے بعد کشمیر واپس چلا آیا ۔ ۱۹ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۳۷۶ء میں انتقال کیا ۔[15]

خسروانِ مشرق اندر انجمن
سطوتِ ایران و افغان و دکن
(ص ۷۰۷/۶۴۲)

اس شعر میں مشرق کے علی الترتیب تین حکمرانوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔ نادر شاہ، احمد شاہ ابدالی المعروف بہ احمد شاہ درانی اور ٹیپو سلطان ۔

"نادر شاہ": ۔ نادر قلی نام تھا ۔ خراسان میں ۱۶۸۷ء میں پیدا ہوا ۔ جوانی میں یہ ڈاکوؤں کا سردار تھا اور لوٹ مار کیا کرتا تھا ۔ رفتہ رفتہ اس کی قوت بڑھتی گئی ۔ ادھر ایران کی صفوی حکومت زوال کی طرف مائل اور ابدالی قبائل کے حملوں کا نشانہ بنی ہوئی تھی ۔ ۱۷۳۰ء میں طہماسپ دوم نے اپنے دشمن کی سرکوبی کے لیے اس کی مدد چاہی ۔ اس نے طہماسپ، شاہِ ایران کو دشمن سے نجات دلائی اور قندھار تک افغانوں کا پیچھا کیا ۔ اس اثنا میں شاہِ ایران نے نادر شاہ کی مرضی کے خلاف ترکوں سے معاہدہ کر لیا ۔ اس پر نادر شاہ نے بادشاہ کو معزول کر دیا اور شیر خوار شہزادے کو ۱۶ اگست ۱۷۳۲ء کو عباس سوم کے لقب سے تخت نشین کیا اور انصرامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لیا، اور ۱۷۳۶ء میں خود مختار ہو کر خود بادشاہ بن بیٹھا ۔ بعض افغان سردار برصغیر پاک و ہند بھاگ آئے تھے، نادر شاہ نے محمد شاہ سے ان کا مطالبہ کیا ۔ اس مطالبے پر کچھ توجہ نہ کی گئی ۔ نادر شاہ نے کابل کو، جو مغلیہ حکومت کا ایک صوبہ تھا، حملہ کر کے فتح کر لیا ۔ پھر ۱۷۳۹ء میں سندھ کو پار کر کے لاہور پر قبضہ کرتا ہوا دہلی پہنچا، وہاں قتلِ عام کیا ۔ دہلی کی بادشاہت اس حملے سے بہت کمزور ہو گئی ۔ دور دراز کے صوبے خود مختار ہو گئے ۔ دہلی سے ایران واپس ہونے کے بعد نادر شاہ کے مزاج میں ظلم و تکبر بہت بڑھ گیا تھا ۔ اس سے ہی دربار کے ارکین بد دل ہوئے اور اس کے خلاف سازش کر کے اسے ۱۰ مئی ۱۷۴۷ء کو قتل کر دیا ۔ نادر کی حکومت تقریباً دس سال رہی ۔[16]

"احمد شاہ درانی": ۔ ہرات کے قرب و جوار میں فرقہ ابدال کا سردار زادہ تھا ۔ نادر شاہ نے بچپن میں اس کو قید کر لیا اور گرز برداری پر مامور کیا ۔ بعد ازاں رفتہ رفتہ فوج کے بڑے عہدے پر پہنچ گیا ۔ ۱۰ مئی ۱۷۴۷ء کی رات کو نادر شاہ کے قتل کے بعد احمد شاہ نے ایران کی فوج پر ازبکوں کی مدد سے حملہ کیا لیکن پسپا ہو گیا ۔ پسپائی کے بعد احمد شاہ نے

فوج کو چھوڑ دیا اور قندھار کی طرف بڑھ کر شہر پر قبضہ کر لیا، اور وہ خزانہ جو کابل اور سندھ سے فارس کی فوج کو جارہا تھا، چھین لیا - ان ذرائع کی مدد سے اس نے ایک سلطنت کی بنیاد رکھی جو بہت جلد طاقتور ہو کر گردونواح کی سلطنتوں کے لیے ایک خطرہ بن گئی - احمد شاہ نے کابل اور قندھار کے علاوہ پشاور پر بھی قبضہ کر لیا اور اس فتح سے دلیر ہو کر اور مغلیہ سلطنت کی کمزوری دیکھ کر اس نے ہندوستان فتح کرنے کا ارادہ کیا - ۱۷۴۸ء میں لاہور سے کوچ کیا اور شہزادہ احمد سے مقابلہ ہوا - شہزادے کے ہمراہ وزیر قمر الدین کے مارے جانے سے مغل فوج منتشر ہو گئی اور فریقین کا بہت نقصان ہوا - ۱۷۵۷ء میں مرہٹوں کی طاقت ہندوستان کے تقریباً تمام صوبوں میں پھیل گئی تھی - نجیب الدولہ، شجاع الدولہ، بلکہ ہندو بھی متفق ہو گئے اور احمد شاہ کو دہلی پر قبضہ کرنے کی دعوت دی اور خود مدد کا وعدہ کیا - احمد شاہ اس دعوت پر بہت خوش ہوا اور دہلی کے قریب پہنچ کر پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست فاش دی - یہ مشہور لڑائی ۶ جون ۱۷۶۱ء کو ہوئی - اس کے بعد وہ اپنے ملک کو واپس ہوا - احمد شاہ درانی نے ۲۶ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۷۷۳ء میں وفات پائی - ۱۷

''ٹیپو سلطان'': - ابوالفتح فتح علی ٹیپو سلطان ۱۷۵۰ء میں بمقام دیون ہلی پیدا ہوا - سلطان حیدر علی کو ارکاٹ کے مشہور درویش ٹیپو مستان سے بڑی عقیدت تھی - چونکہ سلطان حیدر علی کے کوئی اولاد نہ تھی اور یہ بیٹا درویش ہی کی دعا سے سلطان کے ہاں پیدا ہوا تھا، اس لیے سلطان حیدر علی نے درویش ہی کے نام پر اس کا نام ابوالفتح، فتح علی ٹیپو سلطان رکھا - ٹیپو کے معنی کنڑی زبان میں چیتے کے ہیں - ٹیپو سلطان ۱۷۸۲ء میں اپنے باپ کی جگہ میسور کا والی ہوا - وہ انگریزوں کا سخت دشمن تھا - اس نے انگریزوں سے کئی مرتبہ جنگ کی اور ان کو ملک سے نکالنے کی انتہائی کوشش کرتا رہا لیکن بعض عناصر کی غلط حکمت عملی کی وجہ سے ناکام رہا - ٹیپو سلطان ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو سرنگا پٹم کے محاصرے میں شہید ہوا اور بمقام لال باغ اپنے باپ کے مقبرے میں دفن ہوا -

ٹیپو سلطان علوم و فنون کا بڑا قدردان تھا - اس نے اپنے محل میں ایک کتب خانہ قائم کیا تھا جس میں قرآن کی تفسیریں، سنسکرت کی کتابیں، شاہان مغلیہ کی فتوحات کی تاریخ کے مسودے اور ہندوستان کے تاریخی وقائع موجود تھے - یہ سارا ذخیرہ بعد میں کلکتے کے کتب خانے میں منتقل کر دیا گیا -

ٹیپو سلطان کا برتاؤ اپنی رعایا کے ساتھ روادارانہ تھا - اس نے مندروں کے لیے بڑے بڑے عطیات دیے -

درمیاں	بنشستہ	بر	اورنگ	زر
خسروانِ	جم	حشم	بہرام	فر

(ص۱۶۲/۶۴۴)

''بہرام'':- بہرام اوّل ساسانی خاندان کا چوتھا بادشاہ اور ہرمز کا بیٹا تھا- ۲۷۳ء میں ایران کے تخت پر بیٹھا- رحم دل اور فیاض تھا- رعایا اس سے بہت محبت کرتی تھی- اس کے عہد کا مشہور واقعہ مصورِ مانی' کا قتل ہے جو فرقہ مانویہ کا بانی تھا- بہرام نے صرف تین سال تین مہینے حکومت کی- اس کے بعد اس کا لڑکا بہرام ثانی ۲۷۶ء میں تخت نشین ہوا- ۱۹

❁

کارِ	آں	وارفتۂ	ملک	و	نسب
ذکرِ	شاپور	است	و	تحقیرِ	عرب

(ص۱۷۳/۶۴۵)

''شاپور'':- شاپور اوّل، خاندان ساسانیاں کا بادشاہ، اردشیر بابکاں کا بیٹا، ۲۴۰ء میں ایران کے تخت پر بیٹھا- اس نے ۲۴۰ء میں رومی سلطنت پر حملہ کیا اور کئی فتوحات حاصل کیں- ایرانی مورخین کے بیان کے مطابق شاپور نے ۳۰ سال حکومت کی- شاپور ایک اچھا سپہ سالار ہی نہ تھا بلکہ عقلمند اور فیاض حکمران بھی تھا- اس نے ۲۷۳ء میں انتقال کیا اور اس کے بعد اس کا بیٹا ہرمز اوّل اس کا جانشین ہوا- ۲۰

❁

با	وطن	پیوست	و	از	خود	در گذشت
دل	بہ	رستم	داد	و	از	حیدر گذشت

(ص۱۷۳/۶۴۵)

''رستم'':- ایران کا مشہور پہلوان تھا- اس کا نام فارسی ادب میں بکثرت آیا ہے- شاہنامۂ فردوسی اس کے کارناموں سے بھرا پڑا ہے جس میں اس کو رستمِ داستان کے نام سے یاد کیا گیا ہے- اس کو رستمِ زابلی بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ زابلستان کا حاکم بھی تھا- اس کے باپ کا نام زال بتایا جاتا ہے اور داماد کا نام زریمان رستم، بہمن کے مقابلہ میں جو کیانی خاندان کا ساتواں بادشاہ تھا، لڑا اور مارا گیا- ۲۱

❁

بایزید	و	شبلی	و	بوذر	ازوست
امتاں	را	طغرل	و	سنجر	ازوست

(ص۱۸۹/۶۶۱)

''طغرل'': -طغرل بیگ، میکائیل بن سلجوق کا بیٹا تھا اور خاندانِ سلجوق کا پہلا بادشاہ - اس نے ۱۰۳۸ء میں سلطان مسعود اوّل بن سلطان محمود کو شکست دی اور اور نیشا پور کا بادشاہ بن گیا - اس نے عراق اور بغداد کو فتح کیا اور تسخیرِ بغداد کے بعد خلیفہ قائم باللہ کو بھی شکست دی جس نے طغرل کو خراساں کا بادشاہ بنا دیا - سلجوق خاندان تین شاخوں میں تقسیم ہو گیا تھا جو ہمدان، کرمان اور روم (بلادِ ترکی) میں آباد تھا - طغرل بیگ نے ۲۶ سال حکومت کی اور ستر سال کی عمر میں ۱۰۶۳ء میں انتقال کیا - الپ ارسلان، اس کا بھتیجا جانشین ہوا -

طغرل بیگ کے کمالات اور اوصاف جہاں بانی خود اس کی زندگی سے ظاہر ہیں - اس نے اپنی قوت بازو سے ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی اور مخالف طاقتوں کو مغلوب کر کے اس کو اس قدر مضبوط کر گیا کہ اس کے جانشینوں نے اس کی بنیاد پر عظیم الشان سلجوقی سلطنت قائم کی -

طغرل ایک راسخ العقیدہ اور دیندار مسلمان اور پاکباز متقی فرماں روا تھا - مسجدوں کی تعمیر سے شغف تھا - کہا کرتا کہ مجھے خدا سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ کوئی عمارت بنواؤں اور اس کے پہلو میں مسجد نہ ہو - ۲۲

''سنجر'': - سلطان سنجر، ملک شاہ سلجوقی کا تیسرا بیٹا تھا - ۱۰۹۲ء میں خراسان پر قابض ہوا - بعد ازاں فارس کا بادشاہ تسلیم کیا گیا - اس نے غزنوی خاندان کے بادشاہ بہرام شاہ کو خراج گذار بنایا - علاء الدین، بادشاہ غور نے بہرام شاہ کو شکست دی اور غزنی لے لیا - بعد میں علاء الدین بھی سنجر کا مطیع ہوا - ۱۱۵۷ء میں سلطان سنجر کا انتقال ہوا - اس کو مرو میں دفن کیا گیا - اس کے بعد خراسان میں سلجوقی خاندان کا خاتمہ ہو گیا -

سلطان سنجر، سلجوقی خاندان کی عظمت و ناموس کا محافظ تھا اور تمام خاندان اس کو اپنا سرپرست اور مربی مانتا تھا - اس کی حکومت خراسان، غزنہ، خوارزم اور ماوراء النہر تک پھیلی ہوئی تھی اور ایران، آرمینیہ، آذربائیجان، موصل، دیار ربیعہ، دیار بکر اور حرمین تک میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا اور ''سلطانِ اعظم'' کے لقب سے مشہور تھا - سلطان سنجر کی شان و شوکت اور عظمت و سطوت اس کے عہد میں ضرب المثل تھی - ۲۳

❁

سرے	از	اسرار	دیں	بر گویمت
داستانے		از	مظفر	گویمت

(ص ۲۰۰/۶۷۲)

''مظفر بیگڑہ'': - سلطان مظفر شاہانِ گجرات کے سلسلے کا مشہور حکمران ہے - ان حکمرانوں کا دورِ حکومت ۷۹۹ھ (۱۳۹۶ء) تا ۹۸۰ھ (۱۵۷۳ء) ہے - مظفر اوّل کو طبقات سلاطینِ اسلام کا پہلا بادشاہ کہا جاتا ہے اور مظفر ثالث کو آخری - مظفر اوّل دراصل لقب ہے ظفر خاں کا - یہ راجپوت خاندان کا فرد تھا - ۷۹۴ھ (۱۳۹۱ء) میں مظفر

خاں کو گجرات کا والی مقرر کیا گیا۔۷۹۹ھ (۱۳۹۶ء) سے اس نے خود مختاری کا اعلان کرنا شروع کر دیا۔محمود شاہ اوّل نے جو بیگڑہ بھی کہلاتا ہے جونا گڑھ، کاٹھیا واڑ اور چپانیر کو بھی گجرات کا حصہ بنالیا۔سلطان مظفر اسی محمود شاہ اوّل کا فرزند تھا۔۹۱۷ھ (۱۵۱۱ء) تا ۹۳۲ھ (۱۵۲۵ء)۔سلطان مظفر ایک راسخ العقیدہ اور دین دار حکمران تھا ۴۴۔

حوالہ کتب

۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ج ۲، ص ۳۹۹۔۴۳۰۔

+ مولانا محمد حفظ الرحمن سیوہاروی، قصص القرآن، ج ۳، ص ۱۳۲۔۲۷۴

+ Herodotus - Vol. 1 Book I pp.237-352

Xenophon - The Persian Expedition, Book I pp. 17-59

+

The Historians' History of the World, Vol II, pp 587 - 600

+

+ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج ۶، ص ۹۳۹۔۹۴۰

+ جیوئش انسائیکلو پیڈیا، ج ۴، ص ۴۰۲۔۴۰۵

۲۔ مولانا محمد نذیر عرشی۔ مفتاح العلوم، ج ۱، ص ۲۳۴۔۲۳۵

۳۔ پروفیسر آرتھر کرسٹن سین۔ مترجم ڈاکٹر محمد اقبال، ایران بعہد ساسانیاں، ص ۳۲۔۴۳

Professor Grundy, Universal History of the World Vol.II

p.1130 +

James Hastings, Dictionary of the Bible pp.729-730

-۴

۵- شیخ عبداللہ بستانی، البستان، ج۲ص۱۵۳۵، بیروت طبع اول ۱۹۳۰ء

+ امین بغدادی، سبائک الذہب، ص۱۹

۶- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج۱۴، ص۷۸۲-۷۸۳، ج۱۹، ص۱۲۱ ج۸، ص۵۸-۶۱

۷- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج۸، ص۹۶-۱۰۰ الف طبع ۱۹۵۰ء

۸- ایضاً، ج۱۲، ص۵۸۷-۵۹۱

۹- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج۱۲، ص۳۴-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج۲، ص۴۱۴-۴۱۸

David Howarth, The Desert King, A Life of Ibn Saud, pp.230, Beirut. -۱۰

The Cambridge History of India,Vol V.P.174

-۱۱

۱۲- محمود خاں محمود بنگلوری - تاریخ سلطنت خداداد (میسور)، ص۳۸۰-۳۸۲

S. M. Latif, Lahore; its history, architectural remains and

-۱۳

antiquities, Lahore, 1892.pp 135-136

-۱۴ مآثر الامراء، ج۲، ص۵۱۴-۵۱۷

Thomas William Beale, An Oriental Biographical Dictionary p.14. +

۱۵- تاریخ فرشتہ، ج۲، ص۳۳۹ مطبوعہ نول کشور - طبقات اکبری، ج۳،

ص۴۲۸-۴۲۹

Sir Percy Sykes, A History of Persia, vol.II, pp. 247-274

-۱۶

۱۷۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، ص ۴۳۲

Sir Percy Sykes, A History of Persia, vol.II, pp. 275-276

+

۱۸۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲۲، ص ۲۴۰۔

+ محمود خاں محمود بنگلوری، تاریخ سلطنت خداداد (میسور)

+ L. B. Bowring-- Haider Ali and Tipu Sultan.

Sir Percy Sykes -- A History of Persia, vol.1. pp.405-407

۱۹۔

Sir Percy Sykes -- A History of Persia, vol.1. pp.412-426

۲۰۔

Ibid. pp. 136-137 and 495 - 496

۲۱۔

۲۲۔ عمادالدین اصفہانی، دولت آل سلجوق، ص ۶۲۔

+ شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام حصہ چہارم، ص ۹۵

۲۳۔ عمادالدین اصفہانی، دولت آل سلجوقی، ص ۱۱۰۔

+ ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۱۷۔

+ شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، حصہ چہارم، ص ۱۷۳

Ameer Ali --Short History of the Saracens, p. 384

+

Beale, An Oriental Biographical Dictionary p.286.,

۲۴۔

Sind Sagar Academy, Lahore.

بالِ جبریل

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

فقیرِ راہ کو بخشے گئے اسرارِ سلطانی
بہا میری نوا کی دولتِ پرویز ہے ساقی
(ص ۳۵۱/۲۷)

''پرویز'':-خسرو دوم پرویز، ہرمز د بادشاہِ ایران کا فرزند تھا-۵۹۰ء میں تخت نشین ہوا- روما کے بادشاہوں سے اس کی جنگ رہی- درا، اڈیسا وغیرہ کو اس نے فتح کیا- شام، فلسطین اور بیت المقدس پر بھی قبضہ کیا- ۳۸ سال تک حکومت کی- اس کے پیش روؤں کو ایسی کامیابی کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی- پرویز کے عہد کے اختتام کے قریب ہرقلس بادشاہِ روم نے ایران پر حملہ کیا اور اس کو شکست دی- اس کے تمام شاندار محلات برباد کر دیے اور خزانہ لوٹ لیا- اس واقعہ سے خسرو پرویز کی رعایا میں اس کی طرف سے بد دلی پیدا ہوگئی- ان کا خیال تھا کہ اس تباہی و بربادی کا سبب پرویز ہی ہے- رعایا نے اس کے خلاف سازش کی جس میں اس کا بیٹا شیرویہ بھی شریک تھا -خسرو پرویز کا انتقال ۶۲۸ء میں ہوا-

خسرو دوم کی طبیعت کی نمایاں ترین خصوصیت حرص اور زر پرستی تھی- اپنی ۳۸ سال کی حکومت میں اس نے ہر ممکن طریقے سے بے اندازہ دولت جمع کی اور اسے رفاہ کے کاموں سے بچا کر اپنے خزانوں میں بھرا- اس کی حکومت کے تیسویں سال میں اس کے خزانے کی مقدار ایک ارب ساٹھ کروڑ مثقال تک پہنچ گئی جو ایک ارب تیس کروڑ فرانک کے برابر ہوتی ہے- لڑائیوں کا مالِ غنیمت اس کے علاوہ تھا- فردوسی نے خسرو کی دولت کا حال شاعرانہ تفصیل کے ساتھ الگ بیان کیا ہے اور اس کے سات خزانوں کی ایک فہرست بھی دی ہے-[۱]

کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں میں
غلام طغرل و سنجر نہیں میں
جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

(ص ۸۷/۴۱۱)

”جمشید“: -حضرت عیسیٰ سے ۸۰۰ سال پہلے خاندان پیش دادیان سے فارس کا بادشاہ تھا- اس کا جامِ جمشید، جسے جام جم بھی کہتے ہیں، اور تختِ جمشید بہت مشہور ہیں- جامِ جمشید کا شمار دنیا کے عجائبات میں تھا- کہا جاتا ہے کہ شراب جمشید ہی نے ایجاد کی تھی -مختلف علوم وفنون کی ایجاد کا سہرا جو آگے چل کر تہذیب وتمدن کا جزو بنے، جمشید ہی کے سر ہے-ضحاک نے اس کو قتل کیا-۲

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق
کبھی شاہِ شہاں نوشیرواں عشق
کبھی میداں میں آتا ہے زرہ پوش
کبھی عریان و بے تیغ و سناں عشق

(ص ۸۸/۴۱۲)

”نوشیرواں“: -نوشیروان عادل، فارس کے بادشاہ کیقباد کا فرزند تھا- ۵۳۱ء میں تخت نشین ہوا- روم کے بادشاہ کو شکست دی، بغداد کو دارالسلطنت بنایا- نہایت منصف اور عدل پسند بادشاہ تھا- اس کا انصاف اب تک ضرب المثل ہے- طویل مدت حکومت کرنے کے بعد ۵۷۹ء میں فوت ہوا- اس کے بعد اس کا بیٹا ہرمز جانشین ہوا-۳

یہ نکتہ میں نے سیکھا بوالحسن سے
کہ جاں مرتی نہیں مرگِ بدن سے
چمک سورج میں کیا باقی رہے گی
اگر بیزار ہو اپنی کرن سے

(ص ۸۸/۶۱۲)

''بوالحسن'':۔ بوالحسن یا ابوالحسن حضرت علیؓ کی کنیت ہے۔ اقبال کے شعر یہ نکتہ الخ میں آپ ہی کی ذات مراد ہے۔
حضرت علیؓ کا ایک قول نہج البلاغہ میں منقول ہے:

انہ یموت من مات منا ولیس بمیت۔[۴]

(جو مر جاتا ہے وہ انسانوں کے نزدیک مر جاتا ہے لیکن اس کی روح نہیں مرتی)۔

احکام ترے حق ہیں ، مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

(ص ۳۴/۳۵۷)

''پاژند'':۔ متن اوستا کی پہلوی ''تشریح'' ژند کہلاتی ہے۔ اسی طرح پہلوی ژند کی ''تشریح مکرر'' پاژند کہلاتی ہے۔ تشریح مکرر میں جو رسم الخط استعمال کیا گیا ہے، وہ پہلوی رسم الخط سے کم مبہم ہے اور اس کے الفاظ ہزوارش کی بجائے مناسب فارسی الفاظ ہیں۔ اس نقل و تفسیر کے لیے جب اوستائی حروف کام میں لائے جاتے ہیں تو نتیجہ پاژند کہلاتا ہے اور جب فارسی (یعنی عربی) حروف اختیار کیے جاتے ہیں تو پارسی کہلاتا ہے۔ پہلوی کی نقل خواہ پاژند ہو خواہ فارسی، دونوں سے جدید یا بعد الاسلامی فارسی کی قدیم یا قدیم نما شکل پیدا ہو جائے گی اور آرامی عنصر بالکل معدوم۔ متعدد کتابیں مثلاً مینوئے خرد (روح فراست) اس وقت ایسی موجود ہیں جن کے پہلوی اور پاژند دونوں قبیل کے نسخے ملتے ہیں۔ لیکن پاژند میں جس قدر تحریریں ہیں، وہ اصل تصنیف نہیں بلکہ پہلوی اصل کی (گو بعض بعض اصل گم ہیں) نقل ہیں اس لیے کہ تشریح مکرر کی ضرورت تب ہی محسوس ہوئی جب مدتوں متروک رہنے کے باعث لوگ پہلوی کی اصلیت کو بھولنے لگے اور کاتبانِ پہلوی نایاب اور عالمان پہلوی مفقود ہونے لگے۔[۵]

رہے نہ ایبک و غوری کے معرکے باقی
ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمۂ خسرو!

(ص ۷۵/۳۹۹)

''غوری'':۔ مراد سلطان شہاب الدین غوری ہے۔

سلطان غوری کا نام معز الدین محمد سام تھا۔ غوری ۱۱۷۴ء میں غزنی کا حاکم مقرر ہوا۔ اس نے غزنوی خاندان

کے آخری بادشاہ خسرو ملک کو شکست دے کر قید کر لیا اور خراسان اور برصغیر کے بڑے حصہ کو فتح کیا- اجمیر اور قنوج کے ہندو راجاؤں سے جنگ کی اور انہیں شکست دی اور ۱۱۹۴ء میں برصغیر میں اسلامی حکومت قائم کی- غوری نے غزنی، غور اور برصغیر پر تین سال حکومت کی-۱۴ مارچ ۱۲۰۶ء کو قوم گکھڑ نے، جب وہ غزنی واپس جا رہا تھا، راستے میں قتل کر دیا-۶ غوری کا مزار جہلم کے پاس بتایا جاتا ہے۔

۞

دیکھ چکا المنی، شورشِ اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقشِ کہن کے نشاں

(ص۱۰۲/۴۲۶)

''اصلاحِ دیں'':-مراد سولہویں صدی کا مذہبی انقلاب یعنی ریفارمیشن (Reformation) جس نے مغرب کی عیسائیت کو دو جماعتوں میں تقسیم کر دیا، کیتھولک اور پروٹسٹنٹ- اس انقلاب کے اسباب مختلف تھے مثلاً اخلاقی، اقتصادی، سیاسی اور عقائد سے متعلق- ان میں اخلاقی وجوہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی- جرمنی میں مارٹن لوتھر نے اس تحریک میں سب سے نمایاں حصہ لیا- اس نے کہا کہ گرجا، پادریوں کی مداخلت سے الگ ہونا چاہیے، اور یہ بھی کہا کہ عبادت خانوں کے معائنے، متبرک دن اور زیارت کے ایام کا تعین اور پادریوں کی شادی کا انتظام بھی ہوتا کہ وہ کسی برے فعل کے مرتکب نہ ہوں- یہ تحریک تقریباً تمام یورپی ممالک میں پھیلی- جرمنی اس تحریک سے سب سے زیادہ متاثر ہوا- جرمنی کے علاوہ جن ممالک میں اس تحریک کو فروغ حاصل ہوا، ان میں برطانیہ عظمیٰ، سوئٹزرلینڈ، فرانس، نیدرلینڈ، ڈنمارک، اٹلی، اسپین، آئرلینڈ اور اسکاٹ لینڈ شامل ہیں- گو لوتھر کو اس تحریک کی بنا پر کلیسا سے خارج کر دیا گیا لیکن اس نے نصف عیسائی دنیا کو کلیسا کی غلامی سے نجات دلا دی-۷

۞

چشمِ فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگرگوں ہوا مغربیوں کا جہاں

(ص۱۰۲/۴۲۶)

''انقلاب'':-مراد انقلابِ فرانس (French Revolution) ہے-

انقلابِ فرانس ۱۴ جولائی ۱۷۸۹ء کو رونما ہوا- اس انقلاب کے بعد فرانس میں ایک نئی زندگی کی لہر دوڑ گئی- ہر سال اہلِ فرانس ۱۴ جولائی کا دن اپنی قومی آزادی کا دن خیال کرتے اور بڑی شان و شوکت سے مناتے ہیں- یہ

انقلاب نہ صرف فرانس کے لیے بلکہ تمام یورپ کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے- اس انقلاب نے یورپی اقوام میں جمہوریت، قومیت اور اجتماعیت کی روح پھونک دی- اس انقلاب کے بعد فرانس ملوکیت کی لعنت سے پاک ہو گیا- انقلاب کو کامیاب بنانے میں فرانس کے اہلِ قلم کا بڑا ہاتھ تھا- جن مصنفین نے انقلاب کے لیے ذہنوں کو تیار کیا، ان میں روسو، کا نام سرِفہرست نظر آتا ہے-۸

❁

قید خانہ میں معتمد کی فریاد

(ص ۱۰۴/۴۲۸)

''معتمد''- ہشام کی معزولی کے بعد اندلس کی وسیع سلطنت چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستوں میں منقسم ہو گئی تھی؛ چنانچہ بنی عباد نے اشبیلیہ میں اپنی خودمختار حکومت قائم کر لی- المعتمد باللہ ۴۶۱ھ (۱۰۶۸ء) میں تخت نشین ہوا- معتمد بلاشبہ بڑا بہادر بادشاہ تھا، لیکن اس زمانے میں مسلمان حکمران آپس میں ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما رہتے تھے اور عیسائی بادشاہوں سے امداد کے طالب ہوتے تھے؛ چنانچہ معتمد نے بھی ایک عیسائی سردار 'الفانسو' نامی سے دوستی کی اور اسے خراج دینا منظور کیا- ۴۷۵ھ (۱۰۸۲ء) میں معتمد نے الفانسو کے سفیر کو، جو خراج لینے آیا تھا، قتل کرا دیا- اس بات پر ناراض ہو کر الفانسو نے اشبیلیہ پر حملہ کر دیا- معتمد کی فوجی طاقت الفانسو کے مقابلے میں کم تھی، اس لیے معتمد نے یوسف بن تاشفین سے کمک طلب کی؛ چنانچہ یوسف نے معتمد کی امداد کی اور الفانسو کو شکست دے کر واپس چلا گیا- ساتھ ہی یوسف نے معتمد کی کمزوری کا پوری طرح اندازہ کر لیا تھا- دوسرے سال یوسف نے معتمد پر حملہ کیا اور اس کو قید کر کے افریقہ لے گیا اور اشبیلیہ کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا- یوسف نے قید خانے میں معتمد کی جملہ ضروریات کا خیال رکھا، لیکن جب ۴۸۸ھ (۱۰۹۵ء) میں معتمد کا بیٹا جو اس کے ساتھ قید تھا، قید خانے سے فرار ہو گیا اور یوسف کے دشمنوں میں مل گیا جو اس کو معزول کرنا چاہتے تھے تو یوسف نے برانگیختہ ہو کر معتمد کو سر سے پاؤں تک فولادی زنجیروں میں جکڑ دیا- معتمد سے یہ تکلیف برداشت نہ ہو سکی اور رنج و غم کی حالت میں اس کی زبان سے چند اشعار نکلے- معتمد عربی زبان کا صاحبِ دیوان شاعر تھا -۹

❁

عبدالرحمٰن اوّل کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت سرزمین اندلس میں

(ص ۱۰۵/۴۲۹)

''عبدالرحمٰن اوّل'':- عبدالرحمٰن اوّل خاندان بنی امیہ کے خلیفہ ہشام کا پوتا تھا- عباسیوں کے ہاتھوں تنگ آ کر ہسپانیہ چلا گیا تھا- اہلِ یمن، جو حکمران خاندان کے مظالم کا شکار تھے، اس کے گرد جمع ہو گئے- اس نے حاکم

ہسپانیہ کو، جو برائے نام خلفائے عباسیہ کا ماتحت تھا، زیر کیا اور خود خلیفہ بن گیا اور خلفائے عباسیہ کی ماتحتی سے قطع تعلق کر کے، خود مختار بادشاہ بن کر، شاہِ قرطبہ کا لقب اختیار کیا۔ ۳۲ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۷۴ھ (۷۹۰ء) میں انتقال کیا۔ عبدالرحمٰن اول ہی سلطنتِ اندلس کا بانی ہے۔[۱۰]

۞

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

(ص ۱۱۷/۴۴۱)

"سلیم": ۔سلطان بایزید دوم کا دوسرا بیٹا، سلطان سلیم اول، دولت عثمانیہ کے نامور ترین سلاطین میں ہوا ہے۔ اس کی بہادری کے کارنامے تاریخ میں ضرب المثل کے طور پر مشہور ہیں۔ سلطان سلیم اپنے باپ کے بعد ۱۶ اپریل ۱۵۱۲ء کو تخت نشین ہوا اور آٹھ سال حکومت کرنے کے بعد ۲۱ ستمبر ۱۵۲۰ء کو وفات پائی۔ ۱۵۱۷ء میں سلیم کے عہدِ حکومت میں مصر فتح ہوا اور مصر کے بعد شام، فلسطین اور حجاز بھی اس کے زیرِ نگین آ گئے۔ فارس پر حملہ کیا، آرمیڈیا کو ترکی کا ایک صوبہ بنایا۔ ہنگری کی فوج کو شکست دی۔ سلطان سلیم کو حجاز کی فتح کے بعد "خادم الحرمین الشریفین" کا لقب ملا۔ یہ پہلا عثمانی سلطان تھا جو اس لقب سے نوازا گیا۔[۱۱]

۞

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری

(ص ۱۲۲/۴۴۶)

"اردشیری": ۔منسوب بہ اردشیر۔ اردشیر (Artaxeres or Ardashir) ساسانی خاندان کا بانی تھا۔ اس کے عہدِ حکومت کے بارے میں بہت کم معلومات بہم پہنچی ہیں۔ یونانی اور رومی مصنفین اردشیر کی پارتھین قوم پر فتح اور رومیوں سے اس کی جنگ کا ذکر کرتے ہیں۔ اردشیر، بابک کا دوسرا بیٹا تھا۔ بابک اور اس کے بڑے بیٹے شاپور کی وفات کے بعد اردشیر تخت نشین ہوا۔ اس کی تخت نشینی کا سال تقریباً ۲۱۲ء بتایا جاتا ہے۔ وہ ساسانی خاندان کا بڑا اولوالعزم بادشاہ تھا۔ اس کا انتقال ۲۴۱ء میں ہوا۔[۱۲] اقبال کے ہاں محض بادشاہ کے معنی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

۞

نپولین کے مزار پر

(ص ۱۵۵/۴۷۹)

''نپولین''- نپولین بوناپارٹ (Napoleon Bonaparte) کا شمار دنیا کے مشہور ترین فاتحین میں ہے- وہ ۱۵ اگست ۱۷۶۹ء کو پیدا ہوا- ۱۷۷۹ء میں پیرس کے فوجی اسکول میں داخل ہوا اور ۱۷۸۵ء کو سیکنڈ لیفٹیننٹ کی حیثیت سے اس کی فوجی زندگی کا آغاز ہوا- فوج میں اس نے غیر معمولی لیاقت کا ثبوت دیا؛ چنانچہ جلد ہی اس کو جنرل کا عہدہ دے دیا گیا- ۱۸۰۵ء میں نپولین نے روس، آسٹریا اور انگلستان کے خلاف نبرد آزمائی شروع کی- ۱۸ مئی ۱۸۰۴ء کو اس نے ''شہنشاہ'' کا لقب اختیار کیا- اس نے قلیل مدت میں یورپ کے بیشتر حصے کو فتح کر لیا لیکن روس پر حملہ اس کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوا- بالآخر نپولین کو اپنے بیٹے کے حق میں ۱۱ اپریل ۱۸۱۴ء کو تخت چھوڑنا پڑا- نپولین، حکومت سے کنارہ کشی کرنے کے بعد ایلبا میں اقامت گزیں ہو گیا تھا، لیکن دوسری مرتبہ پھر اس نے یکم مارچ ۱۸۱۵ء کو فرانس پر قبضہ کر لیا جس پر یورپ کے تقریباً تمام ممالک نے، جن میں انگلستان اور جرمنی پیش پیش تھے، اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا- چنانچہ واٹر لو کے میدان میں اس کو شکستِ فاش ہوئی اور اس نے انگریزوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے- انگریزوں نے اس کو ایک جزیرے میں نظر بند کر دیا اور اسی قید و بند کی حالت میں اس نے ۵ مئی ۱۸۲۱ء کو انتقال کیا-۱۳

۞

یکایک ہِل گئی خاکِ سمرقند
اٹھا تیمور کی تربت سے اک نور

(ص ۱۶۱/۴۸۵)

''تیمور'':- تیمور ۱۳۳۶ء میں شہر سبز میں پیدا ہوا- مختلف لڑائیوں میں حصہ لینے کے بعد ۱۳۶۹ء میں تخت نشین ہوا- اس کے بعد تیس برس تک فتوحات کا سلسلہ جاری رہا- مغرب میں دریائے والگا کے کنارے تک ملک فتح کیا، جنوب اور جنوب مغرب میں افغانستان، ایران، بغداد، کربلا، کردستان تک فتح کیا- ۱۳۹۸ء میں برصغیر پاک و ہند پر حملہ کیا اور دہلی کو فتح کر کے بے شمار مال و دولت لے گیا- اس کے بعد ترکوں پر حملہ کر دیا اور دمشق اور حلب کو تسخیر کر کے سلطان بایزید کو گرفتار کر لیا- چین پر حملے کی تیاری کر رہا تھا کہ ۱۷ فروری ۱۴۰۵ء کو انتقال کیا اور سمرقند میں دفن کیا گیا-۱۴

۞

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفَسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار

(ص ۱۶۴/۴۸۸)

"جہانگیر": - جہانگیر، مغل شہنشاہ دہلی ۱۶۰۵ء میں اپنے باپ اکبر کے بعد جانشین ہوا - اس کا نام سلیم تھا لیکن تخت نشینی کے بعد اس نے جہانگیر کا لقب اختیار کیا - ۹۹-۱۵۹۸ء میں جب اکبر دکن پر حملہ آور ہوا تو اس نے کئی بغاوتوں کو تقویت پہنچائی - ۱۶۰۴ء میں باپ بیٹے میں مصالحت ہوگئی اور جہانگیر کو جنوبی اور مغربی ہند کا حاکم بنا دیا گیا اور آگرے میں ولی عہد کی حیثیت سے رہنے کی اجازت دے دی گئی - ۲۴ اکتوبر ۱۶۰۵ء کو تخت نشیں ہونے کے بعد جہانگیر نے اس طرح ہر دلعزیزی حاصل کی کہ دفعتہً اپنے کٹر مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا - لیکن اس کا یہ جوش ایمانی رفتہ رفتہ کم ہونے لگا اور وہ عیسائیوں اور ہندوؤں کو بے جا مراعات دینے لگا - اکتوبر ۱۶۲۷ء میں کشمیر سے واپس آتے ہوئے اس نے انتقال کیا اور لاہور کے قریب شاہدرہ میں دفن ہوا - اس کو فنونِ لطیفہ سے بڑا شغف تھا - فارسی کا بہترین انشا پرداز تھا - اس کی تزک اس کی شاہد ہے - اس کے دورِ حکومت میں نور جہاں کا بہت عمل دخل رہا - نور الدین محمد جہانگیر مذہب کے معاملے میں خاصا آزاد خیال تھا، اس کی تصدیق اس کی خود نوشت تزک سے ہوتی ہے - وہ اپنی شراب نوشی کا ذکر بڑی بے باکی سے کرتا ہے - ۱۵

۞

حوالہ کتب

۱- پروفیسر آرتھر کرسٹن سین، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال، ایران بعہد ساسانیاں،
ص ۵۹۸-۶۶۸

Sir Percy Sykes, A History of Persia, vol. II. P. 139

۲-

۳- پروفیسر آرتھر کرسٹن سین، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال، ایران بعہد ساسانیاں،
ص ۴۸۴ اور ۵۹۴

۴- نہج البلاغہ، حصہ اول، ص ۱۸۵، مطبوعہ دار الکتب العربیہ الکبریٰ مصر

۵- پروفیسر ایڈورڈ براؤن، مترجم سید سجاد حسین - تاریخ ادبیات ایران، ص ۱۴۴-۱۴۵

Dr. Ishwari Prasad, Medieval India, pp 126-149.

۶۔

۷- انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج۱۹، ص۳۲-۴۳

۸- ایضاً، ج۹، ص۸۰۴-۸۰۵

Reinhart Dozy, Spanish Islam, pp 637-736

۹۔

+ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ج۳، ص۷۷۹-۷۸۱

Reinhart Dozy, Spanish Islam, pp 161- 229

۱۰۔

+ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ج۱، ص۵۴-۵۵

۱۱- ڈاکٹر محمد عزیر، دولت عثمانیہ، ج۱، ص۱۵۸-۱۸۴

۱۲- پروفیسر آرتھر کرسٹن سین، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال، ایران بعہد ساسانیاں، ص۱۰۶-۱۳۳+ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج۲، ص۳۰۷-۳۰۸

۱۳- انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج۱۶، ص۸۴-۹۶

۱۴- انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج۲۲، ص۳۳۲-۳۳۳، طبع ۱۹۴۶ء

The Cambridge History of India, vol. iv,pp166-182,

۱۵۔

Cambridge University Press, 1937.

۱۶- انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج۱۲، ص۸۶۷، طبع ۱۹۵۰

مسافر

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور۱۹۹۰ء)

خوشا نصیب کہ خاکِ تو آرمید اینجا
کہ ایں زمیں ز طلسمِ فرنگ آزاد است!
(ص ۵۹/ ۳۵ے)

اس شعر میں اشارہ شہنشاہ بابر کی طرف ہے۔

مشہور فاتح برصغیر پاک و ہند اور برصغیر پاک و ہند میں مغلیہ سلطنت کا بانی ظہیر الدین محمد بابر ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا۔ یہ تیموری خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ اس کے باپ کا نام عمر شیخ تھا جو فرغانہ کا حاکم تھا۔ ۱۴۹۵ء میں بابر اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ ۱۵۲۱ء میں دلی کے سلطان ابراہیم لودھی سے وہاں کے امراء نے بدظن ہو کر بابر کو برصغیر پاک و ہند پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ اس نے فوراً اس طرف توجہ کی اور بارہ ہزار کی جمعیت سے ۲۱ اپریل ۱۵۰۶ء کو پانی پت کے میدان میں ابراہیم کو ایک لاکھ فوج کے ساتھ شکست دی اور آگرے پر قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں بابر کا مقابلہ میواڑ کے رانا سانگا سے ہوا۔ ۱۰ مارچ ۱۵۲۷ء کو بابر نے بڑی مشکل سے رانا سانگا کو شکست دی اور تمام شمالی ہندوستان کا مالک بن گیا۔ باقی سال اس نے اپنی حکومت کے استحکام اور اپنے پایہ تخت آگرے کو آباد کرنے میں صرف کیے۔ بابر نے ۴۸ سال کی عمر میں ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء کو انتقال کیا۔ اس کی خودنوشت سوانح 'تزکِ بابری' بڑی اہم تصنیف ہے۔[۱]

۞

تربتِ آں خسرو روشن ضمیر
از ضمیرش ملّتے صورت پذیر
(ص ۶۸/ ۴۴ے)

"خسرو روشن ضمیر" ۔ احمد شاہ بابا سے مراد احمد شاہ ابدالی ہے۔ دیکھیے صفحہ ۲۴۹

۞

مثلِ فاتح آں امیرِ صف شکن
سکّہ زد ہم باقلیمِ سخن
(ص ۶۸/ ۴۴ے)

"فاتح"۔ اشارہ سلطان محمد فاتح، قسطنطنیہ کی طرف ہے۔

محمد ثانی، الملقب بہ سلطان محمد فاتح دولت عثمانیہ کا ساتواں فرمانروا ۱۴۵۱ء سے ۱۴۸۱ء تک حکمران رہا۔ اس کا سال پیدائش رجب ۸۳۲ھ (اپریل ۱۴۲۹ء) ہے۔ ۱۴۴۴ء میں اپنے بھائی کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوا۔

باقاعدہ تخت نشینی سے پہلے دو مرتبہ ادرنہ کا گورنر رہ چکا تھا۔ یوں تو اس کی تمام عمر فتوحات ہی میں صرف ہوئی لیکن اس کی اصل فتح قسطنطنیہ کی فتح ہے جو ۱۴۵۳ء میں واقع ہوئی۔ ۱۴۸۱ء میں اس کا انتقال ہوا۔ وہ علوم وفنون کا بڑا قدر دان تھا۔ اس کے دربار سے متعدد ترکی شعرا کو وظیفے ملتے تھے۔۲

فاش کو باپور فاش کوے
باطنِ خود را بہ ظاہر فاش کوے
(ص ۶۹/۷۴۵)

یہاں اشارہ محمد ظاہر شاہ والی افغانستان کی طرف ہے۔
محمد ظاہر شاہ ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوا۔ اپنے والد کے قتل کے بعد ۸ نومبر ۱۹۳۳ء کو تخت نشیں ہوا۔

از تو اے سرمایۂ فتح و ظفر
تختِ احمد شاہ را شانے دگر
(ص ۷۰/۷۴۶)

پہلے مصرع میں اشارہ محمد شاہ غازی کی طرف ہے اور دوسرے مصرع میں احمد شاہ سے احمد شاہ ابدالی مراد ہے
۔

محمد شاہ غازی ۱۰ اپریل ۱۸۸۰ کو پیدا ہوا۔ ۱۹۲۹ء میں امان اللہ خاں کے تخت چھوڑنے کے بعد شاہ نے بچہ سقہ کو شکست دی اور تخت نشیں ہوا۔ ۱۹۳۳ء میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا محمد ظاہر شاہ تخت نشیں ہوا۔۳

حوالہ کتب

The Cambridge History of India, vol. iv,pp, 1-20

۱۔

+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲، ص ۸۳۷-۸۳۸

۲۔ ڈاکٹر محمد عزیر، دولت عثمانیہ، ج ۱، ص ۱۰۳-۱۴۵

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۳، ص ۶۵۸-۶۵۹

۳- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۶، ص ۵۵، طبع ۱۹۵۰ء

ضربِ کلیم

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

خونِ رگِ معمار کی گرمی سے ہے تعمیر
میخانہ حافظ ہو کہ بتخانہ بہزاد

(ص ۱۴۲/۶۴۲)

"بتخانہ بہزاد":- کمال الدین بہزاد، ایران کے مشہور ترین مصوروں میں شمار کیا جاتا ہے- یہ مختصر تصاویر بنانے میں بڑا کمال رکھتا تھا- اس نے تیمور نامہ اور بوستانِ سعدی میں تصاویر بنائی تھیں- شاہِ ایران، اسمٰعیل صفوی اس کا قدر دان تھا- بہزاد ۱۵۲۴ء میں زندہ تھا- بہزاد کے شاگردوں میں شیخ زادہ خراسانی اور مظفر علی کو شہرت نصیب ہوئی-[1]

خود ابوالہول نے یہ نکتہ سکھایا مجھ کو
وہ ابوالہول کہ ہے صاحبِ اسرارِ قدیم

(ص ۱۵٦/٦۵٦)

"ابوالہول":- مصر میں واقع، ابوالہول (Sphinx) ایک دیو ہیکل بت ہے جسے چٹان کو تراش کر بنایا گیا ہے- مصری دیو مالا میں اس کی مختلف شکلیں بتائی گئی ہیں جن میں سے ایک سب سے زیادہ مشہور ہے اور جس کا حلیہ یہ ہے، جسم شیر کا اور چہرہ انسان کا- یہ شکل قوت اور ذہانت کا مظہر خیال کی جاتی ہے- عرب سیاح اور مورخ عبد اللطیف نے اہرامِ مصر اور ابوالہول کے بارے میں نہایت دلچسپ اور پُر از معلومات باتیں فراہم کی ہیں، لیکن جدید تحقیقات نے عبد اللطیف کے بیانات میں بہت کچھ ترمیم کر دی ہے- ابوالہول کا بت اہرامِ مصر سے ۱۸۰۰ فٹ کے فاصلہ پر واقع ہے- یہ بت تقریباً ۳۵۰۰ ق م میں بنایا گیا تھا-[2]

حوالہ کتب

۱- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، ص ۷۱۷

۲- انسائیکلوپیڈیا امریکانا، ج ۲۵ ص ۴۰۳-۴۰۴، مطبوعہ ۱۹۴۷ء

ارمغانِ حجاز

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

تو اے بادِ بیاباں از عرب خیز
ز نیلِ مصریاں موجے بر انگیز
بگو فاروق را پیغامِ فاروقؓ
کہ خود در فقر و سلطانی بیامیز

(ص ۶۷/ ۸۱۹)

"فاروق":- شاہ فاروق اول ۱۱ فروری ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوا۔ ۲۸ اپریل ۱۹۳۶ء کو اپنے باپ کے انتقال کے بعد تخت نشیں ہوا- حکومت کے انتظام کے لیے جتنی توجہ درکار تھی، فاروق نے اتنی توجہ نہیں کی، تعیش پسندانہ زندگی گذارنے کا خوگر تھا- نتیجہ یہ ہوا کہ فوج اور عوام اس سے بیزار ہوئے اور انہوں نے بغاوت کی اور اس کو ۲۶ جولائی ۱۹۵۲ء کو ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ مصر کو ۱۸ جون ۱۹۵۳ء کو ایک جمہوریہ قرار دے دیا گیا- شاہ فاروق نے ۱۶ مارچ ۱۹۶۵ء کو انتقال کیا-[1]

ز شامِ ما بروں آور سحر را
بہ قرآں باز خواں اہلِ نظر را
تو میدانی کہ سوزِ قرأتِ تو
دگرگوں کرد تقدیرِ عمرؓ را

(ص ۷۸/ ۸۳۰)

"دگرگوں کرد تقدیرِ عمرؓ را":- یہاں اشارہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی طرف کیا گیا ہے-

قریش کے سربرآوردہ اشخاص میں ابوجہل اور حضرت عمرؓ اسلام اور بانیٔ اسلام کی دشمنی میں سب سے زیادہ سرگرم تھے، اس لیے رسول کریمؐ نے خصوصیت کے ساتھ انہی دونوں کے لیے اسلام کی دعا فرمائی- لیکن یہ دعا حضرت عمرؓ کے حق میں قبول ہوئی اور اس کا اثر یہ ہوا کہ اسلام کا سب سے بڑا دشمن سب سے بڑا جاں نثار بن گیا۔ یعنی حضرت عمرؓ کا دامن دولتِ ایمان سے بھر گیا- تاریخ و سیر کی کتابوں میں حضرت عمرؓ کی تفصیلاتِ اسلام میں

اختلاف ہے۔

ایک مشہور واقعہ جس کو عام طور پر ارباب سیر لکھتے ہیں، یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ اپنی انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام سے بد دل نہ کر سکے تو آخر کار مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود بانی اسلامؐ کے قتل کا ارادہ کیا اور تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اکرمؐ کی طرف چلے۔ راستے میں اتفاقاً نعیمؓ بن عبداللہ مل گئے اور ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے۔ بولے محمدؐ کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزا چھپا لیے۔ لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا یہ کیا آواز تھی، بولیں کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا میں سن چکا ہوں تم دونوں ''مرتد'' ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کو بھی مارا یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا لیکن اسلام کی محبت پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ بولیں، عمر جو بن آئے کرو، لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔ ان الفاظ نے حضرت عمر کے دل پر خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ ان کے جسم سے خون جاری تھا۔ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا تم لوگ کچھ پڑھ رہے تھے، مجھ کو بھی سناؤ۔ فاطمہ نے قرآن کے اجزا سامنے لا کر رکھ دیے۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ سورت تھی:

سبح للہ ما فی السمٰوات والارض و ھوالعزیز الحکیم ۔۵۷/۱

جو مخلوق آسمانوں اور زمین میں ہے خدا کی تسبیح کرتی ہے اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔

ایک ایک لفظ پڑھ کر دل مرعوب ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے:

آمنوا باللہ و رسولہ ۔۵۷/۷

(تو) خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

تو بے اختیار پکار اٹھے اشھد ان لاالٰہ الا اللہ و اشھد انّ محمد رسول اللہ ۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول کریمؐ، ارقمؓ کے مکان میں جو کوہ صفا کے نیچے واقع تھا، پناہ گزیں تھے۔ حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف تھے، صحابہ کو تردد ہوا لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا، آنے دو مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کردوں گا۔ حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول کریمؐ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کے فرمایا: ''کیوں عمر! کس ارادہ سے آئے ہو؟'' نبوت کی پُر جلال آواز نے ان کو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع سے عرض کی کہ ''ایمان لانے کے لیے''۔ رسول کریمؐ اور صحابہؓ نے بے ساختہ اللہ اکبر کا نعرہ اس زور سے مارا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

یہی روایت تھوڑے سے تغیر کے ساتھ دارقطنی، حاکم، ابویعلیٰ اور بیہقی میں حضرت انس سے مروی ہے۔۲

ہو مبارک اس شہنشاہ نکو فرجام کو
جس کی قربانی سے اسرار ملوکیت ہیں فاش

(کلیاتِ اردو، ص۲۹/۲۱۷)

''شہنشاہ نکو فرجام'':۔ اشارہ ایڈورڈ ہشتم کی طرف ہے۔

ایڈورڈ ہشتم، جارج پنجم کا سب سے بڑا بیٹا، ۲۳ جون ۱۸۹۴ء کو پیدا ہوا۔ تعلیم آکسفورڈ میں پائی۔ ۱۹۱۰ء میں اس کو پرنس آف ویلز بنایا گیا۔ شاہ ایڈورڈ ہشتم کی مختصر حکومت میں بڑے بڑے کام انجام پذیر ہوئے۔ حکومت سنبھالنے کے کچھ دن بعد سے یہ خبر امریکی پریس میں اڑنے لگی کہ شاہ برطانیہ مسز سمپسن سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ مسز سمپسن امریکہ کے عوامی طبقے سے تعلق رکھتی تھی۔ انگلستان کا قانون اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ ایڈورڈ نے محبت کو بادشاہت پر ترجیح دی اور تاج و تخت سے دستبردار ہو گیا۔ ۳ جون ۱۹۳۷ء کو اس نے اپنی محبوبہ سے شادی کی۔ یہ عورت (مسز سمپسن) اس سے قبل دو شوہروں کو طلاق دے چکی تھی، اسی لیے حکومت برطانیہ کو اعتراض تھا۔ لیکن شاہ کہتا تھا کہ جس عورت کو میں چاہتا ہوں، اس کے بغیر حکومت نہیں کر سکتا۔ ایڈورڈ ہشتم نے عمر کا بڑا حصہ فرانس میں بسر کیا۔ بالآخر ۷۷ سال کی عمر پا کر ۲۸ مئی ۱۹۷۳ء کو پیرس میں انتقال کیا اور تجہیز و تکفین کی رسومات انگلستان میں ادا کی گئیں۔۳

حوالہ کتب

۱۔ The International Who's Who, P.xiii

۲۔ معین الدین ندوی، خلفائے راشدین، ص ۴۴-۵۳

۳۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۸، ص ۱۲-۱۸، مطبوعہ ۱۹۵۰ء

(طبع اوّل، ۱۹۵۲ء)

ہاں ، سلام اے مولدِ بوذاسف کو تم تجھے
اب فضا تیری نظر آتی ہے نامحرم مجھے
(ص ۱۵۰)

''بوذاسف'':۔بعض اہلِ علم کے نزدیک بوذاسف گوتم بدھ کا نام ہے۔ دوسروں کے خیال میں یہ مذہب صابی کا بانی تھا۔لفظ بوذاسف 'بت' کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔۱

حوالہ کتاب

۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ا، ص ۷۶۶۔۷۷۰

باب ششم

سیاسی تلمیحات

رموزِ بیخودی

(کلیاتِ اقبال فارسی، لاہور ۱۹۹۰ء)

آں فلارنساویؑ باطل پرست
سرمۂ او دیدۂ مردم شکست
(ص ۱۱۰/۱۲۶)

''فلارنساویؑ باطل پرست'' اشارہ میکیاولی کی طرف ہے۔

نکولو میکیاولی (Niccolo Machiavelii) مشہور اطالوی سیاستدان اور مصنف ۳ مئی ۱۴۶۹ء کو بمقام فلارنس پیدا ہوا۔ اس کی ابتدائی زندگی اور تعلیم کی بابت بہت کم معلوم ہے۔

میکیاولی نے ارسٹوفینز (Aristophanes) کے نمونہ پر ایک طربیہ نظم (Le Maschere) لکھی۔ اس نے ایک اور کتاب تاریخ فلارنس کے نام سے مرتب کی۔ وہ صاحب طرز ادیب تھا۔ اس کی تصانیف متعدد ہیں۔ ان میں سب سے مشہور کتاب (Il-Principe) کتاب الملوک ہے۔ اس میں میکیاولی نے چند بنیادی مسائل پر اظہار خیال کیا ہے۔ اس نے اخلاقیات کے مقابلے میں سیاسیات کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ اس کتاب میں میکیاولی نے اہل اطالیہ کی زبوں حالی کا صرف ایک حل تجویز کیا ہے، اور وہ یہ کہ اطالیہ متحد ہو اور اس میں کوئی طاقتور جابر پیدا ہو۔ میکیاولی نے فطرتِ انسانی کا مطالعہ بڑی دقتِ نظر سے کیا تھا۔ وہ تمام اشیا کے قدرتی اسباب پر زیادہ غور و خوض کرتا تھا یا پھر ان اسباب کو وہ قسمت سے متعلق کر دیتا تھا۔ اس طرح اس نے ارسطو کے طریق فکر کو زندہ کیا۔ اس کے نزدیک صحت مند قومیت کا انحصار اس بات پر ہے کہ انسان اپنے طور پر راست باز ہو۔ میکیاولی کا عقیدہ تھا کہ مذہب سیاست سے الگ کوئی اور چیز ہے۔ وہ عوام کو قوم کی روح خیال کرتا ہے لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی دیکھنا چاہتا ہے کہ عوام سیاست دان کے ہاتھ میں کھلونا ہوں، ان کی تمام ضروریات

سیاست دان کے قبضۂ قدرت میں ہوں اور سیاست دان بھی کوئی جابر ہو۔ میکیاولی کا انتقال ۲۰ جون ۱۵۲۷ء کو ہوا۔

میکیاولی کی تعلیم کا خلاصہ اختصار کے ساتھ اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے کہ اس نے مذہب اور اخلاق کو سیاست سے خارج کر دیا ہے، وطن کی پرستش کو انسانوں کی زندگی کا جزو قرار دیا، اور ارباب سیاست کو مذہب سے بے تعلق کر دیا۔۱

اقبال، میکیاولی کے اس عقیدہ سے سخت اختلاف کرتے ہیں کہ مذہب اور سیاست دو الگ چیزیں ہیں۔ انہوں نے تو صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ اگر سیاست کو مذہب سے الگ کر دیا جائے تو پھر وہ صرف غارتگری کا ایک آلہ بن کر رہ جاتی ہے۔

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

حوالہ کتاب

۱۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۴، ص ۵۷۵-۵۷۸

خطاب بہ مصطفیٰ کمال پاشا ایدہ اللہ

(ص ۱۱۰/۲۸۶)

''مصطفیٰ کمال پاشا'':- مصطفیٰ کمال اتاترک ۱۲ مارچ ۱۸۸۱ء کو پیدا ہوئے- ۱۹۰۱ء میں فوج میں بھرتی ہوئے - دمشق میں فوجی خدمات انجام دینے کے بعد اتاترک کو مقدونیہ بھیج دیا گیا- وہ انجمن اتحاد وترقی کے سرگرم کارکن رہے- ۱۹۱۱ء میں طرابلس پہنچ کر عربوں کی ایک باقاعدہ فوج تیار کی- ترکی کے پے در پے انقلابات کے بعد اتاترک نے ۱۹۲۰ء سے انگورہ کو اپنا دارالسلطنت بنایا- متعدد لڑائیوں میں بہ حیثیت سپہ سالار اعظم حصہ لیا اور خاصی کامیابی اور نیک نامی حاصل کی- اتاترک نے ۱۹۲۴ء میں خلافت کو ختم کیا اور سلطان عبدالحمید خاں کو جلا وطن کر دیا- سلطان کے بعد اتاترک کو ترکی جمہوریہ کا پہلا صدر تسلیم کیا گیا- مصطفیٰ کمال کے فوجی کارناموں میں قسطنطنیہ کو اتحادی فوجوں سے آزاد کرانا اور فتح سمرنا کا واقعہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے- اتاترک کا انتقال استنبول میں ۱۰ نومبر ۱۹۳۸ء کو ہوا -[۱]

شروع شروع میں اقبال کو مصطفیٰ کمال سے بڑی عقیدت رہی لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا گیا، وہ مصطفیٰ کمال پاشا کی لادینی اور مغربیت سے بیزار ہوتے گئے-

۞

جمعیت الاقوام

(ص ۱۴۹/۳۲۵)

''جمعیت الاقوام'':- جمعیت الاقوام (League of Nations) پہلی جنگ عظیم کے بعد معرض وجود میں آئی، اس غرض سے کہ دنیا کی تمام اقوام مل جل کر اپنے اختلافات بغیر جنگ کے طے کریں- کچھ عرصے بعد ہی جمعیت الاقوام کا اثر کم ہونے لگا کیونکہ اس میں جو طاقتور اقوام تھیں، وہ کمزور قوموں سے پوری طرح تعاون نہیں کرتی تھیں- نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۳۵ء میں جمعیت الاقوام ختم ہوگئی - جمعیت الاقوام کا صدر مقام جنیوا تھا- اب اس کی جانشینی کا فرض تنظیم اقوام متحدہ (U.N.O) انجام دے رہی ہے-[۲]

۞

حوالہ کتب

۱-انسائیکلو پیڈیا امریکانا، ج۱۶،ص ۳۴۶-۳۴۷

۲- انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج ۱۳،ص۸۲۹-۸۴۴،طبع ۱۹۵۰ء

بانگِ درا

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور ۱۹۹۰ء)

ہرے رہو وطنِ مازنی کے میدانو
جہاز پر سے تمھیں ہم سلام کرتے ہیں
(ص ۱۵۰/۱۶۶)

''مازنی'':-اشارہ اطالیہ کے مشہور محب وطن گی سپ مازنی کی طرف ہے-

گی سپ مازنی (GiuseppeMazzini) جنیوا میں ۲۲ جون ۱۸۰۵ء کو پیدا ہوا-ابتدا ہی سے بڑا ہونہار تھا-۱۹ سال کی عمر میں وکالت شروع کر دی تھی-۱۸۲۱ء میں اس نے اپنے ہم وطنوں کا حال زار دیکھ کر یہ تہیہ کر لیا کہ اپنے عزیز ملک اطالیہ کو آزاد کرانا چاہیے-اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اسے ادبی مشاغل ترک کرنے پڑے- ۱۸۲۹ء میں اس نے ملک کی ایک سیاسی جماعت میں شرکت کی، گو اس جماعت کی پُر فریب چالوں کا یہ شکار ہوا اور اس کو قید برداشت کرنی پڑی-جوں ہی یہ قید سے رہا ہوا، اس نے اطالیہ کے

نوجوانوں کی ایک جماعت بنائی جس کا واحد مقصد اپنے ملک کو آزاد کرانا تھا۔ اس نے ملک کی آزادی کی خاطر بڑے بڑے مصائب برداشت کیے۔ بالآخر اطالیہ آزاد کرانے میں کامیاب ہوا۔ ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء کو انتقال کیا۔ مازنی کا نام اطالیہ کی جنگِ آزادی کے سلسلہ میں سنہری حروف سے لکھا جاتا ہے۔[1]

اسیری

(ص ۲۶۵/۲۸۱)

یہ نظم علامہ اقبال نے اس وقت سپردِ قلم کی جب دسمبر ۱۹۱۹ء میں علی برادران (مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی) قیدِ فرنگ سے آزاد ہو کر امرتسر پہنچے اور ان کی تشریف آوری کے موقع پر خلافت کمیٹی کے زیرِ اہتمام ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔

دریوزۂ خلافت

(ص ۲۶۵/۲۸۱)

پہلی جنگ عظیم میں ترکوں کو عربوں کی غداری کی وجہ سے شکستِ فاش اٹھانی پڑی؛ چنانچہ انہوں نے غیر مشروط طور پر اتحادیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ انگریزوں نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں سے جو وعدے کیے تھے، ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ترکی کی سالمیت بہر طور برقرار رکھی جائے گی، اگرچہ عمل اس کے برعکس ہوا۔ ترکی کی اس تباہی پر تمام برصغیر پاک و ہند میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ مسلمانوں نے تمام ملک میں احتجاجی جلسے کیے اور اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ ان جلسوں کے بعد دسمبر ۱۹۱۹ء میں امرتسر میں خلافت کانفرنس کا اجلاس ہوا اور یہ طے پایا کہ جنوری ۱۹۲۰ء میں انگلستان کو ایک وفد روانہ کیا جائے۔ چنانچہ وفد روانہ کیا گیا لیکن آٹھ ماہ بعد وفد ناکام واپس ہوا۔[2]

علامہ اقبال نے اپنی دور رس نگاہوں سے بھانپ لیا تھا کہ حکومت برطانیہ جو خود زوالِ خلافت کی سب سے زیادہ آرزو مند ہے، وہ بھلا کب وفد کے مطالبات پر توجہ کرے گی، اس لیے انہوں نے یہ بلیغ نظم تحریر کی۔

یہ آیۂ نو جیل سے نازل ہوئی مجھ پر
گیتا میں ہے قرآن تو قرآن میں گیتا

(ص ۳۰۶/۳۲۲)

۱۹۲۲ء میں گاندھی جی نے جیل سے ایک مضمون، اشاعت کی غرض سے، اپنے اخبار کے لیے تحریر کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن اور گیتا کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دونوں کتابوں کی تعلیم یکساں ہے، اس لیے اسلام اور ہندو مذہب دونوں سچے ہیں۔ گویا گاندھی جی نے ''وحدتِ ادیانِ عالم'' کا سبق دہرا کر اسلام کی برتری پر ایک کاری ضرب لگائی۔ اس کے بعد ملک میں کئی اور حضرات نے اس قسم کی کتابیں لکھیں۔ اقبال نے اس کے مضر اثرات کو محسوس کیا اور یہ اشعار لکھے۔

حوالہ کتب

۱۔ Chambers's Encyclopaedia' vol. vii pp 102-103

۲۔ سید طفیل احمد منگلوی علیگ۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل، مطبوعہ نظامی پریس بدایون، بار سوم، ۱۹۴۰ء، ص ۴۷۵۔ ۴۹۹

جاوید نامہ

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

سیّد		السادات		مولانا		جمال
زندہ	از	گفتارِ	او	سنگ	و	سفال

(ص ۹۱/۵۳۳)

''جمال'': ۔ اشارہ جمال الدین الحسینی کی طرف ہے۔

مولانا سید جمال الدین افغانی شعبان ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۹ء) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید صفدر اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے۔ افغانی کے مولد کے بارے میں دو مختلف آراء ہیں۔ کچھ لوگ ان کو ایرانی نژاد مانتے ہیں، بعض کی رائے میں وہ افغانستان میں پیدا ہوئے تھے۔ انیسویں صدی میں مسلمانوں کی سیاسی اور اخلاقی ابتری سے ان کو سخت صدمہ ہوا اور انہوں نے اپنی تمام عمر مسلمانوں کے جمود و تعطل کو دور کرنے میں صرف کی اور

اتحاد اسلام (Pan-Islamism) میں مسلمانوں کی فلاح کا راز پایا۔ ۱۸ برس کی عمر میں وہ برصغیر پاک و ہند آئے، پھر حج کو چلے گئے۔ ۱۸۵۸ء میں پھر افغانستان حکومت سے متعلق ہو گئے۔ ۱۸۶۹ء میں دوسری بار ہندوستان آئے، یہاں سے مصر گئے۔ ۱۸۷۰ء میں استنبول پہنچے۔ وہاں علی شاہ نے ان کا استقبال کیا اور ''انجمنِ دانش'' کا رکن بنایا۔ وہاں سے وہ مصر چلے گئے جہاں ریاض پاشا نے ان کا خیر مقدم کیا۔ وہاں انہوں نے ۱۸۷۱ء سے ۱۸۷۹ء تک فلسفہ اور دینیات کا درس دیا۔ وہ جس ملک میں جاتے، وہاں کا حکمران طبقہ شروع میں ان کا خیر مقدم کرتا بعد میں مخالف ہو جاتا۔ علماء ان کے اجتہادی رجحانات سے خائف تھے۔ ان مخالفتوں کی بنا پر وہ کسی ایک ملک میں جم کر نہ بیٹھ سکے۔ انہوں نے انگلستان، فرانس، جرمنی، روس، امریکہ وغیرہ کی سیر کی تھی اور مغربی تہذیب کا مطالعہ کیا تھا۔ پیرس سے انہوں نے اپنا رسالہ ''عروۃ الوثقیٰ'' جاری کیا۔ ان کے شاگردوں میں مفتی محمد عبدہ کو خاص مرتبہ حاصل ہے۔ ۹ مارچ ۱۸۹۷ء کو استنبول میں انتقال کیا۔ ۱۹۴۰ء میں ان کے جسدِ خاکی کو ترکی سے افغانستان منتقل کر دیا گیا۔۱

⁂

ترک	سالار	آں	حلیم	درد	مند
فکرِ	او	مثلِ	مقامِ	او	بلند

(ص ۶۱/۵۴۳)

''حلیم'': ۔مراد سعید حلیم پاشا سے ہے۔

سعید، ترکی سیاستدان حلیم پاشا کا بیٹا اور محمد علی کا پوتا، موجودہ مصری حکومت کا بانی، قاہرہ میں پیدا ہوا۔ ترکی اور جنیوا میں تعلیم حاصل کی۔ چونکہ اسے نوجوان ترک تحریک سے ہمدردی تھی، اس لیے جلاوطن کیا گیا۔ بعد ازاں اس نے پیرس کی 'Committee of Union and Progress' سے رابطہ پیدا کر لیا۔ ۱۹۰۸ء کے انقلاب کے بعد استنبول واپس ہوا اور سینیٹ کا رکن بنایا گیا۔ ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۸ء تک مختلف عہدوں پر مامور رہا۔ ۱۷ جون ۱۹۱۳ء کو وزیر اعظم بنایا گیا۔ اپنے عہدِ وزارت میں سعید حلیم نے رفاہِ عام کے لیے نمایاں خدمات انجام دیں۔ اس نے یونانیوں سے خوشگوار تعلقات رکھنے کی کوشش کی۔ سعید حلیم پاشا ''ترک۔جرمن'' اتحاد کا علمبردار تھا، بایں ہمہ ترکی کو پہلی جنگِ عظیم میں غیر جانبدار رکھنا چاہتا تھا۔ جنگِ عظیم میں ترکی کی شرکت کی بنا پر استعفیٰ دے دیا، استعفیٰ منظور نہیں کیا گیا۔ بالآخر فروری ۱۹۱۷ء تک وزارت کا کام چلایا۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو سعید حلیم پاشا کو انگریزوں نے مالٹا میں قید کیا۔ ۱۹۲۱ء میں اس کو رہا کیا گیا۔ بعد ازاں ۶ ستمبر ۱۹۲۱ء کو روم میں قتل کر دیا گیا۔۲

پہلوی	آں	وارثِ	تخت	قباد
ناخنِ	او	عقدۂ	ایراں	کشاد

(ص ۱۷۸/۶۵۰)

''پہلوی'':- اشارہ رضا شاہ پہلوی کی طرف ہے-

رضا خاں نام تھا- ۱۸۷۷ء میں ایک فوجی افسر کے ہاں پیدا ہوا- ۱۹۱۷ء میں تہران پہنچا- ۱۹۲۱ء میں چار ہزار فوج کے ساتھ تہران پر قبضہ کیا- بعد ازاں ایران کی فوج کا سپہ سالار اعظم مقرر رہا- ۱۹۱۳ء میں وزیر اعظم کے عہدے پر فائز ہوا اور ۱۹۳۵ء میں ایران کا شہنشاہ تسلیم کیا گیا- اس طرح ایران کی شہنشاہیت پہلوی خاندان میں منتقل ہوئی - اگست ۱۹۴۱ء میں برطانیہ اور روس نے ایران میں فوجیں داخل کر دیں کہ کہیں ایران پر جرمنی کا قبضہ نہ ہو جائے؛ چنانچہ رضا خاں کو تخت چھوڑنا پڑا- رضا کے بعد اس کا لڑکا محمد رضا پہلوی تخت نشیں ہوا- رضا خاں کا انتقال ۲۶ جولائی ۱۹۴۴ء کو ہوا-[۳]

حوالہ کتب

۱- قاضی محمد عبد الغفار، آثار جمال الدین افغانی، مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند-

+ رضا ہمدانی، حیاتِ جمال الدین افغانی، مطبوعہ لاہور-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، ص ۱۰۰۸- ۱۰۱۱

۲- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۹، ص ۸۱۸

+ E.F.Knight-The Awakening of Turkey pp 251-252

۳- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۹، ص ۳۳۹، طبع ۱۹۵۰ء

بالِ جبریل

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد
(ص ۴۲/ ۳۹۶)

''رشی'':- رشی کا اشارہ مہاتما گاندھی کی طرف ہے-

موہن داس کرم چند گاندھی ۲ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو کاٹھیا واڑ کے ایک مقام پور بندر میں پیدا ہوئے- ان کے دادا پور بندر کی ریاست کے دیوان تھے- گاندھی جی ۱۷ سال کی عمر میں میٹرک پاس کرنے کے بعد ولایت گئے اور وہاں سے بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے راجکوٹ واپس آئے جہاں ان کے والدین رہتے تھے- ۱۸۹۳ء میں ایک مقدمے کی پیروی میں ان کو جنوبی افریقہ جانا پڑا اور اس طرح ان کی افریقہ کی زندگی کا آغاز ہوا- افریقہ میں انہوں نے ہندوستانیوں کے حقوق کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا اور اپنے مقدور بھر ان کی خدمت کی- افریقہ سے واپسی پر انہوں نے ہند کی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا- تحریکِ عدم تعاون، تحریکِ خلافت، انڈین نیشنل کانگریس وغیرہ میں نمایاں کام کیا- گاندھی جی کی حکمتِ عملی کا بنیادی تصور عدمِ تشدد تھا- وہ ہر قسم کی مشکلات کا مقابلہ اپنی

حکمت عملی سے کرتے تھے۔ انہوں نے ملک کی آزادی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ گاندھی جی سیاسی تحریکوں میں حصہ لینے کی وجہ سے متعدد بار گرفتار ہوئے۔ ان کی زندگی کا بڑا قیمتی وقت جیلوں میں گذرا۔ ملک کی تقسیم کے بعد ایک کٹر ہندو نے ان کو دہلی میں ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو ہلاک کر دیا۔ مہاتما گاندھی بلا شبہ ہندو قوم کے مسلمہ لیڈر تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں اچھوتوں کے لیے بھی بڑا کام کیا۔ وہ تمام عمر اچھوتوں کی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہے اور اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ انہوں نے ذات پات کی تفریق کو مٹانے کے لیے برت رکھا، مگر اس کے باوجود برہمنوں نے یہ تفریق بدستور قائم رکھی اور گاندھی جی کے برت کا کوئی اثر نہ ہوا۔[1]

مسولینی

(ص ۱۵۶/۴۸۰)

''مسولینی'':۔ بے نی ٹو مسولینی (Benito Mussolini) اطالیہ کے صوبے فارلی کے ایک قصبے میں ۲۹ جولائی ۱۸۸۳ء کو پیدا ہوا۔ مسولینی اطالیہ کا وزیر اعظم اور آمر مطلق تھا۔ اس نے اپنی تعلیم کا زمانہ بڑی دشواریوں کے ساتھ پورا کیا۔ اس نے کچھ عرصے اونتی (Avanti) نامی رسالے کی ادارت کی۔ اس رسالے کا مقصد صرف حکومت کی خرابیاں بیان کرنا تھا۔ پہلی جنگ عظیم میں مسولینی اتحادیوں کے ساتھ رہا۔ جنگ ختم ہونے پر اطالیہ میں اشتراکیت کی تحریک بڑے زوروں پر پھیل گئی۔ مسولینی نے سختی کے ساتھ اس تحریک کو ختم کیا اور ایک نئی تحریک کا آغاز کیا جسے فاشزم (Fascism) کہتے ہیں۔ جس طرح اشتراکیت ایک عوامی تحریک تھی، اسی طرح فاشزم ایک غیر عوامی تحریک تھی۔ فاشزم کی تحریک مارچ ۱۹۱۹ء میں عالم وجود میں آئی اور اس تحریک کا مرکز ملان (Milan) تھا۔ مسولینی نے ملک کی حالت کو سدھارا اور آخر کار اہل اطالیہ کا سردار بن گیا۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو وزیر اعظم مقرر ہوا۔ وزارت سنبھالتے ہی اس نے ملک کی اقتصادی حالت درست کرنے کے بعد اصلاحات شروع کیں۔ اسی دوران ایک بڑی تعداد اس کی مخالف بن گئی۔ اس مخالفت کے باوجود مسولینی ۲۵ جولائی ۱۹۴۳ء تک وزارت کے عہدہ پر فائز رہا۔ بالآخر دوسری جنگ عظیم میں اتحادیوں کی فتح نے اس کو مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا کیونکہ وہ محوری طاقتوں کے ساتھ تھا اور محوری طاقتیں شکست کھا چکی تھیں۔ ۲۶ اپریل ۱۹۴۵ء کو مسولینی گرفتار ہوا اور دو روز بعد مع اپنے ساتھیوں کے قتل کر دیا گیا۔[2]

حوالہ کتب

۱- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۰، ص ۱۵-

\+ C.F. Andrews, Mahatma Gandhi's Ideas

\+ Romain Rolland, Mahatma Gandhi.

۲- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۶، ص ۲۸-۳۱

ضربِ کلیم

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

ابی سینیا

(ص ۱۵۷/۶۵۷)

جب ۱۸ اگست ۱۹۳۵ء کو اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ اٹلی نے بلا وجہ ابی سینیا پر حملہ کر دیا ہے (جسے آج ایتھوپیا کہا جاتا ہے) تو علامہ اقبال کو بہت افسوس ہوا اور انہوں نے اپنے تاثرات قلبی کا اظہار اس نظم (ابی سینیا) کی صورت میں کیا-

رختِ سفر

(نقشِ اول، جنوری ۱۹۵۲ء)

گاندھی سے ایک روز یہ کہتے تھے مالوی
کمزور کی کمند ہے دنیا میں نارسا
(ص ۱۳۷)

''مالوی'': ۔ اشارہ پنڈت مدن موہن مالوی کی طرف ہے۔

پنڈت مدن موہن مالوی نے برصغیر پاک و ہند کی آزادی کے سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ انہیں گاندھی جی کی حکمت عملی سے اتفاق تھا۔ وہ آزادی عدم تشدد کے ذریعے حاصل کرنے کے قائل تھے۔ پنڈت مالوی ہندوستان کے ماہرینِ تعلیم میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی تعلیمی خدمات بھی ہندو قوم کے لیے کسی سے کم نہیں۔ وہ بنارس ہندو یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے۔ انتقال نومبر ۱۹۴۶ء میں کیا۔

۞

لندن کے چرخِ نادرہ فن سے پہاڑ پر
اترے مسیح بن کے محمد علی جناح
(ص ۱۴۶)

''محمد علی جناح'': ۔ محمد علی جناح ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ یہ کراچی کے خوجہ جماعت کے ایک متمول تاجر خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ مشن ہائی اسکول کراچی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے

لیے۱۸۹۲ء میں لندن پہنچے جہاں آپ نے لنکنز ان (Lincoln's Inn) سے چار سال کی مدت میں قانون کی تعلیم حاصل کی اور ۱۸۹۶ء میں امتیاز کے ساتھ بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی - بیرسٹری کا ابتدائی زمانہ بڑی تنگ دستی میں بسر کیا لیکن اپنے بلند عزائم پر قائم رہے اور کبھی جدوجہد سے منہ نہ موڑا - بالآخر مقدمات میں کامیاب ہونے لگے - اسی طرح وہ دس سال تک ایک معمولی بیرسٹر کی حیثیت سے کام کرتے رہے - کچھ عرصے بعد ان کا شمار ملک کے ممتاز بیرسٹروں میں ہونے لگا - ان کا سیاسی شعور اسی زمانے میں بیدار ہو چکا تھا، جب وہ لندن میں بیرسٹری کی تعلیم پا رہے تھے - شادی بمبئی کے ایک متمول گھرانے میں کی - بیگم جناح کے بعد ان کی ہمشیرہ مس فاطمہ جناح نے امور خانہ داری کی ذمہ داری سنبھال لی - ان کی سیاسی زندگی ایک قوم پرست کی حیثیت سے شروع ہوئی - بعد ازاں ۱۹۱۳ء میں انہوں نے مولانا محمد علی مرحوم اور سید وزیر حسین کی استدعا پر مسلم لیگ میں شرکت قبول کر لی اور اس کے باقاعدہ ممبر بن گئے - مسلم لیگ کو زندگی آپ ہی کی شبانہ روز کوششوں سے حاصل ہوئی - دس سال مسلم لیگ کے صدر رہے - مسلم قوم نے ان کی خدمات کے پیش نظر ان کو قائد اعظم کہا - ۱۹۴۰ء میں لاہور کے ایک اجلاس میں مسلم لیگ نے پاکستان کی قرارداد منظور کی - کانگریس نے اس قرارداد کی مخالفت پوری شدومد کے ساتھ کی، آخر کار مجبور ہو کر اس کو قبول کیا اور ملک کی تقسیم ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو عمل میں آئی اور پاکستان معرض وجود میں آیا - قائد اعظم محمد علی جناح اس ملک کے پہلے گورنر جنرل مقرر ہوئے - ابھی وہ گورنر جنرل ہی تھے کہ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو داعی اجل کو لبیک کہا اور کراچی میں مدفون ہوئے - [1]

حوالہ کتاب

۱۔ صفیہ سلطانہ انور، قائداعظم میری نظر میں۔